سلسلہ مطبوعات انجمن ترقیٔ اردو پاکستان کراچی

نمبر (۲۴۷)

چین و عرب کے تعلقات

اور

اُن کے نتائج

چین کے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ کے ساتھ جو تعلقات رہے اور اُن تعلقات کے جو عمرانی نتائج برآمد ہوئے اُن پر سیر حاصل بحث

مصنفہ

مولوی بدر الدین چینی

بی اے جامعہ و فاضل جامعہ ازہر (مصر)

شائع کردہ

انجمن ترقیٔ اردو پاکستان ۔ کراچی

سنہ ۱۹۴۹ء

(مطبوعہ عمر سول اینڈ ملٹری پریس کراچی)

چند مطبوعات انجمن ترقی اردو

تاریخ مگدھ صوبہ بہار کی مکمل تاریخ جس میں ۶۴۲ ق م سے ۱۹۴۳ء تک تمام تاریخی واقعات و حالات مستند کتب تواریخ سے اخذ کر کے مسلسل اور مکمل طور پر اصل ماخذ کے حوالوں ساتھ تفصیل وار درج کئے گئے ہیں۔ مصنفہ فصیح الدین بلخی۔ قیمت (۵/ ۶ے)

مقالات گارساں دتاسی حصہ اول اردو کے شیدائی اور محسن گارساں دتاسی کے مقالات کا مجموعہ جس میں اردو زبان و ادب پر تبصرے کئے گئے ہیں۔ قیمت (۵ صہ/)

پودے اور ان کی زندگی اس میں پودوں کی دنیا کے پر اسرار حالات درج ہیں اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نباتات کا نظام زندگی بھی انسانی زندگی کی طرح منظم اور منضبط ہے۔ مصنفہ محمد سعید الدین بی ایس۔ سی۔ ام اے (اڈنبرا) قیمت (۳ ے/)

گوتم بدھ بدھ اور اس کے مت کے متعلق بہت پر از معلومات اور تحقیقی مقالہ بدھ کی سوانح اور تعلیمات کے متعلق اب تک جتنی کتابیں شایع ہو چکی ہیں یہ کتاب ان سب کا نچوڑ ہے مصنفہ پروفیسر محمد حفیظ سید (الہ آباد یونیورسٹی) قیمت (عہ/)

ہمارے بنک مرتبہ محمد احمد سبزواری ام اے ریسرچ اسکالر۔ اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جس میں بنک کی ابتدا معاشی و اقتصادی نظام میں اس کی اہمیت اس کے ارتقا کی تاریخ اور اس کے نظام کا مفصل تذکرہ ہے۔ قیمت (ے/)

مختصر تاریخ تمدن اس ہالنڈ ام اے کیمبرج کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ اس میں انسانی تمدن کی تاریخ اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ مترجمہ سید مجاز الدین رفعت قیمت ۱۲ ے

الف لیلہ حصہ پنجم دنیا کی مشہور ترین کتاب الف لیلہ کے ترجمہ کا پانچواں حصہ جو براہ راست عربی سے اردو میں کیا گیا۔ قیمت (ے/)

الف لیلہ ششم الف لیلہ کے ترجمے کا چھٹا حصہ قیمت (۶ ے)

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی

(نمبر ۲۴۷)

چین و عرب کے تعلقات

اور

اُن کے نتائج

چین کے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ کے ساتھ جو تعلقات رہے
اور اُن تعلقات کے جو عمرانی نتائج برآمد ہوئے اُن پر سیر حاصل بحث

مُصنّفہ

مولوی بدر الدین چینی

(بی اے جامعہ و فاضل جامعہ ازہر (مصر))

شائع کردہ
انجمن ترقی اُردو پاکستان۔ کراچی
۱۹۴۹ء

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
	لفظ "کاغذ" عربی اور فارسی زبان میں۔ خشکی راستے سے اسلام کی آمد۔ عربی اور چینی خون کا امتزاج شمال اور غرب چین میں۔	
	نتائج دینی تعلقات:۔ مساجد کی تعمیر۔ مسلمانوں کا بڑھے جانا۔ پہلی مسجد کی بنا ۷۴۲ء میں۔ عہد مغل میں سولہ مسجدوں کی تعمیر۔ اس عہد اور عہد مینگ میں اسلام کی حالت۔ اشاعت اسلام کا توقف عہد مانچو اور اس کے اسباب۔ اسلامی ادبیات۔ مظالم حکام۔ عہد مانچو میں مسلمانوں کی تعداد کے بڑھنے کے دو طبیعی سبب۔ مساجد اور اس کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے۔ غیر منظم طور پر عربی اور فارسی کا اثر چین کی زندگی میں۔ عربی کی حالت چین میں وہ نہیں جیسی کہ دیگر ممالک اسلامیہ میں۔ قانصو اور یونان کے مسلمانوں کی استعداد اور رغبت۔ عربی پر ایک تاریخی نظر۔ محمود کاشغری اور اس کی منزلت عربی ادبا میں۔ عربی زبان "ہانگ چاؤ" میں۔ عربی کتبات۔ اس کی ترقی عہد مانچو میں۔ حاجی نور الحق اور اس کی عربی۔ امور دین میں بعض فارسی اصطلاحات کا رواج مسلم اور اس کا اثر۔ فارس کی ترویج کے اسباب۔ فارسی گانا "ہانگ چاؤ" میں۔ فارسی زبان کے ملوک مینگ کی قدر دانی۔ عہد مانچو میں بعض فارسی داں۔	

(سول اینڈ ملٹری پریس کراچی)



مولوی بدرالدین چینی فاضل جامعۂ ازہر (مصر) و بی۔ اے جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی چینی مسلمان ہیں۔ عربی فارسی انگریزی اُردو زبانوں سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اور چینی تو ان کی مادری زبان ہی۔ اس وقت ان کا تعلق چینی ری پبلک کے سفیر متعینۂ ہند (دہلی) کے دفتر سے ہی۔ اس سے قبل وہ اسی خدمت پر ایران میں تھے۔ وہ نہایت سلیم الطبع اور عالمانہ مزاج کے شخص ہیں۔ سرکاری کام سے جو وقت بچتا ہی وہ مطالعہ اور علمی تحقیق میں صرف ہوتا ہی۔ اس سے قبل اُن کی ایک تصنیف "چینی مسلمان" شائع اور مقبول ہو چکی ہی۔ یہ کتاب یعنی "چین و عرب کے تعلقات" جسے انجمن ترقی اُردو پاکستان شائع کر رہی ہی ایک محققانہ تالیف ہی۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب کے لکھنے میں چینی، عربی، فارسی، اُردو اور یورپی زبانوں کے تمام مستند ماخذوں سے مدد لی ہی۔ انھوں نے یہی نہیں کیا کہ ان کتابوں سے اقوال نقل کر کے جمع کر دیے ہوں بلکہ واقعات کو مبصرانہ تنقید اور تحقیق سے دیکھا ہی اور بہت سی غلطیوں اور غلط فہمیوں کا جو ایک زمانے سے چلی آ رہی تھیں

ازالہ کیا ہے۔

اس کتاب میں آٹھ باب ہیں۔ پہلے باب میں "چین و عرب کے تعلقات قبلِ اسلام" کا ذکر ہے۔ باقی ابواب میں سیاسی، تجارتی، دینی، سفارتی، صناعی و فنّی تعلقات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اب تک ہم چین کے مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے کارناموں سے بہت کم واقف تھے کیوں کہ ہمارے علمانے اس طرف کبھی توجہ نہ کی۔ اب اس کتاب کے مطالعہ سے مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ایسا باب ہمارے سامنے آتا ہے جس کے بارے میں ہماری معلومات بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔

چین میں اسلام کا آغاز ۳۰ھ سے ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب کہ بلادِ عرب اور ممالکِ اسلام اور چین میں باہم سفارتوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے اخلاق، پرہیزگاری اور کردار سے چین میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور حکومت کے نظم و نسق میں بھی بہت اعتماد اور وقعت پیدا کر لی اور اہم سرکاری مناصب پر فائز ہوئے۔ بعض دَور ایسے بھی گذرے کہ انھیں حکومت کی بدگمانی اور سازشوں کی وجہ سے سخت ظلم و ستم اور عقوبتیں جھیلنی پڑیں اور ہزاروں لاکھوں ہلاک ہوئے لیکن ان سب آلام و مصائب کو صبر و استقلال اور خاموشی سے برداشت کیا اور اگرچہ سیاسی اور سرکاری اداروں میں ان کی کوئی آواز نہ تھی تاہم زراعت و تجارت کے کاروبار اور اپنے اخلاق و کردار کی بدولت اپنی حیثیت کو قائم رکھا۔

چینی مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بڑی محبّت ہے۔ وہ دین کی تعلیم اور اشاعت سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اُن کی عالی شان مسجدیں اس کا خاص مرکز تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت چین میں مسلمانوں کی تعداد چار اور پانچ کروڑ کے درمیان ہے۔ اسی دینی تعلق کی وجہ سے عربی فارسی زبانوں نے چینی سوسائٹی میں بار پایا اور اس وقت بھی چینی مسلمانوں کی زبان میں سینکڑوں عربی فارسی کے الفاظ موجود ہیں۔ بعض صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے عربی کی طرف زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ اور اُن علاقوں میں اب بھی بہت سے مسلمان عربی پڑھ سکتے ہیں اور بول بھی سکتے ہیں۔ اب بھی سینکڑوں کتبے ایسے پائے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔ عہد مینگ میں عربی کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور بادشاہ چینگ تہ خود بھی عربی زبان سیکھتے تھے اور ان کا میلان اسلام کی طرف تھا۔ عہد مغول میں عربی فارسی کا زیادہ رواج ہوا۔ لیکن فارسی کو زیادہ تر فوقیت حاصل ہوئی اور چوں کہ مغول فرماں رواؤں کی کوئی خاص زبان نہ تھی اس لیے حکومت کی دفتری اصطلاحات یا تو فارسی سے لی گئیں یا چینی سے۔ اس طرح فارسی کا اثر بڑھ گیا۔ اب بھی چینی مسلمانوں میں دنوں کے نام سوائے جمعہ کے سب فارسی ہیں۔ یعنی شنبہ، یک شنبہ، دو شنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ۔ اسی طرح وہ پنجگانہ نمازوں میں نیت عربی میں نہیں فارسی میں باندھتے ہیں۔ مثلاً "نیت کردم کہ بگزارم دو رکعت نماز بامداد ....." علاوہ اس کے وہ حکایات و قصص جن کا تعلق دینی نصائح و مواعظ سے ہے وہ بھی فارسی

ہیں اور یہ چیزیں مجالس میں سنائی جاتی ہیں یہاں تک کہ بچوں اور عورتوں کی زبان پر بھی رواں ہیں خواہ وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن علمی میدان میں فارسی عربی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چینی مسلمانوں میں عربی کے عالم اور مصنف بھی ہوئے ہیں۔ اور اس زمانے میں بھی بعض چینی مسلمان عربی زبان کی تکمیل کے لیے جامعۂ ازہر (مصر) میں جاتے ہیں۔

سب سے دل چسپ وہ باب ہے جس میں فاضل مصنف نے اس موضوع پر بحث کی ہے کہ وہاں کے مسلمانوں پر چینیوں کا اور چینیوں پر مسلمانوں کا کیا اثر پڑا۔ مسلمانوں نے چین میں عربی طب اور ہیئت کے معلومات پھیلائے۔ "پیکن یونی ورسٹی" میں اس وقت بھی ایک بہت بڑا ذخیرہ اسلامی طب کی کتابوں کا موجود ہے۔ چینیوں نے مسلمانوں سے بارود اور توپ لی تو مسلمانوں نے چینیوں سے قطب نما لیا۔ مسلمانوں نے چین سے چائے لی تو مسلمانوں نے انھیں حنا، یاسمین اور زعفران دیا۔ کاغذ چینیوں کی ایجاد ہے اور اس کے بنانے کی ترکیب مسلمانوں ہی نے چینیوں سے حاصل کی اور انھیں کی بدولت کاغذ یورپ اور دوسرے ممالک عالم میں پہنچا۔ چینی ظروف مشہور آفاق ہیں۔ مسلمانوں نے ہی اول اول ممالک اسلامیہ میں ان کو رواج دیا اور اس صنعت میں خود بھی بہت سی جدّتیں کیں۔ مصوّری اور نقّاشی میں چینی کا جواب نہیں۔ ایرانی مصوّری پر اس کا بہت بڑا اثر پڑا۔ نقّاشی میں مسلمانوں نے بھی حیرت انگیز ایجادیں کی ہیں یہ اور دوسرے تمام حالات آپ اس کتاب میں

تفصیل سے پڑھیں گے اور مصنف کی محنت اور تحقیق کی داد دیں گے۔

تاریخی لحاظ سے یہ کتاب نہایت قابل قدر ہے۔ اس موضوع پر اُردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔ مصنف نے اس کے لکھنے میں بڑی جستجو، کاوش اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ اگرچہ مصنف کی زبان چینی ہے، اُردو انھوں نے ہندستان میں سیکھی، تاہم انھوں نے یہ کتاب اُردو زبان میں لکھی جس کے لیے ہم اُن کے بہت شکر گزار ہیں۔

اس کتاب کی کتابت ۱۹۴۷ء کے وسط میں دلّی میں ہوئی۔ مطبع میں چھپنے کے لیے جانے ہی والی تھی کہ وہاں خوں ریز ہنگامے شروع ہو گئے۔ ہندو غارت گروں نے انجمن پر حملہ کیا۔ تمام ساز و سامان لوٹ لیا یا غارت کر دیا۔ انجمن کا ایک قابل اور بڈھا کاتب اور اس کے بیوی بچے بڑی بے دردی سے قتل کر دیے گئے۔ کتابوں پر بھی ہاتھ صاف کیا کچھ لوٹ لے گئے اور کچھ پھاڑ کے پھینک پھانک دیں۔ فسادات کے بعد جب میں وہاں گیا تو غسل خانوں، باورچی خانے، گدام، پاخانوں اور برآمدوں میں ردّی کے ڈھیر پڑے تھے انھیں ردّیوں میں سے اس کتاب کا مسودہ اور کاپیاں بھی ملیں۔ وہ بھی اس طرح کہ ایک حصہ کہیں ملا، اور کچھ کاغذ پھٹے پھٹائے کسی دوسری جگہ یہ محض اتفاق اور ہماری خوش نصیبی تھی کہ یہ بیش بہا علمی سرمایہ اس طوفان بے تمیزی میں بچ رہا اور ہم اسے اُردو داں طبقے کی خدمت میں پیش کر سکے۔ چھپائی میں جو نقص نظر آتا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ افسوس ہے کہ اس پریشانی کے باعث نظر ثانی بھی نہ ہو سکی اور کتابت میں غلطیاں رہ گئیں جس کے لیے ناظرین کرام سے عذر خواہ ہیں ۔۔۔ (عبدالحق)

تصحیح اغلاط کتاب "چین و عرب کے تعلقات"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۰	۹	جز	جڑ
۳۲۸	۱۳	طاب ثراہ	طاب ثراہ
۱۴۵	۱۸	وشنیت	وثنیت
۱۴۴	۲۰	جان اور اعضا توڑے	جان لینے اور اعضا کو توڑنے
۱۴۶	۹	آلام بھی بیان کیا	آلام بھی بیان کیے
"	۱۷	جس ضحاک نے	جیسے ضحاک نے
۳۸۱	۱۸	ایسے تاریخی نصوص	ایسی تاریخی نصوص
۴۳۵	۸	عربی ہیں یا فارسی	عربی ہیں یا فارسی
"	۱۲	طہرت	ظہرت
۲۹۵	۳	عربی	فارسی
"	۱۹	نہیں پڑھ سکیں	نہیں پڑھ سکتے
۲۹۴	۱۰	یجز	یتجر
۴۴۶	۱۸	ان کی بنائی جنتری	اُن کی بنائی ہوئی جنتری
۲۶۳	۱۲	ذکر اب آجائیگا	ذکر اب آئے گا
۱۶۰	۱۴	یہ ایک قسم کی عقاقیر ہے جو متعدد عناصر نباتی سے تیار کیا جاتا ہے	تیار کی جاتی ہے
۱۶	۲۰	ثیش	ہیش
۳۷۹	۱۰	زخازف	زخارف
"	۱۴	چینی وضع اور رنگ ہو گے	چینی وضع اور رنگ کے ہوگئے
۱۷۶	۱۶	جبین	چین
۴۰۲	۱۱	کہاں تک اور کسی زمانے میں	کہاں تک اور کس زمانے میں
۳۷۷	۳	لکھا	لکھی

چین و عرب کے تعلقات



بدر الدین (حئ) چینی

مصنف کتاب ہذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

اسلام سے پہلے چین و عرب کے تعلقات

(الف) ظہورِ اسلام سے پہلے چین کے حالات

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری کتاب چین و عرب کے تعلقات کے بارے میں بیشتر اُن واقعات سے بحث کرتی ہے جو زمانہ اسلام سے متعلق ہیں۔ لیکن بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جو ان دو قوموں کے درمیان ظہورِ اسلام سے پہلے واقع ہوئی ہیں، ان کی بابت بھی تمہیداً کچھ کہنا چاہیے تاکہ زمانۂ اسلام کے متعلق ہم مفصّل طور پر بحث کر سکیں۔ اور چوں کہ ملک چین ایک مستقل تہذیب و تمدّن کا مالک تھا۔ اور صناعات اور فنون کی دنیا میں بہت مشہور تھا مگر اس کے پرانے حالات سے اب تک ممالک اسلامی بہت کم واقفیت رکھتے ہیں، اور اس لیے مناسب ہے کہ یہاں ہم چین کی تاریخ قدیم کا ظہور اسلام

تک اجمالاً اور اختصاراً ذکر کریں، اس خیال سے کہ قارئین کو جنھیں چین و عرب کے تعلقات سے آشنا کرنا ہے، یہ اندازہ ہو کہ چین اسلام سے قبل کس حالت میں تھا۔

مورخین کا عام قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کی تاریخِ قدیم کے دریافت کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں، تو وہ اس قوم کی تاریخ کی ابتدا ان خرافات اور روایات کی طرف منسوب کرتے ہیں جو عوام کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں اور حروف و طباعت کے ایجاد ہو جانے کے بعد قصّوں اور کہانیوں کی کتابوں میں مدوّن ہیں، پھر اُن میں بعض تاویلات اضافہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی رائیں بھی درج کرتے ہیں۔ بس، یہی بعد میں جاکر اس قوم کی تاریخِ قدیم بن جاتی ہے، جن کے متعلق انھوں نے تحقیق کی کوشش کی ہے، ایسی قیاس آرائیاں اور ظنیات بعض علما کے نزدیک قابلِ قبول سمجھ لی جاتی ہیں اور بعض کے نزدیک نامقبول ہوتی ہیں۔

چین کی تاریخ قدیم بھی بہ قول خاص محققین کے، خرافات سے شروع ہوئی ہے، دنیا کی کوئی قوم، خواہ وہ شرقی ہو یا غربی، انھی افسانوں سے وہ اپنی تاریخ قدیم اخذ کرتی ہے۔ علیٰ ہٰذا چینیوں نے بھی خرافات اور روایات سے ان عصور کی تاریخ مرتب کی، جن کے متعلق کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔ لیکن وہ خرافات جن پر چینی مورخوں نے چین کی تاریخ قدیم کا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔ ایک طرح سے واقعات کے مطابق اور دوسری طرح سے عقل کے نزدیک قابلِ قبول معلوم ہوتے ہیں۔ چین کے اولین حکمرانوں کی ہر عظیم الشان حکومت کے بانیوں کی طرح

قصّوں اور روایات میں بہت تعریفیں کی جاتی ہیں اور ان کی طرف بہت سی خوبیاں منسوب کی جاتی ہیں۔ ان کے متعلق عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عقل مند تھے، حکمت کے مجسمہ، اور ان کے کام عوام اور ملک کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر "فونی" کو لیجیے، چین کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے سرزمین چین پر ایک عرصے تک حکمرانی کی۔ اس کی طرف بہت سی ایجادات منسوب کی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے "فونی" چین کی تاریخ میں ایک غیر فانی ہستی مانی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے چھ قسم کے حروف بنائے اور ایک نظام الاوقات وضع کیا اور آٹھ "رموز" جو کتاب التبدیل (THE BOOK OF CHANGES) کے ماخذ تھے، اس کی ایجادات میں سے ہیں۔ اسی نے لوگوں کو شکار کا فن سکھایا اور غاروں اور چٹانوں میں گھر بنانے کی رہنمائی کی۔ 'فونی' کے بعد علمار چین کے نزدیک شینگ لونگ (SHINC LUNC) حاکم ہوا۔ یہ کسانوں کا سردار تھا جس نے لوگوں کو کاشت کاری اور کھیتی باڑی کا فن سکھایا، لین دین کے لیے بازار قائم کیا اور جڑی بوٹی کی خاصیت کا پتا لگا کر شفار عام اور تخفیف آلام کے لئے طبابت اور علاج کا راستہ دکھایا۔

چین کے خرافی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نام "ہوننے ٹی (HWUANC TI) بھی ہے، جس نے چینی تاریخ کے مطابق ۲۳۳۲ قبل مسیح تک سرزمین چین پر حکومت کی۔ اس کی طرف جہاز سازی اور قطب نما کی ایجاد منسوب کی جاتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی بیوی

نے ریشم کے کیڑوں کی پرورش کا پتا لگایا اور ریشم بنانے اور کپڑے بُنے
کا طریقہ معلوم کیا۔ جہاں تک سیاست مدن کا تعلق ہے، اس کی ابتدا باد
یَو "YAO" کے زمانے میں ہوئی۔ یہ ۲۰۸۵ سے ۲۰۰۴ ق م تک
چین پر حکومت کرتا رہا اور اس کے ظہور کے ساتھ تاریخِ چین کے
خرافی ورق کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور واقعی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ چین
کے بڑے حکیم کانفوش (یعنی کانفوشیوس) اس کے عہد کی نسبت قلم
اُٹھاتے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ "یَو" بڑا معاملہ شناس
عقل مند، دُور بین، منکسر اور مدبر اور اعلا درجے کا کامل مصلح تھا۔ اس
کی حکومت عدل اور حکمت پر مبنی تھی۔ اور کانفوش کو یہ بادشاہ ایک
مثالی حاکم نظر آتا تھا، یہی وجہ تھی کہ یہ حکیم ہمیشہ اس عہد کو یاد کرتا تھا
جب کہ اس نے اپنے زمانے کی خرابیاں اور تمام ملک میں بدنظمی اور
بے عنوانیاں دیکھیں۔

بادشاہ یَو کے بعد شون (SHONG) اعظم بادشاہ ہوا۔ اس
زمانے میں طوفان نوحؑ کی طرح ایک طوفان چین میں آیا جس کی وجہ
سے بہت سی بستیاں ویران اور بہت سی مزروعہ زمینیں بنجر ہو گئیں۔
بادشاہ شون کا ایک بڑا سردار تھا جو بعد میں "یُوْ (YO)" کے نام سے
مشہور ہے۔ اس کو حکم ہوا کہ نہریں کھدوا کر دریا کا پانی جس کے نکلنے کا
کوئی راستہ نہیں تھا، سمندر تک لے جائے۔ اس نے نو سال کی ان تھک
کوششوں سے نو بڑی نہریں نکالیں۔ اسی کے صلے میں اس کو ولی عہد
بنا دیا گیا۔ اور شون کی وفات کے بعد یہ تخت پر بیٹھا اور اپنے خاندان
کا نام "ہیا۔ HAIA" رکھا جس کا عہد حکمرانی ۱۹۵۴ ق م سے شروع

ہوتا ہے، اس نے نظامِ حکومت میں ایک اہم تبدیلی پیدا کردی۔ اس سے
پہلے چین میں ولایت یا صوبہ جات کا نظام نہ تھا، مگر اس نے اس وقت
کے چین کو نو ولایتوں میں تقسیم کیا اور یہ عہد مغول یعنی بارھویں صدی
عیسوی تک باقی رہا۔ اس خاندان کے سولہ بادشاہ گزرے، مگر ۱۶۸۷
ق م میں آخری بادشاہ کی نالائقی سے ایک بڑی بغاوت آئیر تانگ
TANG کے زیرِ قیادت نمودار ہوئی اور خاندان "ہیا" کے آخری
فرماں روا کو تخت سے اُتار کر وہ خود بادشاہ بن بیٹھا۔

بعد میں خاندان "شانگ SHANG" اور خاندان اینگ یکے بعد
دیگرے چین کے مالک ہوئے۔ چینی مورخین کے نزدیک ان دو خاندانوں
کی حکمرانی خاندان "ہیا" کی تجدید ہے، کیوں کہ خاندان تانگ میں جتنے
حکمراں گزرے، دو غیر معمولی شخصیتوں کے علاوہ سب ناکارہ تھے۔ نالائقی
کی وجہ سے ان کو سوائے ظلم اور نفسانی شہوات کے پورا کرنے کے اور
کچھ نہیں آتا تھا۔ اس زمانے میں ملک میں فساد اور بدنظمی ہر جگہ پھیلی ہوئی
تھی۔ حکام کے ظلم اور ستم سے رعایا بالکل تنگ آگئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
ایک نامی باغی چُوسن "CHOW SEN" کے ہاتھ سے شاہی خاندان
کا خاتمہ ہوگیا۔

چوسن ایک امیرالبحر تھا، کام یاب بغاوت کے بعد اس نے حکومت
پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت اس سے بڑی کوئی شخصیت نہ تھی، اس واسطے
اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور رعایا کی مرضی اور خوش نودی
اس کی تائید میں تھی۔ اس کی حکومت اور نظامِ حکمرانی کو چین کے تمام
مورخین پسندیدہ اور تعریف کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حتیٰ کہ حکیم چین کانفوشس

نے بھی اس کی بہت مدح و ثنا کی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا عہد فلاح اور امن کا عہد تھا اور چین کی قوت اور شان بہت کچھ بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ کوریا اور انام نے اپنے اپنے سفیر قدم بوسی کے لیے دربارِ چین میں بھیجے۔

تھوڑے دن کے بعد اس خاندان کی عظمت بھی دیگر حاکم خاندانوں کی طرح، ضعف اور انحطاط کی طرف بہ تدریج مائل ہوئی اور بادشاہ "مو وانگ MO-WANG" کے زمانے میں (۹۴۸-۱۰۰۱ ق م) انتہائی درجہ تک پہنچ گئی۔ یہ وہ بادشاہ تھا جو بڑے بڑے مجرموں سے سزائے موت کے عوض صرف جرمانہ لے کر درگزر کرتا تھا، اس کا اثر عوام کے اخلاق پر پڑا، مجرموں کی کثرت سے ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ ایسی حالت میں قوت اور ہتھیار کے استعمال کے بغیر سلطنت اور حکومت کی بقا ناممکن تھی۔ اس دورِ ظلمت اور خلفشار میں حکیم چین کانفوشس پیدا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ خیانت اور غداری ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے اور حکام میں سوائے شقاق اور نفاق کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پس لازم ہے کہ عوام بھی فتنہ و فساد میں شریک ہو جائیں۔ یہ دیکھ کر کانفوشس آرام نہیں کر سکا، چناں چہ اس نے اپنا فرض سمجھ کر لوگوں کو اخوت اور طریقت آسمانی کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس امید پر کہ لوگ اس کی ہدایت سے جنگ و جدل اور نفاق و خیانت سے باز آ کر ایسی زندگی بسر کریں جو بادشاہ "یو" کے عہد میں لوگوں کو نصیب تھی۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کانفوشس کو نبوت کا دعوا نہ تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو کوئی صاحب رسالت یا پیمبر سمجھتے تھے۔ امرا کے طبقے

نے ان کی تعلیمات کو ان کی زندگی میں قبول نہیں کیا بلکہ ان کے مرنے کے بہت زمانے بعد۔ اور چوں کہ چین میں اس سے بڑھ کر کوئی عقل مند شخص نہیں گزرا، اس لیے بعد کے لوگ اسے معلّم اکبر (THE GREAT TEACHE) ماننے لگے اور ان کی تعلیم جس کی بنیاد اخلاق اور تعاون پر رکھی گئی ہے، شمع ہدایت کے طور پر چینی قوم کے لیے اب تک کام دے رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کانفوش اپنے زمانے کے حالات سے بہت متاثر ہوے، اور انھوں نے حکام کی خوں ریزی اور رعایا کی مظلومی پر بے حد افسوس ظاہر کیا۔ چین کی ادبیات میں ایک قصّہ بہت ہی مشہور ہے جس سے آپ کانفوش کے زمانے کی حالت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ایک دن کانفوش نے ایک عورت کو نہایت دردناک آواز میں روتے دیکھا، جس سے کانفوش کا دل پگھلنے لگا۔ دریافت کے لیے انھوں نے اپنے شاگردوں میں سے ایک کو بھیجا۔ پوچھا: کیا بات ہے کہ میں تم کو اتنا غم گین دیکھتا ہوں؟ اس عورت نے جواب دیا: "میرے باپ کو چیتے نے پھاڑ ڈالا، میرا شوہر تھا وہ بھی چیتے کا لقمہ ہوگیا، اور میرا ایک بچہ تھا اسے بھی ظالم چیتے نے کھا لیا۔"[1]

کانفوش کے شاگرد نے پوچھا: اگر ایسا ہے تو تم کیوں یہاں سے منتقل ہو کر کسی دوسری جگہ نہیں چلی جاتیں تاکہ اس درندے کے ظلم سے محفوظ رہو؟ عورت نے جواب دیا: "یہ جگہ جہاں میں رہتی ہوں۔ یہاں کوئی ظالم حکمراں نہیں ہے!"۔ یہ سن کر کانفوش نے اپنے شاگردوں کو اس

---

[1] یعنی اس خاندان کی تین پشتیں چیتے کی خوں خواری کا شکار ہوئیں۔

حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ حکمراں کا ظلم، درندے کے ظلم سے کہیں زیادہ ناقابلِ برداشت ہے۔ ایک عورت حکام کے ظلم سے بچنے کے واسطے درندے کے منھ میں جانا پسند کرتی ہے۔

کانفوشس نے اپنی زندگی میں امرا اور حکام طبقے کو بہت کچھ نصیحتیں کیں لیکن کچھ اثر نہ ہوا اور نہ لوٹس کی تعلیم، جو کانفوشس کا ہم عصر تھا، مفید ثابت ہوئی۔ بدنظمی چین کے طول و عرض میں برابر بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ ہر ایک رئیس جب ذرا طاقت ور ہو جاتا تو دوسرے رئیس سے لڑتا۔ اور اپنے شہر کو ایک آزاد حکومت بنانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ چین کی تاریخ میں یہ زمانہ طوائف الملوک کے نام سے مشہور ہے۔ اس زمانے میں عوام کے اخلاق بہت ہی گر گئے اور قوم میں ایک وبا بھی پھیل گئی۔ ایک مدت دراز تک مصیبت زدہ چین اسی حالت میں رہا۔ غالباً یہ ایک اہم سبب تھا جس سے "جن شی وانگ تی" کو چین کے اتحاد اور شیرازہ بندی میں مدد ملی۔ یہ وہ شخص ہے جس نے تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو توڑ کر ایک مضبوط اور زبردست حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد تاتاریوں کے سیلاب روکنے کے لیے دیوارِ چین کو بنایا، جو اب تک دنیا کے عجائبات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس فرماں روا کی عقل نے اپنے سے پہلے کی طوائف الملوکی کا اہم سبب یہ سمجھا کہ سیاست دانوں کی تصانیف اور مجادلوں کے کارنامے بڑی حد تک اس خلفشار کے ذمہ دار ہیں جنھوں نے زمانہ طوائف الملوکی میں چین کو ایک جہنم بنا دیا تھا۔ غور کرتے کرتے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر وہ سیاسی کتابیں اسی طرح رائج رہیں اور لوگوں کو بحث کا بازار جاری رکھنے کی

اجازت دی گئی تو اس کی حکومت کسی نہ کسی وقت بغاوت کے خوف ناک تلاطم سے نہیں بچ سکتی۔ چناں چہ حکم ہوا کہ بہ جز طبی اور زرعی تصانیف کے تمام کتابیں بلا امتیاز سپردِ آتش کردی جائیں۔ کیوں کہ کتابوں کے اندر بغاوت کی چنگاری اور فساد کے شرارے نظر آتے ہیں۔

اس کے باوجود جن شی کو ملک میں امن قائم کرنے کے لیے تلوار اور قوت استعمال کرنی پڑی۔ مگر ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس نے قوت بازو کے ذریعے بعض اصلاحات کو بھی مکمل کیا۔ اگرچہ تاتاریوں کو روکنے کے لیے جو دیوار بنائی گئی، ہزاروں جانیں اس کے سلسلے میں جبر و قہر کی نذر ہوگئیں۔ خیال تھا کہ کتابوں کے جلانے سے بغاوت کی جڑ بالکل اُکھڑ جائے گی۔ مگر جونہی اس نے وفات پائی (۲۱۰ ق م) کہ اس کی حکومت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ انقلاب کی ایک ہی آواز نے خاندان جن کا تخت اُلٹ دیا اور جن شی وانگ تی کا لڑکا انقلابیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اب چین میں خاندان "ہان" (HAN) کی حکومت قائم ہوئی۔ اس خاندان کے پہلے حکمراں "کوٹی" "KAO -Ti" کو امن و امان قائم کرنے کے بعد یہ فکر ہوئی کہ سب سے پہلے علمی زندگی کی تجدید کی جائے جو "جن شی وانگ تی" کی حماقت یا جہالت سے بالکل ختم ہوگئی تھی۔ اس نے فوراً ایک فرمان جاری کیا کہ گم شدہ نسخوں کی تلاش کی جائے۔ جس وقت جن شی وانگ تی نے کتابوں کو جلانے کا حکم دیا تھا تو بہت سے عقل مند لوگوں نے سزائے موت اور علم کو فنا ہو جانے کے ڈر سے اپنی تصانیف کو مختلف طریقوں سے چھپا دیا تھا۔ پہاڑوں کے غار، درختوں کے کھوکھ

اور راکھ کے ڈھیر مؤلفات کے ملجا اور راوی تھے۔ اس تجدید کے زمانے میں بہت سے گُم شدہ نسخوں کے جمع ہو جانے سے پایۂ تخت چین میں ایک اچھا خاصہ کتب خانہ بن گیا۔ تاریخ میں یہ ذکر آتا ہے کہ کوٹی کے شاہی کتب خانے میں جو کہ سنہ مسیحی سے کچھ پہلے بنایا گیا تھا، چینی ادب قدیم کے تین ہزار ایک سو تیئس (۳۱۲۳) نسخے موجود تھے۔ جن میں سے ۲۷۰۵ نسخے فلسفے کے متعلق تھے، اور ۱۳۸۲ فن شعر کے بارے میں۔

یہ صرف تجدید ادبی کارنامہ نہ تھا، بلکہ سیاسی قوت کو بھی بہت فروغ ہوا۔ چین کے اقتدار کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علاقہ منچوریا، یونناں اور آنام جو پہلے سلطنت چین کے اندر شامل نہیں تھے۔ سب نے حکومتِ چین کے آگے اپنی گردن جھکا دی۔ خاندان "ہان" کے تیسرے فرماں روا نے دوسری صدی عیسوی میں ایک سفیر جو "جانگ جیانگ" (CHANG - CHIANG) کے نام سے تاریخ چین میں مشہور ہے۔ "بلاد مغرب" بھیجا تھا۔ چین کے جغرافی اصطلاحات قدیم میں "مغرب" سے مراد وہ علاقہ ہے جو دیوارِ چین کے غرب سے لے کر بحر روم تک پھیلا ہوا ہے۔ تاریخ چین سے پتا چلتا ہے کہ جانگ جیانگ نے تتارستان شمالی ہند اور ایران کا سفر کیا۔ اس سیاحت کی غرض وغایت ہم سایہ قوموں کے ساتھ دوستی اور تجارتی تعلقات پیدا کرنا تھا۔ اس کے سفر سے بہت سے اہم نتائج مرتب ہوے جن میں سے بعض آپ اس کتاب میں کسی دوسری جگہ پڑھیں گے۔ بڑی بات جو یہاں بیان کرنی ہے وہ یہ ہے کہ بدھ مذہب بہت پہلے چین میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مینگ ٹی (MING TI) (۵۸-۷۶) نے خواب میں ایک

پُرنور اور سونے کی مورت دیکھی۔ تعبیر کرنے والوں نے بتایا کہ یہ سونے کی مورت اس بات کی بشارت تھی کہ ہندستان میں ایک بڑے مصلح کا ظہور ہوا ہی۔ یہ سُن کر بادشاہ نے سفیروں کا ایک قافلہ ہندستان کو روانہ کیا تاکہ اس مصلح عظیم کو تلاش کریں۔ انھوں نے ہندستان پہنچنے کے بعد گوتم بدھ کو زندہ نہیں پایا، مگر اس کی کچھ مورتیں جن کو بدھ مت کے معتقدین نے گوتم کی یاد میں بنایا تھا اپنے ساتھ واپس لائے اور ان مورتوں کے ساتھ بعض سنسکرت کی کتابیں بھی جن کے اکثر اقوال گوتم بدھ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ چین میں بدھ مذہب کے داخلے کا اس روایت اور قصّے کے علاوہ کوئی اور تاریخی سبب نہیں ملتا۔

خاندان ہان کی حکومت تیسری صدی عیسوی تک رہی۔ یہ مثل اور خاندانوں کے قوت کا دور گزر جانے کے بعد ضعف اور انحطاط کی طرف مائل ہوا، ضعف ہوتے ہوتے یہ نوبت پہنچی کہ ایک بڑ سپہ سالار بادشاہ ہیانگ ٹی (HIONG-TI) سے باغی ہوا اور ۲۲۱ء میں اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت سے چین کو امن نصیب نہیں ہوا۔ کیوں کہ مختلف جنگ جو عناصر نے قوت اور غلبہ حاصل کرنے کے واسطے چین کے طول و عرض کو جنگ و جدال کا میدان بنا رکھا تھا۔ مگر غنیمت یہ ہوا کہ یہ زمانہ چالیس سال سے زیادہ نہ رہا اور ۲۶۵ء میں خاندان شی جیہ (SHEE-CHEU) کے بانی نے ان مختلف عناصر کے سر کچل کر اپنی حکومت قائم کر لی، جو چھٹی عیسوی تک رہی۔ اس زمانے میں چین کے ایک نام ور سیّاح نے جو فاہیانگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہی عجائب اور غرائب دیکھنے کے واسطے ہندستان کا سفر کیا، اور بعد میں اور بھی

بہت سے افراد نے اُس کی تقلید کی۔ جن میں یوان تسانگ قابلِ ذکر ہے۔ اس نے جو سیاحت نامہ چھوڑا ہے وہ وسطِ ایشیا کی پانچویں اور چھٹی صدی کی تاریخ کا واحد ماخذ سمجھا جاتا ہے۔

چھٹی صدی کے شروع میں خاندان شی جیہ کا دور ختم ہو گیا اور اس تباہ شدہ خاندان کی راکھ سے خاندان تانگ (TANG) کی قوت بڑھی۔ چین کی سیاست میں اس خاندان کے ظہور سے ایک جدید دور کا آغاز ہوتا ہے یعنی نسطوری اور مانوی مذہب کے بعد اسلام بھی اس زمانے میں چین میں داخل ہوا جس کے متعلق آپ "مذہبی تعلقات" کے باب میں بالتفصیل پڑھیں گے۔

(ب) اسلام سے قبل چین کے تعلقات مغربی ایشیا اور عرب کے ساتھ

ہمارے کلام کا سلسلہ سطور بالا میں ایک ایسے نقطے تک پہنچ گیا تھا کہ وہاں سے ہم چاہیں تو چین کی تاریخِ اسلام پر گفتگو کر سکتے ہیں یعنی کم سے کم ہم اسلام کے داخلے کی کیفیت پر بحث کر سکتے تھے کہ وہ خشکی کے راستے سے ہوا یا دریائی راستے سے، اور یہ کہ کن سنین میں ہوا۔ لیکن بالفعل ہم اس موضوع میں پڑنا نہیں چاہتے۔ اس بنا پر کہ چین کی تاریخ اسلام ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل، جب تک چین و عرب کے تعلقات پر روشنی ڈالی نہ جائے، ناممکن ہو گا۔ اس مختلف آرا مسئلے کا صحیح حل دریافت کرنے کے لیے ہم مجبور ہوئے کہ پہلے چین و عرب کے تعلقات کی تحقیق کی جائے، کیوں کہ یہ میری نظر میں پہلا قدم ہے جس کے سہارے سے ہم تاریخِ اسلام در چین کے سلسلے میں بحث کر سکیں گے اور پھر جداگانہ

باب میں اسلام کے چین میں داخلے کا متنازعہ فیہ مسئلہ، اسلام کی نشو ونما اور مختلف زمانوں کے حالات پر بحث کریں گے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دکھلائیں گے کہ چین میں اسلام کی موجودہ حالت کیا ہے، اور مستقبل میں کیا امید ہو سکتی ہے۔ سر دست ہماری ساری کوششیں چین و عرب کے تعلقات کی طرف مرکوز ہوں گی اور اس موضوع کو بھی جیسا کہ آپ بعد میں دیکھیں گے، ایک بحث طویل کی ضرورت ہے۔

اس مسئلے کے متعلق ہماری تحقیق ہم کو بتاتی ہے کہ چین و عرب کے تعلقات اسلام کے پیدا کردہ نہ تھے، کیوں کہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسلام سے کئی صدیوں پہلے چین اور عرب کے درمیان مضبوط تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ یہ کہنا صحیح ہے کہ اسلام نے آکر ان پرانے تعلقات کو مختلف طریقوں سے اور مضبوط بنایا، جو کبھی ان شاء اللہ تعالیٰ نہیں ٹوٹیں گے۔

یہ دریافت کرنے کے لیے کہ کب سے اور کیوں کر چین و عرب کے تعلقات کا آغاز ہوا۔ ہم کو چاہیے کہ مسیح سے ایک صدی پہلے کے واقعات پر نظر ڈالیں۔ یہ ہی زمانہ تھا جس میں چین اور ان ممالک کے درمیان جو ترکستان کے نام سے اس وقت مشہور ہیں تجارت کا دروازہ کھُل گیا۔ یہاں ہم نے اُن افسانوی روایات سے قطع نظر کر لی ہے جو موتیان ٹز (MO-TIAN TZE) کی سوانح عمری میں مذکور ہیں۔ یہ خاندان "چو" (CHOW) کا ایک زبردست حکمران تھا۔ اس کی سوانح عمری کا لکھنے والا جس نے اس کتاب کو ۲۸۱ ق م میں تیار کیا۔ موتیان ٹز

کے ایک سفر کا ذکر کرتا ہے۔ کہ یہ حکمراں اپنے شاہی اسپ پر سوار کر مغربی آشیا کی لمبی سیاحت کرتا ہوا بحرخزرتک پہنچا اور پھر اپنے پایۂ تخت کو (جو آج کل کے سی آن فو (SI-AN FU) کے قریب تھا) لوٹ آیا۔
یہ بیان صحیح ہو یا غلط، ہمارا کام یہاں نہ اس کی تصدیق کرنا ہے اور نہ تکذیب۔ کیوں کہ بڑے بڑے علما اور مورخین خوب جانتے ہیں کہ تاریخ کے اہم مگر متنازعہ فیہ مسائل پر کیوں کر حکم لگائیں اور کیوں کر اپنی فیصلہ کن رائے دیں۔ مگر ہم نے یہ قصّہ اس لیے بیان کیا تاکہ قارئین کا ذہن اس بات سے آگاہ رہے کہ اگر یہ قدیم قصّہ صحیح ثابت ہو گیا تو اس سے بہت اہم نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

مگر اس بیان کو چھوڑ کر ایک دوسری قدیم کتاب میں ایسے بیانات ملتے ہیں جن سے ممالک غرب کے ساتھ چین کے تجارتی تعلقات ثابت ہوتے ہیں۔ شان ہادچین یعنی کتاب الجبال والانہار جس کی تالیف عہد "چو" کے آخر میں ہوئی اور لیو بووی (LUI BU WI) یعنی "جن شی وانگ تی" کے وزیر اعظم کے تاریخی تذکرے میں اس تجارت کے مفصل حالات ملتے ہیں جو وسطی ایشیا میں ان دنوں ہوا کرتی تھی۔ اور بعض چیزوں کے نام کا ذکر بھی آیا ہے اور ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اُس وقت چینیوں کو بہت سے ملکوں کے حالات سے آگاہی تھی۔ مگر یہ سوال کہ آیا اس وقت ایران اور چین کے درمیان کوئی تعلق تھا یا نہیں، اس کی تصدیق کم سے کم ہم کو چینی تصانیف سے نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر ہمارا گمان غالب یہ ہے کہ چین و ایران کے تعلقات کچھ دن کے بعد قائم ہوئے۔

چین کی تاریخِ قدیم میں ایک قابلِ اعتماد روایت ملتی ہے، جو ہم کو بتلاتی ہے کہ چین کے تجارتی تعلقات مغربی ایشیا کے ساتھ کیوں کر شروع ہوئے۔ اس قول کے مطابق بادشاہ ووٹی (WU-Ti) نے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ۱۲۲ ق م میں ایک بڑے امیر کو سفیر کے طور پر وسط اور مغربی ایشیا کے ان تاتاری قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے بھیجا تھا، جو کبھی یکایک چین کی حدود پر حملہ کرتے تھے اور وہاں کے تجارتی شہروں کو لوٹتے تھے۔ "ٹونگ جیانگ" یا تاریخِ عام چین کے سولھویں حصہ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ جانگ جیانگ نے جو اس سفیر کا نام ہے، اپنے سفر کے دوران میں چھتیس ملکوں کی سیر کی، جن میں سے ایران اور شمالی ہند کے بعض ممالک بھی شامل تھے[1]

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جانگ جیانگ کے سفر سے ایک نیا خشکی کا راستہ کھل گیا جو چین سے بلاد تاتار اور ترکستان سے ہو کر غربی ایشیا تک جاتا ہے۔ اس سے ایک اہم نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ خشکی کے راستے سے چین نے ایران کے ساتھ بلاواسطہ تعلق پیدا کر لیا اور ایران ہی کے توسط سے عراق اور قسطنطنیہ کے ساتھ ایک قسم کا تجارتی ربط بھی ظہور پزیر ہوا۔ اس وقت سے وہاں کے تاجروں کے قافلے مشرق کی طرف آنے لگے اور چینی بیوپاریوں کے ساتھ شہر صغد میں لین دین کرنے لگے۔ چین کی تاریخ میں ان تجارتی قافلوں کی نقل و حرکت "ممالک غرب سے آئے ہوئے تاجروں" کے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہاں سے "ممالک غرب" سے مراد موجودہ "یورپ" نہیں ہے،

(1) THONG CHIANG VOL 16. P.2

بلکہ وہ ممالک ہیں جو چین کے غرب میں واقع ہوئے ہیں اور جن کے
حدود کاشغر سے لے کر قسطنطنیہ تک ہو سکتے ہیں۔ ان حدود کے اندر
بلاشبہ بخارا، خیوا، عراق اور مملکت ساسانیہ کی جمیع ولایات شامل ہیں۔
ہو سکتا ہے کہ چین کے تجارتی تعلقات اور ملکوں کے ساتھ جانگ جیانگ
کے زمانے سے بہت ہی پہلے شروع ہو چکے ہوں۔ لیکن کوئی قطعی دلیل
نہ ملنے سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر کچھ تعلقات تھے بھی، تو وہ منظم اور
باقاعدہ تھے۔ مگر جانگ جیانگ کا سفر جو دوسری صدی ق م کے آخر
میں ہوا تھا، وہ تاریخی شہادت اور دلیل قاطع ہے جس میں کسی قسم کا شبہ
نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ چین کا تجارتی رابطہ اپنے قریب یا دور کے پڑوسیوں
کے ساتھ جیسا کہ سمرقند و بخارا، جنوا اور عراق، اس تاریخی واقعہ کے کوئی
تیس سال کے بعد، نہ صرف مضبوط ہو چکا تھا بلکہ بڑی حد تک فروغ پر
تھا۔ ان تجارتی آثار اور حرکات کو دیکھ کر، چین کا بڑا مورخ شما جیانگ
(SHI-MA CHIANG) جو اس زمانے میں زندہ تھا اور جس کا رتبہ
چین کے مورخین میں ایسا تھا جیسا کہ ابن خلدون کا عربوں میں خاموش
نہ رہ سکا۔ چناں چہ اس نے ایک خاص عنوان "مملکت داواں"[۵۱]
(DAWAN) کے عنوان سے، اپنی کتاب "شی چھی یعنی تاریخی تذکرے"
میں ان اشیا کا ذکر کیا ہے جو "داواں" سے چین میں لائی جاتی ہیں اور
یہ بھی بیان کرتا ہے کہ بادشاہ چین ان تاجروں کے سامان میں سے جو
مملکت "داواں" سے چین کے پایۂ تخت میں وارد ہوئے ہیں "گھوڑے

---

[۵۱] چین کی تاریخ میں یہ اس علاقے کو کہتے ہیں جو صغد سے لے کر خیوا تک پھیلا ہوا ہے اور صغد ہی اس کا پایۂ تخت ہے۔

سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔

تاریخ میں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ وسط ایشیا کے گھوڑے اس وقت کی متمدن دنیا میں مشہور تھے اور بادشاہوں کے نزدیک عمدہ اور اصیل سمجھے جاتے تھے۔ اسی بنا پر ہم اس رائے پر مائل ہیں کہ وہ گھوڑے جن کو بادشاہ چین اپنے اصطبل کی زینت خیال کرتا تھا، غالباً تاجروں کے ذریعے سے مشرقی عرب سے لائے گئے اور خیوا سے ہو کر صغد پہنچے جہاں چینی بیوپاریوں کے ہاتھ بیچے گئے اور یہ لوگ ان گھوڑوں کو شہر "سی آن" تک لاتے تھے، جو چین کا پرانا پایۂ تخت تھا۔

تاریخ چین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سوداگروں کے کارواں چین جانے کے آدھے راستے یعنی سمرقند یا صغد ہی تک نہ رہ جاتے تھے بلکہ چین کے بڑے شہروں تک جانے کے لیے ان کا باقاعدہ انتظام تھا، اور ان کے منظم قافلے سال کے خاص موقعوں پر چین جایا کرتے تھے۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں "شما جیانگ" کے تاریخی تذکرے میں ذکر ملتا ہے۔ اس طور پر کہ "ممالک غرب" سے تاجروں کی جماعت سالانہ چین کے پایۂ تخت آتی جاتی ہے، کبھی ایک سو اور کبھی کئی سو کی تعداد میں"۔ چین کی تاریخ قدیم میں "ممالکِ غرب" کا مفہوم اگرچہ کچھ مبہم سا ہے، لیکن یہاں گمان غالب یہ ہے کہ بلاد عراق ارمینہ اور شام بھی اس مفہوم میں داخل ہوں گے۔ اس احتمال کی بنا پر یہ غیر ممکن نہیں ہے کہ ان ملکوں کے تاجر قافلوں کے ساتھ چین تک بھی گئے ہوں۔

قافلوں کی کثرت آمد و رفت سے ایشیا وسطی کے پہاڑوں پر دو راستے باقاعدہ منظم ہو گئے، ایک "نانلو" یعنی جنوبی راستہ کے نام

سے موسوم ہے اور دوسری "پلو" یعنی شمالی راستہ۔ دونوں راستوں کا ابتدائی نقطہ، شہر سی آن ہے اور آخری نقطہ خیوا میں ملتا ہے۔ رانچوں، کانچو، لوبنور اور تسی مو دونوں راستوں میں ہیں، بگران کے بعد ایک راستہ صحرائے گوبی کے شمال کو جاتا ہے اور دوسرا گوبی کے جنوب سے۔ اور یہ جنوبی راستہ شہر طارم، ختن، یارقند ہوکر پامیر کے اوپر چڑھتا ہے اور وہاں سے جیحوں کے غرب سے جائے تو خیوا پہنچتا ہے، اور اگر جنوب سے آئے تو سندھ اور پنجاب تک آجاتا ہے۔ شمالی راستہ، طرفان، کوشار، اقصور اور طارم کے شمال سے گزر کر کاشغر تک آجاتا ہے۔ پھر درّہ تراک (TERAK DEN) سے ہوکر اور سیحون کے کنارے سمرقند پہنچتا ہے۔ یہاں سے دو راستے ہیں ایک جنوب کی طرف مڑ کر خیوا میں جنوبی راستے سے آملتا ہے اور دوسرا شہر کے غربی جانب مرو یعنی خراسان کے مرکز کو جاتا ہے۔ یہ دونوں راستے جنرل پان چو کے زمانے میں بہت کچھ منظم کر دیے گئے تھے، کیوں کہ تاتاری قبائل پر لشکر چڑھانے کے لیے اس کو یہ ضرورت پیش آئی کہ دونوں راستوں کی درستی کی جاوے، نقل و حرکت کی سہولتوں نے اسے فتح یابی کا تاج پہنایا، کیوں کہ کاشغر اور ختن جو ان دنوں میں تاتاریوں کے دو مضبوط قلعے تھے، اس کے ہاتھ ۹۳ء میں فتح ہو گئے۔

یہ تاریخی وثائق جن کی صحت پر چین کے تمام مورخین متفق ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ خشکی کے راستے سے چین کے تعلقات ایک طرف مغربی ایشیا، خصوصاً ایران کے ساتھ براہ راست قائم ہو گئے تھے اور دوسری طرف بالواسطہ سلطنت روم کے ساتھ بھی ہمارے اس قول کی تائید ایک بڑے رومی مورخ کی تصنیف سے ملتی ہے۔ وہ یہ ذکر کرتا ہے

کہ امپراطور روم کی طرف سے ایک سفیر جو تاریخ میں "مارکس اورلیوس انتو نیوس" (MARCUS ANRELIUS ANTOUN S) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۱۶۶ء میں چین گیا تھا۔[1] اور گیبن کی کتاب "انحطاط سلطنت روم اور اس کے زوال" میں بھی ان تعلقات کا حوالہ آتا ہے جہاں وہ یہ کہتا ہے کہ "روم کے تاجر جو شام، آرمینیہ اور نصیبین کے بازاروں میں آتے جاتے تھے، اپنے لائے ہوئے سامانوں کا ایرانیوں کے توسط سے چینی مصنوعات سے مبادلہ کرتے تھے"۔ بعد میں جب کہ رومیوں نے ایرانیوں کے مظالم اور معاملات میں ان کی ناانصافی کو محسوس کیا، تو ان کے وسائط چھوڑنے کی کوشش کی اور دوسری صدی عیسوی میں ایک حد تک کامیاب ہوکر براہ راست چینی تاجروں کے ساتھ ربط پیدا کرلیا۔

پروفیسر ہیرت (HIRTH) جو "چین اور روم شرقیہ" (CHINA AND THE ROMAN ORIENT) کا مصنف ہے، مارکس اورلیوس انتونیوس کے سفر کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر اس کو اس بات کا یقین نہیں کہ یہ شخص قیصر روم کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ وہ یقین کرتا ہے کہ انتونیوس روم کے تاجروں کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اور اس کا سفر بحری راستے سے ہوا تھا اور کسی سیاسی غرض کے لیے نہیں تھا، بلکہ تجارت کے واسطے۔ اختلاف جو کچھ بھی ہو، ہر حالت میں اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ۱۶۶ء میں روم سے ایک شخص بہ نام مذکور چین گیا تھا اور اس شخص کا نام تاریخ اور تاریخ روم دونوں میں ذکر ملتا ہے۔ پروفیسر ہیرت کے بیان سے ایک اور بات ہماری سمجھ میں آتی ہے کہ چین کے تجارتی تعلقات

(1) CHAN - YU - KUO: P 5.

مشرقی روم کے ساتھ پہلے موجود تھے، پھر منقطع ہوگئے اور انتونیوس کا چین جانا انھی قدیم تعلقات کی تجدید کی غرض سے تھا۔[۱]

پروفیسر ہیرتؔ کی کتاب میں چین و روم کے تعلقات کے متعلق بہت کافی معلومات ملتی ہیں، ہم یہاں ان سے وہ باتیں اخذ کرتے ہیں جو چین و عرب سے متعلق ہیں۔ پروفیسر ہیرتؔ کی رائے ہو کر روم و چین کے درمیان جو تجارت ہوتی تھی وہ ملک شام اور ان بندرگاہوں سے ہوتی تھی جو بحر ابیض کے ساحلوں پر ہیں۔ مصر کے دریائے نیلؔ کا چینیوں کو علم تھا۔ اس کی تائید میں انھوں نے چین کے پُرانے مآخذ سے جو تیسری صدی کی تصنیف ہیں، شہادت تلاش کی ہو۔ ان کی رائے سے ہمارا دعوا اور مضبوط ہوتا ہو جب کہ ہم یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ دوسری صدی عیسوی میں چین و عرب کے درمیان ایک قسم کے بالواسطہ تعلقات تھے۔ اس زمانے میں بلاد شام اور مصر سلطنت روم کے ماتحت تھے اور اس کے اجزا لاینفک تصوّر کیے جاتے تھے۔

تاریخِ چین میں سلطنت روم شرقیہ کو "تاٹسن (TA TSIN) کے نام سے یاد کیا گیا ہو۔ یہ بلا شک و شبہ ان ممالک پر مشتمل ہی جو سواحل بحر ابیض پر واقع ہوے اور قیصر روم کے زیرِ حکم تھے۔ ان ممالک میں سے شام، فلسطین اور مصر بھی تھے۔

چینی زبان کی ایک قدیم تاریخی کتاب میں جو وی لیو (WEI LIO) کے نام سے موسوم ہو مندرجۂ ذیل بیانات ملتے ہیں۔ (صے) "یہ

---

[۱] HIRTH: CHINA AND THE ROUAN ORIENK. P. 175

ملک ایک سمندر کے غرب جانب واقع ہوا ہی اور اسی وجہ سے (یہ چینی زبان میں) "ہائی شی" یعنی "غرب البحر" کے نام سے مشہور ہی۔ اس ملک کے درمیان سے ایک دریا نکلتا ہی جو ایک بڑے سمندر کے اندر گرتا ہی۔"

پروفیسر ہیرت کی رائے ہے کہ اس عبارت سے ملک مصر مُراد ہی۔ کیوں کہ وہ بحر جو سب سے پہلے مذکور ہی اور جس کے مغرب جانب ایک مملکت واقع ہی، بحر قلزم ہی، اور وہ دریا جو اس ملک کے درمیان سے نکلتا ہی وہ نہر نیل ہی، اور وہ بڑا سمندر جس میں نیل گرتا ہی وہ بحر ابیض ہی۔ وہ اپنی رائے کی تائید میں ایک اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ "وی لیو" میں اس عبارت کے ساتھ یہ بھی ذکر ہی کہ ملک "ہائی شی" میں ایک مشہور شہر ہی جو "کسند" (CASANDE) یعنی اسکندریہ کے نام سے موسوم ہی۔[1]

اس کے علاوہ ملک شام کے متعلق بھی متعدد مقاموں پر ذکر ملتا ہی۔ اس بنا پر کہ ملک شام تجارت کا مرکز تھا کیوں کہ یہ ملک جغرافی حیثیت سے مرکزی واقع ہوا ہی۔ ایشیائے کوچک، قبرص، مصر، ارینہ، مدین اور بابل سب کی تجارت یہاں پر آملتی تھی۔ اس کا سبب غالباً یہ ہی کہ زمانہ بعید سے شام مختلف قسم کے یاقوت اور دوسرے جواہرات کی منڈی تھا، جس میں زمرّد، عین الہرت، یشب، فرخِ جمر، لازورد اور عقیق وغیرہ شامل ہیں۔

---

(1) HIRTH: CHINA AND THE ROUAN ORIENT: P 180-181.

سواحل بحرابیض کے شہروں میں سے جن سے تجارتی مال لدواکر بحرقلزم کے راستے چین لے جاتے تھے۔ اسکندریہ بھی تھا۔ اس شہر کو شامیوں اور فنیقیوں سے رومی عہد میں تجارت کی عظمت وراثۃً ملی اور دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں یہ ایک عظیم الشان صناعتی اور حرفتی شہر بن گیا۔ یہاں کے شیشوں کی صناعت چین میں مشہور تھی اور وہ کارخانے جو قیمتی پتھروں کو کاٹنے، صیقل کرنے اور خوب صورت دانے اور جواہر بنانے کے لیے تیار کیے گئے تھے، سلطنتِ روما کا مایۂ ناز تھے۔ پروفیسر ہیرتھ کا بیان ہے کہ مشرقی روم سے جو مال چین کو جاتا تھا، وہ سونے چاندی، عنبر، عقیق، موتی، مرجان اور کپڑوں پر مشتمل تھا۔ دوسرے جواہرات اور قیمتی پتھر بھی چین جاتے تھے۔ پروفیسر کی رائے ہے کہ اکثر جواہر اور قیمتی چیزیں جو مشرقی روم سے چین جاتی تھیں، سکندریہ ہی کی تیار کی ہوئی ہوتی تھیں اور رومی تاجر چینیوں سے جو مال لیتے تھے، اس کی قیمت اکثر نقد نہیں دیتے تھے، بلکہ اس کے بدلے وہ سامان دیا جاتا تھا جس کی چینی تاجروں کو ضرورت تھی۔ ان متبادلہ اشیا میں عموماً شیشے، قالین، کمبل، کامدار کپڑے اور جواہرات ہوتے تھے۔ چینی تاجران سامانوں کو لے کر شام سے واپس آتے وقت راستے میں بعض ادویہ اور خوش بودار لکڑیاں بھی ساتھ لیتے تھے۔

رومی ماخذوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بحرابیض سے خلیج فارس تک آنے کے لیے بحری راستہ، مسیح سے بہت پہلے کھلا تھا اور یہ بحر قلزم سے گزرتا تھا اور وہ شہر جس کو مصر و ہند اور چین کی تجارت کے سلسلے میں، اوائل قرون مسیحی میں اہمیت حاصل تھی وہ شہر عدن تھا جو

جزیرۃ العرب کے جنوب میں واقع ہو۔ ایران کا تسلط جب تک جزیرۃ العرب کے جنوب میں رہا اس وقت تک عدن بحر احمر کا واحد تجارتی مرکز بنا رہا۔ ے۵

سواحل بحر ابیض کے تاجر جو خلیج فارس کی طرف سے آیا کرتے تھے رُپیہ کمانے اور منافع حاصل کرنے کے سلسلے میں ان کا ایک خاص دستور یہ تھا کہ قدیم فنیقیوں کی طرح تجارتی معلومات کے بتلانے میں کسی کو مدد نہیں دیتے تھے۔ تاکہ ان کی تجارت میں کوئی اور حصہ دار یا مدمقابل نہ بن سکے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیج فارس میں آکر، شام اور مصر کے بازاروں کے حالات وہ کسی سے بیان نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مکمل طور پر صیغۂ راز میں رکھتے تھے کیوں کہ جن کشتیوں میں وہ چین کے مصنوعات ایران سے شام کے بازاروں میں لے جاتے تھے، ان کے مالک بھی شامی ہی تھے۔ غیر لوگوں کو شام یا مصر کی تجارت کے حالات بتانا یا چینی تاجروں کے گماشتوں کو سواحل بحر ابیض کی طرف آنے کی ترغیب اور مدد دینا، ان کے اور ان کے مالکوں کے مفاد کے منافی تھا۔ اس واسطے یہ لوگ بڑی کوشش کرتے تھے کہ حتی الامکان ان لوگوں سے شام کے تجارتی حالات اور وہاں کے بازاروں کی حقیقت چھپائیں تاکہ دوسرے لوگ چینی ریشم کی قیمت نہ معلوم کر سکیں اور چینی تاجروں کو جواہرات اور شیشوں کا اصلی نرخ جو شام اور مصر میں ہوتا تھا معلوم نہ ہو جائے۔ اس رازداری اور مکمل کتمان کی وجہ سے شام کے بڑے بڑے تاجران اشیا کی تجارت میں

ے۵ CHOO. IN KUO: P 3.

سوسو فی صدی کے منافع کماتے تھے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بحری تجارت میں شامیوں کا بڑا ہاتھ اور ان کے تعلقات چینی اور ہندی تاجروں کے ساتھ تھے۔ اور اس سلسلے میں ان کو دونوں طرف سے نفع ہوتا تھا۔ ایک تو برآمد میں، اور دوسرے درآمد میں یہ لوگ اپنا مال عدن اور خلیج فارس لے جا کر مُنہ مانگے داموں پر چینی تاجروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔ وہاں سے وہ چینی مصنوعات شام کے بازاروں میں لا کر دوگنے داموں پر فروخت کرتے تھے اور خریدار اِن مصنوعات کی اصلی قیمت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ایک رُپے کی چیز دو رُپے میں بھی لینا بہت سستا سمجھتا تھا۔ واضح رہے کہ چین کی سب سے اہم درآمد ریشم ہی کی تھی۔ پروفیسر ہیرت کا بیان ہے کہ شام کے بازاروں میں یہ سونے کے مقابلے میں وزن بالوزن بکتا تھا۔[2] خواہ یہ بات صحیح ہو، یا مبالغہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ چینی ریشم سلطنتِ رُومہ کے شہروں میں نہایت گراں اور عیش کے سامانوں میں شمار کیا جاتا تھا اور سوائے امرار اور اغنیا کے عام لوگوں کو اس کا دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اس بنا پر ہم یہ تصوّر کر سکتے ہیں کہ رُوم کے امرا اس وقت اس کے خریدنے میں بڑی دولت خرچ کرتے تھے۔

اُوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سلطنت روم کے ایک شخص مارکس اورلیوس انتونیوس نے ۱۶۶ء میں بحری راستے سے چین کا سفر کیا۔ اس امر کی تصدیق چین اور رومی مصادر میں ملتی ہے۔ یہاں ہم کو یہ معلوم ہونا چاہیے

---

[1] HIRTH: CHINA AND THE RONAN ORIENT. P. 165

[2] " " " " " P. 225

کہ اس وقت کا بحری راستہ قسطنطنیہ اور چین کی بندرگاہوں کے درمیان سواحل شام، فرات یا بحرِ احمر، خلیج فارس، ملابار، سرندیپ، سماطرہ، ملاکا اور تونگ کینگ سے گزرتا تھا، اور تونگ کینگ سے جنوبی چین کی قریب ترین بندرگاہیں پہنچ جاتا تھا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کب سے چین اور اس کے غربی ممالک کے درمیان بحری مواصلات کا آغاز ہوا۔ تاریخی کتابوں میں اس کا ٹھیک جواب نہیں ملتا۔ البتہ چوبوکوا اپنی کتاب چوفانچی (CHU - FANG - CHi) یعنی اجنبی ممالک کے تذکرے، میں یہ بیان کرتا ہے کہ اجنبیوں کی ایک جماعت رُومی سفیر انتونیوس کے ساتھ بحری راستے سے تونگ کینگ پہنچی اور وہاں سے خشکی کے راستے یہ لوگ چین کی دار السلطنت گئے اور اس کے بعد ۲۲۶ء میں سلطنت رُومہ کی طرف سے ایک اور تاجر آیا۔ اس نے وہی راستہ اختیار کیا جس سے انتونیوس چین کے پایۂ تخت پہنچا تھا۔ یہ بادشاہ "سیوں چیوں" کا عہد تھا[1]

انتونیوس کے چین آنے کے بارے میں، چوبوکوا کا بیان، پروفیسر ہیرت کے بیان سے اتفاق کرتا ہے اور یہ ۱۶۶ء کا واقعہ ہے۔ پس یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ بحری راستہ کم سے کم پہلی صدی عیسوی میں معلوم ہو چکا تھا کہ انتونیوس کو دوسری صدی کے وسط میں امن اور سلامتی کے ساتھ جنوبی چین کی بندرگاہ تک پہنچنا ممکن ہوا۔

ہم یہ معلوم کر چکے ہیں کہ بحرِ ابیض اور خلیج فارس کے درمیان شامیوں کی سعی سے بحری تجارت کا بڑا ہنگامہ رہا، مگر وہ کون لوگ

---

[1] CHOO IN KUO : P. 5

تھے جن کے ذریعہ خلیج فارس سے چین تک جانے کے بحری راستے کا انکشاف ہوا۔ کیا وہ رومی تاجر تھے یا چینی؟ تاریخ میں اس سوال کا حل نہیں مل سکتا۔ کیوں کہ ایک طرف اگرچہ وہ ثابت کرتی ہے کہ مسیح سے کچھ قبل خلیج فارس میں چین کے ملاح موجود تھے، لیکن دوسری طرف یہ بھی بتاتی ہے کہ رومیوں کو عین اس وقت اس راستے کا علم تھا۔ ایسی حالت میں ہم اس متنازعہ فیہ مسئلے کے متعلق اپنی رائے نہیں لکھتے بلکہ ایک ایرانیات کے محقق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پروفیسر ہادی حسن جو اس وقت جامعہ علی گڑھ میں اُستاد ہیں اپنی کتاب "تاریخ ملاحۃ الایرانیین" (HISTORY OF THE IRANAN NAVIGATION) میں لکھتے ہیں کہ "چین تک جانے کا بحری راستہ کسی حالت میں بھی رومیوں کا انکشاف کردہ نہیں تھا، کیوں کہ چینیوں کی جنگی یعنی کشتیاں، دوسری صدی قبل المسیح میں سواحل ملابار تک آچکی تھیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس سے کہیں پہلے آچکی ہوں۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ عہد ساسانی سے قبل بحری سفر منظم نہ تھا بلکہ اس میں خلل پڑتا رہتا تھا۔[۱۵]

"انحطاط سلطنت روما اور اس کے زوال" کے مؤلف مسٹر گبن نے بھی چین کے بری اور بحری راستوں کی بحث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ریشم کے تاجروں نے جو تاتاروں کی غارت گری، یا ایرانیوں کی بدسلوکی سے بچنا چاہتے تھے۔ تبت کے پہاڑوں سے ایک نئی راہ تلاش کرلی، اور وہاں سے گزر کر گنگا یا سندھ کے کنارے ہوتے ہوئے گجرات اور ملابار پہنچتے ہیں اور وہاں نہایت

---

۱۵ HADI HARAN P. 54

صبر کے ساتھ چینی کشتیوں کے موافق موسم میں آنے کا انتظار کرتے ہیں۔[۵۱]

مسٹر گیبن اگرچہ یہ یقین نہیں کرتے کہ پہلی صدی عیسوی میں چین کی کشتیاں بھی خلیج فارس تک پہنچتی تھیں، مگر یہ اعتراف کرنے کے لیے مجبور ہیں کہ چین سے جو ریشم کے تاجر آتے ہیں وہ بحری راستے سے آکر بہت سی اور چیزیں مثلاً کالی مرچ، لونگ، ناریل اور خوش بودار لکڑی وغیرہ جمع کرتے ہیں اور تیسری اور چوتھی صدی میں چینیوں کی تجارت خلیج فارس کے ساتھ بہت کافی ہوتی تھی۔

وہ حالات جن کے اثر سے رومیوں کو براہ راست چینی تاجروں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا فکر ہوا۔ وہ ایرانیوں کی تجارت ریشم میں اجارہ داری اور ان کی رومیوں کے ساتھ بدسلوکی تھی۔ ان کے توسط سے اس ضروری سامان کے مہیا کرنے میں بہت کچھ ذلت اور رسوائی برداشت کرنی پڑتی تھی۔ اور گیبن کے قول کے بموجب چینی ریشم قیصر جوس تی نیان کے زمانے میں ضروریاتِ زندگی کا ایک جز: بن چکا تھا، اور یہ قیصر اُس مال کی درآمد میں جس کی رومہ میں سخت ضرورت تھی ایرانیوں کی اجارہ داری سے خاص طور پر فکرمند رہتا تھا۔ ایران، رومہ کا سخت دشمن تھا، اور اس اجارہ داری سے ایران نے جو ثروت اور منافع حاصل کیا، وہ رومیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ رومہ کی حکومت اگر بیدار مغز اور طاقت ور ہوتی تو بحر احمر کی تجارت ضرور اپنے ہاتھ میں لے لیتی۔ مگر ان کے تغافل اور ضعف کی وجہ سے اس تجارت کا بڑا حصہ ایرانیوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ اب حکومت

---

[۵۱] GIBBON: VOL: II P.40. LOK EDITION

رؤمہ اسے واپس لینا چاہتی اور یہ سوچتی تھی کہ کم سے کم اس تجارت میں ایرانیوں کا توسط دور کرنا چاہیے۔ اگر رؤمہ کی حالت اجازت دیتی تو وہ اپنی کشتیاں سواحل ملابار یا مالاقہ تک بھیج دیتے اور وہاں سے بہ راہ راست چینی تاجروں کے ہاتھ سے سامان منگواتے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا اور جوس تینیان نے ایک دوسرا ذریعہ اختیار کیا۔ وہ اپنی طرف سے تو کشتیاں نہیں بھیج سکا۔ لیکن عرب ملاحوں نے جو اس زمانے کی بحری تجارت میں خاص مہارت رکھتے تھے اور قیصرِ روم کے حلیف بھی تھے، اس کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنی بعض کشتیاں چینی مصنوعات لانے کے لیے سواحلِ ہند تک بھیج دیں۔

اوپر کی چند سطروں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب سلطنت رؤمہ چینیوں کے ساتھ دوسری صدی عیسوی میں بحرِ احمر اور خلیج فارس کے ذریعے بہ راہ راست تعلق پیدا کر سکتی تھی تو کیوں ممکن نہیں کہ عرب اور چینیوں کا تعلق اس زمانے میں رہا ہو کیوں کہ بحرِ احمر اور خلیج فارس ہی اس بحری تجارت کی کنجیاں تھیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ عدن اس زمانے میں ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ چینی اور رؤمی تجارت کے سلسلے میں عدن کا توسط بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام سے بہت قبل چین و عرب کے تعلقات کا آغاز ہو چکا تھا۔

ہاں، یہ ٹھیک ہے کہ عربی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام سے قبل عربستان میں کوئی متحدہ حکومت نہ تھی بلادِ عرب کے شمالی حصے اس زمانے میں سلطنت رؤمہ کے ماتحت تھے اور اس کے جنوبی حصے ایران کے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں

کرتا کہ عربوں کو جہازرانی کا فن آتا تھا اور وہ بحری تجارت کا کرتے تھے۔
البتہ چین و عرب کے بحری تعلقات کا ذکر بہت کم ملتا ہے، یہ بھی رومی
یا ایرانی تجارت کی ضمن میں کیوں کہ وہ معاملات جو شام، نصیبین، ارمینہ
اور مصر کے بازاروں میں چینی اور شامی تاجروں کے درمیان ہوتے تھے۔
سلطنت روما کے کارناموں میں شامل کر لیے گئے اور وہ کاروبار جو
چین اور عرب کے درمیان سواحل یمن، جزیرہ عمان، مسقط اور بحرین
میں ہوتے تھے۔ ایران کے مفاخر اور سطوت میں شمار کیے گئے۔ یہی
نہیں بلکہ بہت سا سامان جو مشرقی افریقہ سے آتا ایران کی پیداوار سمجھا
جاتا تھا اور ساتویں صدی عیسوی تک ایرانی ہی کے نام سے مشہور تھا۔
اس کے متعلق استاد ہادی حسن، اپنی کتاب تاریخ ملاحۃ الایرانیین میں
بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ تاریخ چین میں چوتھی صدی سے ساتویں صدی
تک تمام سامان جس کی اصل عربستان اور مشرق افریقہ سے تھی۔
ایران کی طرف منسوب کرتی تھی اور اسے PO-SI کی صفت یعنی
"ایرانی" سے متصف کر دیا جاتا تھا۔ کیوں کہ ایران ہی وہ ملک تھا جس
سے ان تمام سامانوں کی برآمد ہوتی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چینی، ایرانی اور رومی ذرائع سے ہم کو معلوم
ہوا کہ اسلام سے کئی صدی قبل، چین و عرب کے درمیان تعلقات
موجود تھے، اگرچہ وہ براہ راست نہ تھے اور یہ بات ہم کو نہ بھولنا چاہیے
کہ اس سلسلے میں ایران کا اثر بہ نسبت روم کے زیادہ تھا کیوں کہ رومیوں
نے بھی جب تک ایرانیوں کی بدسلوکی کا احساس نہیں ہوا، اس وقت
تک چینیوں سے براہ راست تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہیں

کی۔ مزید برآں ایران ہی وہ مُلک ہے جس کے توسط سے چین کو ایک بڑی عربی ریاست کے ساتھ سیاسی تعلقات پیدا کرنے کا امکان ہوا، یہ ملوک حیرۃ کی ریاست تھی جن کے دو زبردست قلعے تھے جو خورنق اور سدیر کے نام سے ادبیات عرب میں یاد کیے جاتے ہیں۔ اس ریاست کا ایک بادشاہ جو خسرو پرویز کا ہم عصر تھا، نعمان بن المنذر تھا۔ اس کی حکومت ۵۸۵ سے ۶۱۲ء تک رہی۔ یہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ ہے۔ نعمان بن المنذر ہی نے اپنے عہد حکومت میں ایک وفد جو دس ارکان پر مشتمل تھا اور ان میں سے ہر ایک فصیح اللسان، طلیق، شریف النسب اور اپنی عربیت پر نہایت فخر کرتا تھا۔ خسرو پرویز کے پاس بھیجا جہاں ان کی چینی اور ہندی وفدوں سے ملاقات ہوئی[1] اور وہ تقریریں جو انھوں نے خسرو پرویز کے سامنے کی تھیں۔ اسلام سے قبل کی عربی نثر کا سب سے اعلا نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔ قدرتی طور پر ہم کو یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ لوگ جب کہ اپنے کاموں سے فارغ ہوئے تو ضرور چینی وفد کے ساتھ بعض مسائل کے متعلق تبادلہ خیالات کیا ہوگا۔ چناں اکثم بن صیفی جو اس وفد کے صدر تھے، اور ان کے ساتھیوں نے چینی وفد سے بلاد چین کے متعلق بہت سے سوال کیے اور چینی وفد کا بیان بہت غور سے سُنا تھا۔

جہاں تک تجارت کا تعلق ہے مسعودی کی کتاب مروج الذہب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چین اور بلاد الحیرہ کے درمیان بہ راہ راست تجارت اسلام سے کچھ پہلے ضرور موجود تھی۔ مسعودی کا قول ہے کہ جہاں

[1] العقد الفرید: کتاب الوفود

فرات سمندر میں گرتا ہے وہ مقام اس وقت "محف" کے نام سے معروف تھا اور پچھلے زمانے میں چین اور ہند کی کشتیاں وہاں سے ہو کر بلاد الحیرہ جاتی تھیں۔ مسعودی عبد المسیح بن عمرو بن فضیلہ الغسانی کا قول نقل کرتا ہوا کہتا ہے کہ عبد المسیح نے خالد بن الولید سے، ابو بکر بن ابو قحافہ کے زمانے میں یہ خطاب کیا کہ: کیا تم کو کچھ یاد ہے؟ انھوں نے جواب دیا مجھ کو چینی کشتیاں یاد ہیں، جو ان قلعوں کے پیچھے جاتی تھیں[۵۲]۔

میں سمجھتا ہوں کہ اتنی تفصیل کے بعد اب کوئی اس تاریخی واقعہ کا انکار نہیں کرے گا کہ اسلام سے قبل چین و عرب کے تعلقات کا وجود ثابت ہے۔ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے پیغمبر قبیلۂ قریش سے تھے جن کا وطن قلب حجاز تھا اور اس بات کے متعلق کوئی تصدیق نہیں ملتی کہ اسلام کے ظہور سے پہلے قریش کو بھی چینیوں کے ساتھ کوئی تعلق تھا۔ تاریخ سے اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یمانیین اور قحطانیین کا تعلق چینیوں کے ساتھ بہت ہی قدیم زمانے سے تھا اور تیسری صدی عیسوی میں جب کہ چینی تاجروں کی آمد و رفت خلیج فارس میں زیادہ ہونے لگی تو ان کے تعلقات اور بھی مضبوط ہو گئے، لیکن قریش کے متعلق کوئی اشارہ تاریخی کتابوں میں نہیں ملتا۔ البتہ عربی ادب کی ایک کتاب میں اتنا ذکر تو ضرور ہے کہ قریش کے ایک تجارتی قافلے نے عراق کی سیاحت کی جب کہ جزیرۃ العرب میں اسلام کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ اور یہ لوگ کسریٰ کے دار السلطنت تک گئے اور کسریٰ کو بہت سے تحفے پیش کئے جن میں کچھ اسپ تازی بھی تھے۔ یہ مد نظر رکھتے ہوئے

---

۵۲ حواشی نفح الطیب ج۔ ۱۔ ص ۱۲۱

کہ ابو سفیان کا نام اس تجاتی قافلے کے زمرے میں موجود ہے[1]۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نبوت سے کچھ ہی دن پہلے ہوا ہو گا۔

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ چین کے سوداگر برابر ایران اور خلیج فارس جایا کرتے تھے۔ پس احتمال ہے کہ قریشیوں کا یہ قافلہ یا ان کے سابقین سرزمین ایران یا عراق میں بعض چینی تاجروں سے ملاقی ہوئے ہوں۔ اگر یہ دلیل استقرائی ناقابلِ اعتبار سمجھی جاوے تو ہمارے پاس ایک اور قوی دلیل ہے کہ ملک چین کا اسلام کے ظہور سے پہلے بنی قریش کو علم تھا، ہماری یہ دلیل آنحضرت صلعم کی ایک حدیث شریف ہے یعنی "اطلبوا العلم ولو بالصّین" آنحضرت بلاد عرب کے باہر کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اور اس حدیث شریف میں "الصین" کے لفظ آنے سے فطری طور پر ہم کو خیال ہوتا ہے کہ اس کا علم آنحضرت کو ان اخبارات سے ہوا ہو گا جو نبوت سے پہلے چین کے متعلق حجاز میں شہرت پا چکے تھے۔

---

[1] العقد الفرید: ج۔۱۔ص۹۹ (بولاق)

دوسرا باب

عہدِ اسلام میں چین و عرب کے تعلقات

فصل اوّل ۔ سیاسی تعلقات

اس سے قبل ہم تاریخ کی روشنی میں چین و عرب کے تعلقات پر بحث کر چکے ہیں جو زمانۂ قدیم سے آنحضرت کے ظہور تک ان دو قوموں کے درمیان موجود تھے ۔ اور اب ہم عہدِ اسلام کے تعلقات پر بحث کرنا اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کن امور ہیں ان کے درمیان ظہورِ اسلام کی وجہ سے تعلقات پیدا اور قائم ہو گئے ۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ عربستان میں آنحضرتؐ کا مبعوث ہونا ایک مہتم بالشان واقعہ تھا جس کی وجہ سے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے ورق کا اضافہ ہوا اور وہ انقلاب جو آنحضرت کی نبوت سے مشرق و مغرب خصوصاً بحرِ متوسط کے اِردگرد کے ممالک میں ہُوا وہ محتاجِ بیان نہیں اور جہاں تک چین کا تعلّق ہے وہ اگرچہ منزلِ وحی اور اسلام کے گہوارے سے بہت دُور تھا لیکن بُعدِ مسافت چین کو اس مذہبی اور تمدّنی انقلاب کے اثر سے نہیں بچا سکا جو ساتویں صدی کے شروع میں جزیرۂ عرب میں واقع ہوا تھا ۔ کیوں کہ اس انقلاب کا اثر دریائے متلاطم اور سیل

بے پروا کی طرح ہر طرف پھیل گیا اور راستے میں جو موانع پڑے انھیں توڑ کر برابر آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تاریخ میں اس مذہبی اور تمدنی انقلاب کو "اسلام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے پھیلانے کے واسطے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے اسے بلاد عرب میں پھیلایا، پھر ان ممالک میں جو بلاد عرب سے قریب اور متصل تھے اور جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں کے لیے آیۂ رحمت ثابت ہوا۔ جزیرۂ عرب میں مستحکم ہو جانے کے بعد، وہ بہت جلد بلاد شام، مصر، عراق اور ایران پر قابض ہو گیا۔ جنگ قادسیہ نے جو ۶۳۶ء میں ہوئی تھی، ساسانی سلطنت کو جس میں انحطاط اور زوال کے آثار ہر طرح سے نمایاں تھے، یہ خبر دی کہ اس کا خاتمہ اب قریب ہے۔ چناں چہ عربوں کی کام یابی نے نہاوند (۶۴۲ء) میں دولت ساسانیہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ یزدگرد جو آل ساسان کا آخری فرماں روا تھا، مشرق کی طرف بھاگا۔ اس کا چین میں پناہ گزیں ہونا گویا بادشاہ چین، تانگ ٹائی چونگ کو یہ خبر دیتا ہے کہ عربستان کی نوخیز قوت اب بجلی کی طرح مشرق کی طرف بڑھ رہی ہے۔

تانگ ٹائی چونگ نے شروع میں تخت کسریٰ کے آخری وارث سے ہم دردی ظاہر کی اور وعدہ بھی کیا کہ اس کو مدد دی جائے اور یہ سب چین کی ان ولایات میں مہیا کر دی جائیں جو ایران سے زیادہ قریب ہیں۔ اس وعدے نے یزدگرد کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا کر دی اور مجوسی جوش جو سرد ہو چکا تھا اس کے تن بے جان میں پھر تازہ ہو گیا۔ چناں چہ وہ تاتاری فوجوں کی ایک جماعت کو جو بادشاہ چین کی مطیع تھی، ساتھ

لے کر پھر ایران کی طرف لوٹا، اس غرض سے کہ اپنے آبا واجداد کا ملک جو اب عربوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا، واپس لینے کی کوشش کرے۔ لیکن عربوں کا ستارہ اوج سعادت پر تھا۔ خسرو پرویز کا پوتا، یعنی یزدگرد جب تاتاری فوجوں کے ساتھ مرو تک پہنچا، تو خود اس کے نوکروں نے غداری کی اور مرو کے باشندوں کو اس پر چڑھ دوڑنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ یہ خبر ہونے پر یزدگرد بھاگا اور اہلِ مرو نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ ایک نہر کے کنارے پہنچا جہاں اس کو دریا پار کرنے کے لیے سوائے ایک چکی والے کی کشتی کے کوئی اور ذریعہ نہ ملا۔ یزدگرد کا حال اس وقت ایک مصیبت زدہ مفرور کی طرح تھا، جیب میں ایک پیسہ بھی باقی نہ تھا۔ وہ جلدی سے دریا پار کرنا چاہتا تھا لیکن ایسی حالت میں کشتی والا بغیر کچھ دیے ہوئے راضی نہیں ہوتا تھا۔ مفرور بادشاہ نے انگوٹھی اور کنگن اتار کر کشتی والے کے سامنے پیش کر دیے۔ اس دیہاتی نے جو یزدگرد کی شخصیت سے ناواقف تھا اور نہ اس کے خطرۂ جاں کی خبر تھی، جواب دیا کہ چکی سے روزانہ کمائی چار درہم کی ہوتی ہے اور میں اپنی چکی کو ہرگز موقوف نہیں کر سکتا جب تک کہ خسارے کا معاوضہ نہ مل جائے۔ اس قیل و قال اور سوال و جواب کے دوران میں پیچھا کرنے والے آپہنچے اور یزدگرد کو پکڑ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کے قتل سے دولتِ ساسان کا آخری چراغ گُل ہو گیا۔

جس وقت یزدگرد چین کے پایۂ تخت سی آن میں پناہ گزیں ہوا تو اپنے ساتھ اپنے لڑکے فیروز کو بھی لایا تھا، یہ بعد میں بادشاہ چین کی فوج کی سرداری پر مقرر ہوا۔ ایرانیوں کا مذہب مجوسی تھا، ایران کے

جلا وطنوں کے ساتھ یہ مذہب شروع میں بخارا پہنچا تھا، اب فیروز کے زمانے میں اس کا داخلہ چین کے پایۂ تخت میں ہوا۔ مگر باپ کے قتل ہو جانے سے فیروز بھی زندگی سے بیزار ہو گیا اور چند سال غم و یاس کے تلخ گھونٹ پیتے پیتے، سی آن کے شاہی محل میں اس کا انتقال ہو گیا۔ سچ پوچھیے تو چین و عرب کے سیاسی تعلقات کی ابتدا بھی اسی وقت سے ہوئی جب کہ آلِ ساسان کے شہزادے چین کے پایۂ تخت میں پناہ گزیں ہونے لگے[1]

ان سیاسی تعلقات کا دور قتیبہ بن مسلم کا حملہ سمجھنا چاہیے۔ عربوں کا یہ سپہ سالار، حجاج بن یوسف والیٔ عراق کے ماتحت تھا اور اسی کے حکم سے عربوں کی ایک تازہ جماعت لے کر ان ترکوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا جنھوں نے اب تک عربوں کی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ قتیبہ بن مسلم نے مرو میں اپنے لشکروں کو ساز و سامان سے خوب تیار کرنے کے علاوہ، تقریروں اور گیتوں سے بھی جوش دلایا۔ اس کے بعد ان کو لے کر بیکند کی طرف روانہ ہو گیا۔ کاشغر تک راستے میں انھوں نے صغد، راتیتن، بخارا، واردن، کش اور سمرقند کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا اور ترکی فوجوں سے جو غوزن کی زیرِ قیادت تھیں، سخت لڑائی ہوئی۔ بلاذری بیان کرتا ہے کہ قتیبہ بن مسلم نے ان کو شکست دی تو ان پر بائیس لاکھ (۲۲۰۰۰۰۰) درہم کا سالانہ جرمانہ مقرر کیا۔ سمرقند میں داخل ہونے کے بعد قتیبہ کا سب سے پہلا کام، اس قادرِ مطلق کا دو رکعت

---

[1] دیکھو HUART ANCIENT PERSIAN AND IRANIAN CIVILIFATION P. 137.

شکریہ کا ادا کرنا تھا جس نے عربوں کو فتح کی عزّت بخشی۔ اس کے بعد شہر میں پہلے خانۂ خدا کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس سے فارغ ہو کر عسکری مہم کی قیادت کرتا ہوا، مشرقِ اقصیٰ کا رُخ کیا اور سمرقند میں موحدین کی ایک جماعت جو وہاں ہدایت اور قیامِ امن کے لیے کافی تھی چھوڑ گیا۔

سمرقند وہ شہر تھا، جس میں مندروں کی بڑی تعداد تھی اور وہاں کے باشندے ان مندروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اسے فتح کرنے کے بعد قتیبہؒ ہرگز جائز نہ رکھ سکتا تھا کہ بُت پرستی اسی دھوم دھام سے ہوتی رہے۔ چناں چہ اس نے ارادہ کیا کہ ان بتوں کو توڑ دیا جائے جن کی عبادت سمرقند کے باشندے کرتے چلے آئے ہیں۔ وہاں کے بڑے بڑے مہنتوں اور پجاریوں نے قتیبہؒ کو یہ دھمکی دی کہ جو ان مقدس ذاتوں پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کرے گا، مقدس دیوتا کی کرامت سے وہ فوراً ہلاک ہو جائے گا۔ مگر قتیبہؒ بن مسلم نے جس کا سینہ نورِ ایمان سے لبریز تھا اور جس کی پیشانی پر غزوہ کا فخر چمک رہا تھا، ان کی دھمکی سنتے ہی پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے دیوتاؤں کو ان کے سنگھاسنوں سے اُتار کر آگ کے شعلوں میں ڈال دیا۔ اس وقت بہت سے لوگ دیوتاؤں کے معجزات اور کرامات دیکھنے کے واسطے جمع ہوئے، انھوں نے بہ جز شعلوں اور راکھ کے ڈھیر کے کچھ نہیں دیکھا۔ ان کے دیوتا تو جل کر خاک بن گئے، مگر قتیبہؒ کو کچھ ضرر نہ پہنچا اور اس واقعہ سے متاثر ہو کر بہت سے مجوسیوں نے دل و جان سے اسلام کے دامن کو پکڑ لیا۔

بخارا اس سے قبل فتح ہو چکا تھا، مگر وہاں کے باشندوں کو عربوں کے قابو میں رکھنے کے واسطے قتیبہؒ بن مسلم بہت دیر تک تدبیر سوچتا رہا۔

کیوں کہ ان لوگوں نے قوت کے ڈر کی وجہ سے ظاہراً عربوں کی اطاعت قبول کرلی تھی، لیکن جب کبھی عربوں کے لشکر نے وہاں سے آگے کوچ کیا، تو فوراً بغاوت کر بیٹھے۔ قتیبہ کو معلوم تھا کہ فوجی قوت سے شہر کا فتح کرنا کوئی مشکل نہیں مگر اصل مشکل ان کے دلوں کا فتح کرنا تھا، جو اب تک وطنیت اور بت پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور اسلام کی آواز نے جو اس وقت ان کے کانوں کے پردے توڑ رہی تھی، ان میں کوئی قوی اثر اب تک نہیں کیا تھا۔ عربوں کے آنے کے بعد، وہاں کے باشندوں نے تین دفعہ بغاوت کا علم اٹھایا۔ اکثر باشندے صرف برائے نام مسلمان ہوئے تھے اور درحقیقت ان کو اسلام سے کوئی دلی لگاؤ نہ تھا۔ جب تیسری مرتبہ قتیبہ نے بخارا کو فتح کیا تو اس معاملے میں دیر تک غور کرتا رہا کہ ان کے اصلی وطنی عقاید کو ان کے دلوں سے نکالنے اور اسلام کے عقاید ان میں راسخ کرنے کے لیے کیا ذریعہ اختیار کیا جائے۔ آخر اس نے یہ مناسب سمجھا کہ اس شہر میں ایک خانہ خدا کی تاسیس کرے جو ۹۳ھ (۷۱۳ء) میں مکمل ہوئی۔ بعد میں ایک عام اعلان کیا کہ نومسلموں میں سے جو جمعہ کی نماز اس میں ادا کرے گا اس کو دو درہم کا انعام دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک نہایت کارآمد تدبیر سوچی۔ وہ یہ کہ معلمین اور واعظین بھیجے کہ دین اسلام کے عقاید اور احکام ان کو سکھائے جا سکیں اور ان کے دلوں میں جو شبہات تھے نکال دیے جائیں، نماز اور دیگر عبادات کے ضروری احکام ان کے ذہن نشین کر دیے جائیں۔ قرآن شریف کے مطالب جلد اور آسانی سے سمجھانے کے لیے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا[1]، کیوں کہ قتیبہ کے زمانے تک عربی زبان کی ایشیا وسطی میں

---

[1] MAMBERY: HISTORY OF SUKHARA. P. 30.

اشاعت نہیں ہوئی تھی اور اصلی زبان میں قرآن کا مفہوم ان کو سمجھانا بڑا دشوار کام تھا۔ دعوت اور تبلیغ کا یہ طریقہ وہاں بہت مفید ثابت ہوا اور فارسی زبان نے جو وہاں کی عام فہم زبان تھی، اسلام کے پھیلانے میں بلاد بخارا، سمرقند اور ترکستان میں بڑی مدد کی اور اس کے توسط سے وہاں کے لوگوں نے چند سال کے اندر اسلام کی خوبیاں اچھی طرح سمجھ لیں اور اس وقت سے اب تک انھوں نے اسلام کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ پھر شمالی چین میں اسلام کا داخلہ ہونا بھی بخارا اور ترکستان ہی کے راستے سے ہوا۔

قتیبہ بن مسلم کو بخارا اور سمرقند کے نظم ونسق سے اطمینان ہوگیا تو اپنے لشکروں کو لے کے خوکند کی طرف بڑھا جس کی فتح ۹۵ھ میں سخت مقابلے کے بغیر ہوگئی۔ پھر شرق اقصیٰ کی راہ لی اور درہ تیرک سے نکل کر کاشغر جاکر دم لیا۔ وہاں اس کی روسا ترک سے بڑی بڑی جنگیں ہوئیں۔ عربوں کی خوش قسمتی یہ تھی کہ انھوں نے ترکوں کے بڑے سرداروں کو داخلی نزاع میں مشغول پایا اور وہ متفقہ طور پر عربوں سے لڑنے کے لیے تیار نہ ہوے۔ یہی وجہ تھی کہ قتیبہ کو ان سرداروں کو یکے بعد دیگرے تسخیر کرنے میں زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ محاربات کے اثنا میں بعض ترک روسا نے چینی ترکستان کے قبیلوں سے مدد بھی مانگی تھی مگر ان کی مدد سے ترکوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا، کیوں کہ کاشغر، ختن اور یارقند جوان کے زبردست اور نہایت محفوظ قلعے تھے۔ چند مہینے کے اندر عربوں کے قبضے میں آگئے اور یہ لوگ فتح اور کام یابی کا جھنڈا لہراتے ہوے طرفان تک جا پہنچے۔

عربوں کا قاعدہ یہ تھا کہ جس ملک کا وہ ارادہ کرتے تھے تو جنگ سے پہلے وہاں کے حکمراں کے سامنے دو تجویزیں پیش کرتے تھے کہ یا تو وہ دین اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کریں۔ طرفان پہنچنے کے بعد جب کہ قتیبہ نے چین کا ارادہ کیا تو اس نے یہاں بھی یہ ہی طرز عمل اختیار کیا۔ اس نے ایک وفد بادشاہ چین، یوں چونگ (۷۱۳-۷۵۵م) کے پاس بھیجا اور اس سے قبولِ اسلام یا جزیہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس وفد کی بابت ابن الاثیر کے اقوال بڑے دل چسپ ہیں۔ جو اس کی تاریخ الکامل کے پانچویں جزیں درج ہیں۔ اس کے دیکھنے سے ہم یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آیا ابن الاثیر نے واقعات کے بیان کرنے میں مبالغہ کیا ہے، یا واقعی صرف حقیقت بیان کی ہے۔ بہرحال ہم یہاں ابن الاثیر کی تنقید کرنا نہیں چاہتے کیوں کہ یہ کام بڑے بڑے مورخوں کا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تاریخ کے دقیق مسائل میں کیوں کر اپنی رائے اور قول فیصل کا اظہار کرنا چاہیے۔ مگر اس تاریخی معاملے میں اگر عربوں کی رائے معلوم کرنا چاہیں تو ابن الاثیر کے اقوال پر غور دیکھنے ہوں گے۔ ملخص مندرجہ ذیل ہے:۔

ابن الاثیر لکھتا ہے: "۹۶ھ = ۷۱۵ء میں قتیبہ بن مسلم نے کاشغر پر چڑھائی کی، اس کے لشکروں نے دریا پار کرتے وقت اپنے اہل و عیال کو سمرقند میں چھوڑ دیا اور وہاں پہرہ مقرر کیا تاکہ کسی کو وہاں سے واپس آنے کی اجازت نہ دیں۔ سوائے اس کے جس کے پاس قتیبہ ہی کا پروانہ ہو۔ وہ فرغانہ تک بڑھتا گیا۔ اس نے شعب عصام کے پاس ایک شخص بھیجا جو کاشغر کا راستہ بتلاتا تھا۔ کاشغر ہی چین کا سب

سے قریب شہر تھا جس پر فوج کشی کی گئی۔ اسے فتح کرکے وہ بڑھتا حتیٰ کہ چین کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پر بادشاہ چین کی طرف سے اس کو ایک خط ملا جس کا مضمون یہ تھا، "میرے پاس اپنا کوئی معقول آدمی بھیجو، تاکہ مجھ کو یہ بتائے کہ تم کون ہو اور تمھارا دین کیا ہے۔"

قتیبہ بن مسلم نے عربوں میں سے ایسے دس آدمی انتخاب کیے جو قوی ہیکل، عقل مند اور فصیح البیان تھے، اور شکل کے لحاظ سے بہت وجیہہ اور باوقار تھے۔ اس کے بعد تحائف ان کے ساتھ کر دیے گئے جس میں قیمتی ریشم، کام دار کپڑے اور عمدہ گھوڑے وغیرہ تھے۔ اس وفد کا سردار ہبیرہ بن مُشمرج الکلابی تھا۔ روانہ ہوتے وقت قتیبہ نے ان سے کہا: تم بادشاہ چین کے پاس پہنچو تو اس سے کہنا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ واپس نہ جاؤں گا جب تک میں تمھاری زمین کو اپنے پانوؤں سے نہ روندوں اور تمھارے امرا کی گردن نہ دباؤں اور جب تک میں تم پر خراج مقرر نہ کروں"۔

یہ حکم ملتے ہی ہبیرہ مع بقیہ وفد روانہ ہوا، یہ لوگ اور تین مرتبہ بادشاہ چین کے دربار میں حاضر ہوے اور ہر مرتبہ کا لباس پہلے سے مختلف تھا۔ پہلی مرتبہ انھوں نے بالکل سفید لباس پہنا۔ جس کے نیچے معمولی کپڑے تھے، اس کے ساتھ خوش بُو لگائی اور جوتے بھی پہنے۔ دوسری مرتبہ کام دار کپڑے، ریشمی پگڑی اور جبّہ۔ لیکن تیسری مرتبہ وہ زرہ پوش اور آلاتِ جنگ سے مسلح تھے، اور سواری پر آئے۔ بادشاہ چین کو ان کے لباس بدلنے پر بہت تعجّب ہوا۔ ہبیرہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ تم لوگ ہر مرتبہ ایک عجیب لباس پہن کے آتے ہو۔ اس نے جواب

دیا۔ پہلے دن کا لباس وہ تھا جو ہم گھر میں اہل و عیال کے ساتھ پہنے رہتے ہیں۔ دوسرے دن وہ تھا جب ہم امرا کی محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں اور تیسرے دن کا لباس وہ ہے جس کو ہم اپنے دشمنوں کے سامنے پہنتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا، خوب، تم نے اپنے اوقات کو اچھا تقسیم کیا۔ مگر اپنے سردار سے جا کر کہو کہ واپس چلے جاؤ، کیوں کہ ہم نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ تمھاری تعداد بہت ہی تھوڑی ہے۔ ورنہ دیکھ لینا۔ یہاں سے کوئی پہنچ کر تم لوگوں کو ہلاک کر دے گا۔

وفد نے جواب دیا: ہماری تعداد بہت تھوڑی کہتے ہو؟ سنو، ہمارا پہلا سوار تمھارے ملک میں ہے، اور آخری سوار اس ملک میں ہے جہاں زیتون پیدا ہوتا ہے! تم یہ دھمکی دیتے ہو کہ ہم قتل کیے جائیں گے سچ تو یہ ہے کہ ہماری موت کا ایک وقت مقرر ہے، جب آجائے، ہم خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتے ہیں، ہم اسے بُرا نہیں سمجھتے اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے سپہ سالار نے قسم کھا کر کہا ہے کہ وہ واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ تمھاری زمین کو نہ روندے اور تمھارے امرا کی گردن نہ جھکا دیں۔ اور جب تک کہ تم جزیہ ادا نہ کرو۔

بادشاہ نے کہا اچھا، ہم اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی کچھ مٹی اس کے پاس بھیج دیتے ہیں کہ وہ اس کو روندے، اور چند شہزادے، کہ وہ ان کی گردنوں کو نیچا کر دے اور اتنا جزیہ جس سے وہ خوش ہو۔" یہ کہہ کر بادشاہِ چین نے قتیبہ کے پاس کچھ ہدیہ اور چار شہزادے بھیجے اور وفد کو کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔

سوادة بن عبدالملک السلولی نے اس واقعہ کو تین ابیات میں جو ابن الاثیر نے نقل کی ہیں، یوں بیان کیا :-

لا عیب فی الوفد الذین بعثتہم للصبین ان سلکوا طریق المنہج
کسروا الجفون علی القذی خوف الردی حاشی الکریم ھبیرۃ ابن شمرج
ادی رسالتک التی استدعیہ فاتاک من حیث الیمین بمخرج[1]

جو کچھ بادشاہِ چین یون چونگ نے قتیبہ بن مسلم کے پاس بھیجا وہ اس سے خوش ہوا۔ ادھر اس کے پاس خلیفۃ الولید کی وفات اور سلیمان کی تخت نشینی کی خبر آ پہنچی۔ سلیمان کی خلافت اگرچہ قصیر المدت تھی، مگر سلطنتِ اسلام کے لیے بہت مضر ثابت ہوئی۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اسلام کی بہت سی نامور اور نمایاں ہستیوں کو جو قصرِ خلافت کے ستون تھے، شخصی کینہ اور ذاتی غرض کی وجہ سے سپرد تلوار کر دیا اور قتیبہ بن مسلم بھی اسی خلیفہ کے ہاتھ سے فنا ہوا۔ اصل یہ ہے کہ خلیفہ الولید بن عبدالملک نے حجاج والی عراق اور قتیبہ سے سلیمان کو ولی عہدی سے محروم کرنے اور اس کے بدلے عبدالعزیز بن الولید کو ولی عہد بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تھا جس کی حجاج اور قتیبہ نے تائید کی تھی۔ پس ولید کے انتقال کے بعد جب سلیمان تختِ خلافت پر بیٹھا، تو قتیبہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا[2] اور اس کے بدلے میں وکیع کو خراسان کا والی بنایا۔ اس طرح دونوں جماعتوں کو لڑا دیا۔ قتیبہ مجروح ہو کر اپنے خاندان کے گیارہ نامور آدمیوں کے ساتھ راہی عدم ہو گیا۔

---

[1] ابن الاثیر، ج۔ ۵۔ ص۲

[2] حجاج ابن یوسف اس وقت انتقال کر چکا تھا۔

ہم قتیبہ بن مسلم پر مرثیہ پڑھنا نہ چاہتے، اگر وکیع ملک کے بندوبست اور حکومت کے نظم و نسق ہی میں قتیبہ کا کفیل ہوتا، لیکن وکیع سے ماوراءالنہر میں سوائے ہیبت اسلام کو کم کرنے اور باشندوں پر ظلم کرنے کے اور کوئی کام ظہور میں نہ آیا

ہبیرہ بن شمرج جو عربی وفد لے کے چین کے دربار میں گیا تھا، ماوراءالنہر واپس آجانے کے بعد قتیبہ نے اسے خلیفہ الولید کے پاس بھیجا۔ لیکن موت اس کے راستے میں بیٹھی تھی۔ ایران کے ایک گاؤں میں پہنچ کر وہیں انتقال کر گیا۔ سعرادہ بن عبد الملک نے مندرجہ ذیل ابیات اس کے مرثیے میں لکھے۔ وہ کہتا ہے:۔

لله در هبيرة بن شمرج	ماذا تضمن منه ذى ندى وجمال
وبديهة تفضى بها ابناؤها	عند احتفال شاهد الاقوال
كان الربيع اذا السنون تتابعت	والليث عند تلعلع الابطال
فسقى بقرية حيث امسى قبره	عن بر حسنة بمسبل هطال
بكت الجياد الصافنات لفقده	وبكاه كل مشفق عسال
وبكته شعث لم يجد لهوا سياً	فى العام ذى السنوات والامحال

مشرق کی طرف عربوں کی فتوحات، قتیبہ بن مسلم کے قتل ہو جانے سے بالکل موقوف ہوگئیں اور چین بھی عرب کے عسکری حملوں سے بچ گیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہاں اسلام کے مذہبی اثرات نفوذ کرنے لگے۔ کیوں کہ اسلام عربوں کی سیاسی پیش قدمی کے ساتھ نہایت تیزی سے وسطی ایشیا میں پھیل گیا، اور چین اگرچہ کچھ دور تھا لیکن کچھ روز کے بعد مذہب چین میں بھی جڑ پکڑنے لگا۔

اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ قتیبہ بن مسلم نے وسطی ایشیا میں اسلام کے پھیلانے میں جو تدابیر اختیار کیں ان کی بدولت وہ بے حد کام یاب ہوا، مگر چین کے اُن ولایات میں جو دیوارِ چین اور پامیر کے درمیان واقع ہوئی ہیں اسلام پھیلانے کے سلسلے میں قتیبہ کا کیا ہاتھ تھا، اس کا ہمیں کوئی علم نہیں، کیوں کہ تاریخ اس کے متعلق ہم کو کچھ نہیں بتاتی۔ مگر گمان قوی یہ ہے کہ چینی ترکستان کے بعض باشندوں نے قتیبہ کے زمانے میں ضرور اسلام قبول کر لیا ہوگا اور اس کی وفات کے بعد وہ ان عرب سرداروں کی اطاعت کرتے رہے ہوں گے جو ممالک بخارا، سمرقند اور صغد میں حکمراں رہے۔ ان لوگوں میں سے جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمان ہوئے ایوغوری قوم بھی تھی۔ یہ چینی مسلمانوں کے آبا و اجداد تھے، اور مشرق اقصیٰ میں عربوں کی فتوحات موقوف ہو جانے کے بعد چین کے سیاسی تعلقات عرب کے بجائے ان ایوغوری مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے جن کے متعلق ہم کو یہاں کچھ بیان کرنا ہے۔

ایوغوری مسلمان

تاریخ چین اس بات کی شاہد ہے کہ آٹھویں صدی کے شروع میں تاتاریوں میں ایک نئی شاخ کو فروغ ہوا، یہ ایوغوری کہلاتے ہیں۔ اس سے قبل ہم کو چینی تاریخ میں کہیں اس قوم کا ذکر نہیں ملتا۔ اگرچہ ساتویں صدی عیسوی میں حوادث اور وقائع کا ایک سلسلہ ملتا ہے جو چین کے شمال مغربی سرحد پر وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوئے یہ حوادث

یا تاتاریوں کے حملوں کی صورت میں، یا ان کی شکست یا ان کی چین کی سیادت قبول کرنے کی صورت میں یا خراج اور ہدیہ پیش کرنے کی صورت میں مذکور ہیں۔ ان حوادث میں سے ایک سابلو خاں کا خروج تھا، یہ تاتاریوں کا ایک زبردست سردار تھا، چین کی اطاعت چھوڑ کر اس نے بادشاہ چین صوری ون تی (۵۸۹ - ۶۰۵ء) پر چڑھائی کی۔ اس خروج کا نتیجہ سابلو خاں کی ہزیمت ہوا۔ اور دو سال کے بعد اس نے صوی سے صلح کر لی۔ اس صلح سے خاندانی ربط پیدا ہو گیا، کیونکہ خاندان "صوی" کی ایک شہزادی، ایک ترکی سردار سے جو کیمن خاں کے نام سے مشہور تھا، شادی کر لی۔

خاندان "صوی" کا آخری چراغ ۶۱۶ء یعنی آنحضرت صلعم کی نبوت کے چھ سال بعد گل ہوا، اور خاندان تانگ میں چین کی حکومت منتقل ہوئی۔ اس نئے خاندان کا پہلا فرماں روا کاؤچو تھا، وہ سپاہی آدمی تھا، شجاعت، تدبر اور بردباری میں اپنی آپ نظیر تھا۔ اس سے بڑھ کر وہ مردم شناس اور علم و حکمت کا پروانہ تھا اور اہلِ علم اور اہلِ فضل کا بڑا احترام اور ان کی بہت قدر کرتا تھا۔

اس کا تعلق تاتاری قبائل کے ساتھ ہمیشہ صداقت اور دوستی کے اصول پر مبنی رہا۔ اس مودت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ۶۱۸ء میں جب کہ وہ تخت چین پر متمکن ہوا، تو ایک ترکی سردار خسرو خاں نامی کو "امیر الرفا" کے لقب سے مشرف کیا۔ اس کے شکریہ میں خسرو خاں نے بادشاہ کاؤچو کی خدمت میں بڑے بڑے قیمتی تحفے بھیجے۔

کارکرن (CORCORN) مؤلف "تاریخ ممالک چین[1]" کی رائے ہے کہ سیاسی حیثیت سے کاؤجو کا نفوذ ممالک بخارا، سمرقند اور بلاد قفچاق تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں کے امرا بلا استثنا اس کی سیادت سے راضی اور خوش تھے اور اس بنا پر وہ اس کے پاس برابر اپنے خراج بھیجتے تھے۔ کاؤجو کی زندگی میں عربستان کے اندر بڑے بڑے وقائع پیش آئے، جس میں خلافت ابی بکر صدیق رضؓ و فتوحات عمر رضؓ الخطاب اور سقوط دولت کسریٰ شامل ہیں۔

سنہ ۶۲۶ء میں کاؤجو کے انتقال پر اس کا لڑکا تائی چونگ کے لقب سے تخت چین پر بیٹھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح ہوشیار، بردبار، شجاع اور بلند ہمت تھا۔ اس نے نہ صرف اپنے والد کے چھوڑے ہوئے ممالک کو نہایت استحکام کے ساتھ سنبھال لیا بلکہ اپنے نفوذ کو تبت، کشمیر اور نیپال تک وسعت دی۔ یہ وہی حکمراں تھا جس سے یزدگرد نے مدد مانگی۔ مگر تائی چونگ کی امداد سے دولت ساسانیہ کے آخری وارث کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، کیوں کہ عربوں نے اسے فتح کرنے کے بعد اپنی سلطنت کی بنیاد وہاں خوب مستحکم کرلی۔ جس کا ہلانا بادشاہ چین کی قوت اور امکان سے باہر تھا۔

کارکرن کی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان کے راجاؤں میں سے راجا جے پور نے بھی تائی چونگ کے پاس سنہ ۶۳۱ء میں دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے لیے ایک خاص سفیر بھیجا تھا۔ اس سفارت کے جواب میں تائی چونگ نے اپنی طرف سے ایک وفد نفیس تحفے

---

[1] اس موضوع پر اردو میں سب سے بہتر تصنیف ہے جو کلکتہ میں طبع ہوئی۔

کے ساتھ روانہ کیا۔ راجا جے پور کے نقشِ قدم پر ہندستان کے بہت سے اور راجا چلنے لگے۔ چناں چہ اُجین، نیپال اور کشمیر کے راجا بھی اپنے سفیر دربارِ چین میں دوستانہ اغراض کے واسطے بھیجنے لگے۔[1]

تائی چونگ کے بعد چین کی زمام حکومت کاؤ چونگ کے ہاتھ میں آئی۔ فیروز پسر یزدگرد جو پناہ کے لیے بھاگا آیا تھا، کاؤچونگ نے نہایت فیاضی سے اس کا استقبال کیا اور اس کو اپنے دربار میں نہایت عزّت کے ساتھ رکھا۔ فیروز کا ایک لڑکا تھا جو اپنے دادا کے نام کا حامل تھا۔ فیروز کی وفات کے بعد کاؤ چونگ کا ارادہ تھا کہ اسے ایران کے تخت پر بٹھا دیا جائے۔ مگر وہ اپنی سعی میں ناکام ہوا کیوں کہ عربوں کی پیش قدمی ایران کی تسخیر اور استحکام کے اب وسطی ایشیا بلکہ ترکستان تک پہنچ چکی تھی اور اس کے علاوہ مسافت کے بُعد اور معاملات کی دشواری کاؤچونگ کو اجازت نہیں دے سکی کہ وہ عربوں سے برسرِ پیکار ہو، اس نے صرف اس پر قناعت کی کہ فیروز کے لڑکے کو بجائے اس کے کہ واقعی بادشاہ ایران بنایا جائے۔ امیر الایران کے لقب سے اشک شوئی کرے اور ترکستان کی ایک ولایت کا والی بنا دے اور یہ ولایت جیسا خیال کیا جاتا ہے اصل میں پہلے دولت ساسانیہ کا ایک جزو تھی۔

چین کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کاؤچونگ کے تعلقات روسا ترن کے ساتھ کچھ بگڑ گئے۔ ان کی پہلی مودت تنافر اور عداوت کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں

---

[1] کارکرن ج - ۲ صہ ۱۷

کہ ایک ترکی رئیس نے جو قطلو کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے، سنہ ۶۸۲ء میں شہر بن چاؤ پر یورش کی۔ پہلی دفعہ شکست کھائی، مگر دو سال کے بعد ایک مرتبہ اور شہر شیو چاؤ پر حملہ کیا۔ اور تیسری مرتبہ سنہ ۶۹۶ء میں شہر لیانگ چاؤ پر دھاوا کیا[1]۔ یہ تمام شہر موجودہ صوبہ قانصو کی حدود میں ہیں۔ ان یورشوں کے روکنے اور ان کی راہ کو بند کرنے کے لیے دولتِ چین نے بڑی بڑی تدبیریں کیں، اور آخر بہت سی فوجیں جمع کرنے اور مسلح کرنے کے بعد ان جنگ جو اقوام سے ایسی جنگ کی کہ وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ اس سے نہ صرف ان کی قوت ٹوٹ گئی، بلکہ ترکستان کی بہت سی اور ریاستیں، بادشاہ یونگ چونگ کے تیسرے سال فتح ہو گئیں۔ جس میں ریاست "تاش" یعنی تاشقند بھی تھی۔

عربوں نے وسطی ایشیا کو ترکستان تک قتیبہ بن مسلم کے عہد میں فتح تو کیا لیکن قتیبہ کے قتل ہو جانے کے بعد یہ لوگ وہاں کوئی خاص انتظام قائم نہیں کر سکے۔ سبب یہ کہ عربوں کے روسا میں اختلاف ہو گیا اور انھوں نے مشترکہ مفاد کا خیال نہیں کیا اور یہ اختلاف بنی امیہ کے آخر عہد میں اور زیادہ نمایاں ہوا، کچھ اس نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر، اور کچھ کمزوری کا اندازہ کر کے، چینی فوج نے اپنے ہوشیار بادشاہ کی زیر قیادت ماوراالنہر کی طرف بڑھنے کی کوشش کی، اور بعض اہم شہروں میں اپنی سیادت کا جھنڈا لہرایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ترک روسا جو قتیبہ کے زمانے میں عربوں کی اطاعت قبول کر چکے تھے، چین کی اٹھتی ہوئی قوت دیکھ کر اس طرف مائل ہو گئے اور انھوں نے اپنے نمایندے بادشاہ چین کے دربار میں بھیجے۔ انھیں قبول اطاعت کے عوض میں بادشاہ چین کی طرف سے وفاداری کی

---

[1] THONG CHIANG: VOL 53. P. 7.

شرط پر بڑے بڑے خطاب ملے۔ ان واقعات کے متعلق استاد برتھولد اپنی کتاب "ترکستان یورش منغول تک" میں یوں بیان کرتا ہے کہ چینی فوج شہر سویاب پر قابض ہو گئی تھی، اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک طرف عربوں میں داخلی اختلاف تھا اور دوسری طرف عربوں سے شکست کھانے کے بعد ترک رؤسا کو یہ قدرت تھی کہ کوئی جدید حکومت قائم کر لیتے۔ چینیوں نے ۷۵۹ء میں حاکم شاش کو اس بنا پر قتل کیا کہ اس نے بہ حیثیت ایک ماتحت ریاست کے چین سے بد عہدی کی۔ استاد برتھولد ابن الاثیر کا قول نقل کرتا ہے کہ آل اخشید نے جو فرغانہ کے حاکم تھے، چینیوں سے مدد مانگی جب کہ وہ تاش کے حاکم کے ساتھ برسرِ پیکار ہوئے[1]۔ چینیوں کو یہ طمع تھی کہ شاش کو بھی اپنے ماتحت کر لیں۔ اس لالچ نے ان کو عربوں سے لڑوا دیا اور بے حد خسارہ اٹھانا پڑا۔ کیوں کہ حاکم شاش کے لڑکے نے جب دیکھا کہ اس کے والد کو چینیوں نے مار ڈالا، تو بجائے چین کی اطاعت قبول کرنے کے، اس نے عربوں سے مدد مانگی اور زیاد بن صالح جسے ابومسلم الخراسانی نے شریک ابن المہدی کی بغاوت دبانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر چینی فوج کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ اور تالاس (TALAS) پر ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں چینی فوج نے جو کاؤ شیانگ چی (KAO SHIANG CHEH) کی زیر قیادت تھی سخت شکست کھائی۔

استاد برتھولد کی تحقیق کے مطابق ۵۰۰۰۰ چینی سپاہی اس جنگ میں مارے گئے اور اس کے علاوہ عربوں کے ہاتھ ۲۰۰۰۰ قیدی آئے۔

---

[1] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۲۲۴۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں، کیوں کہ چینی فوجوں کی تعداد جو جنرل کاؤ شیانگ چی کے ماتحت تھی چینی تاریخ اس کی تعداد صرف ۳۰۰۰۰ بتاتی ہو۔ بیں نے اس روایت کی عربی ماخذوں سے تصدیق تلاش کرنے کی کوشش کی مگر پرانی عربی تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ثعالبی نے اپنی کتاب "لطائف المعارف" میں اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اور اس کا ماخذ غالباً جوینی کی کتاب المسالک والممالک ہو۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ ان چینی سپاہیوں نے جو اس جنگ میں عربوں کے ہاتھ میں قید ہوے۔ اہلِ سمرقند اور وہاں کے عربوں کو کاغذ کی صناعات سکھائیں جو بعد میں وہاں سے تمام اسلامی ممالک میں پھیلی[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنگ تالاس ترکوں کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہو۔ اس واقعہ نے اس مسئلے پر فیصلہ کن حکم صادر کر دیا کہ مستقبل میں ترکی قبائل چینی تہذیب اختیار کریں گے یا عربی۔ کیوں کہ دراصل یہ دونوں تہذیبوں کی وسط ایشیا کے دشت و جبال میں خونی جنگ ہو رہی تھی اور ہر ایک دوسری پر غالب آنا چاہتی تھی۔ مگر تالاس میں عربوں کی فتح نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ ان ملکوں کی آیندہ تہذیب عربی ہی رہے گی، اور چینی تہذیب کو وہاں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تاریخ چین سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ چینیوں نے بعض ترکی امرا کی عربوں کے خلاف اُٹھنے میں مدد کی لیکن ان کو براہ راست عربوں

---

[1] BERTHOLD TURKISTAN DAWN TS THE WONGOL LUUOSION - P. 196.

سے دوبارہ جنگ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی کیوں کہ واقعہ تالاس سے
ان کو خوب سبق ملا، جس کی وجہ سے وہ حتی الامکان باقاعدہ جنگ سے
اجتناب کرتے رہے۔ تاریخ چین کے بعض مقامات میں یہ ذکر بھی ملتا
ہے کہ ماوراالنہر کے بعض شہروں میں جو حدود ہندستان سے ملتے ہیں،
چینی فتح یاب ہوئے۔ مگر تاریخ عرب اس کی تصدیق نہیں کرتی، بلکہ اس
کے برخلاف یہ بیان کرتی ہے کہ ابوداؤد کو جسے ابومسلم نے بلخ کا حاکم مقرر کیا تھا
خوداَل اور کش کے مہمات میں زبردست کام یابی ہوئی اور خودال کا
حاکم جو چینی سیادت کا معترف تھا، ملک چین کی طرف بھاگا، اور
کش کا حاکم لڑائی میں مارا گیا۔[1] ۷۵۲ء میں اوش روسانہ کے ترک
امیر نے حکومت چین سے عربوں کے مقابلے میں مدد طلب کی، مگر اس
نے مدد دینے سے انکار کیا، کیوں کہ ان کو عربوں کی قوت کا تجربہ ہو چکا
تھا اور انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ عرب و ترک کے اس نزاع میں
الگ رہیں۔[2]

اجتناب کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس زمانے میں خود حکومت چین کو
اپنے ملک میں ایک طوفان خیز بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے چین
کا شاہی تخت یقیناً اُلٹ جاتا، اگر ایوغوری سلمان چین کے شاہی
خاندان کی مدد نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ چین عربوں کے ساتھ صلح کرنے
پر بھی مجبور ہوئے اور ان ترکوں کے ساتھ بھی جو بنی امیہ کے آخر عہد
میں سلمان ہوئے جس میں ایوغوری قوم بھی تھی۔

(۱) الطبری ج-۳- صفحہ ۸۰-۷۹

(۲) BERTHOLD

جیسا کہ پہلے ہم عرض کر چکے ہیں ایوغوری قوم تاتاریوں کی ایک
نئی شاخ ہے اس کا ظہور آٹھویں صدی مسیحی کے شروع میں ہوا۔ اس قوم
کے ایک سردار نے قتیبہ کے زمانے کے تھوڑے دن بعد اسلام قبول کیا۔
اس کے متعلق ایک دل چسپ داستان ہے جس کو آغا جان محمد خان نے
اپنی کتاب "اویماق مغول" میں ذکر کیا ہے، اور میں نے اسے اپنی کتاب
"الاسلام و ترکستان الصینیہ" میں بھی نقل کیا ہے۔ اس قصے کا خلاصہ یہ
ہے کہ ایوغور ابن قراخان، اپنی ماں کے ساتھ خفیہ طور سے اسلام لایا جب
اس کے والد کو معلوم ہوا تو اس کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور
اس نے ہر ممکن طریقے سے لڑکے کو اپنے آبائی دین میں لانا چاہا، مگر
ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں، آخر جنگ کرنے کی نوبت آئی۔
ایوغور کے بہت سے دوست اور مددگار تھے سب اس کے جھنڈے
کے نیچے جمع ہوئے اور قراخان کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ جنگ میں
قراخان مارا گیا اور اس کی فوج منتشر کر دی گئی۔ قراقرم کا تخت اب
خالی تھا۔ ابو غور کے دوستوں نے اسے وہاں کا حکمراں انتخاب کیا۔
اس کی جماعت روز بہ روز بڑھتی رہی، اور بعد میں یہ ایوغوری قوم کے
نام سے مشہور ہو گئی۔ لفظ ایوغور کا معنی ترکی زبان میں، معاہدہ والا یا
ضبط رکھنے والا ہے۔[۱] اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو ایوغور سے وفاداری
کا عہد کر لیتے تھے اسی نام سے موسوم ہوتے تھے۔ یہ ہے ایوغوری قوم کی
اصلیت جو اب تک تاریخ میں مشہور ہے۔ عربوں کے بعد چین کے
سیاسی تعلقات انھی نئے مسلمانوں کے ساتھ قائم ہوئے کیوں کہ یہ لوگ

---

۱ اویماق مغول ص ۳۷

ایک طاقت ور قوم بن گئے تھے اور عربی حکومت کا شیرازہ بکھرا اور وسط
میں آٹھویں صدی کے پہلے نصف میں عباسیوں کے دعاۃ اور حامیانِ
بنی امیہ کے درمیان تلوار چل گئی تھی۔ اس قوم کی قوت کا اس سے
اندازہ کر سکتے ہیں کہ ۷۵۵ء میں جب کہ آں لوشان نے فرماں روا ے
چین کے خلاف بغاوت کا علم اٹھایا تو اس بغاوت کی آگ ایغوریو
ہی کی مدد سے بجھائی گئی۔

آں لوشاں شروع میں ایک چھوٹے شہر کا حاکم تھا اور اس سال
جس میں دولتِ عباسیہ کا آغاز ہوا وہ صوبہ تونن کے والی کے رتبہ پر ترقی
کر گیا۔ اس زمانے میں وہ اپنے پاس آٹھ ہزار تاتاری سپاہی رکھتا تھا
اس نے ۷۵۵ء میں بغاوت کی اور چین کے پایہ تخت شرقیہ پر حملہ کر دیا
جو آج کل شہر لویانگ LO-YANG کہلاتا ہے۔ پھر تونگ کونگ پر
حملہ کیا جو "شی کینگ" یعنی پائے تخت غربیہ کے راستے میں ایک اہم
جنگی مقام تھا اور اس کو فتح کر کے سیدھا مغربی چین کے دارالسلطنت
تک جا پہنچا۔ شاہی خاندان کے لوگ جو بھاگ نہیں سکے تھے سب
مارے گئے۔ اس فتح یابی کے بعد آں لوشاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان
کر دیا۔

یہ تو اس باغی کا کارنامہ ہے۔ اب شاہی خاندان کے متعلق سُنیے
کہ بادشاہ یونگ چونگ نے تو باغیوں کے دباؤ سے صوبہ سیچوان کے ایک
شہر لوآں میں پناہ لی اور ولی عہد بغاوت کے دوران میں صوبہ قانصو
کے ایک شہر بینگ لیانگ میں پسپا ہوا۔ اس طرح باپ بیٹے کے درمیان
خبر منقطع ہو گئی، وزراء کو معلوم نہیں تھا کہ بادشاہ کہاں ہے، مگر ان کو

ولی عہد کا علم ہو، اس لیے بینگ لیانگ میں جمع ہوے۔ چوں کہ بادشاہ مفقود الخبر تھا، اس لیے وزرا میں یہ مشورہ ہوا کہ ولی عہد کو بالفعل بادشاہ بنا دینا چاہیے، چناں چہ ۷۵۵ء میں شیوچونگ کے لقب سے اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔

شیوچونگ نے اپنی قوت کی کم زوری دیکھ کر اپنا وزیر ترکستان کے ایوغوروں کے پاس روانہ کیا اور ان کے امرا سے بڑے بڑے وعدوں پر مدد مانگی۔ ۷۵۵ء کے آخر میں پانچ ہزار ایوغوری فوج شیوچونگ کی مدد کے لیے آ پہنچی[ل]۔ ان میں اور باغیوں میں خوب جنگ ہوئی اور وہ برابر دو سال تک لڑتے رہے۔ لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ایوغوروں کے سرداروں نے اپنے امیر سے اور امدادی فوج مانگی۔ جواب میں اس نے اپنے لڑکے "یعفور" کو چار ہزار فوج کا سردار بنا کر بھیجا۔ وہ سب سے پہلے شہر فونگ ہیانگ میں اُترے جہاں بادشاہ شیوچونگ کی فوج کے ساتھ اتفاق کر کے باغیوں پر یکایک حملہ کیا اور اس جنگ میں باغیوں کا سردار آن لوشان ان کے ہاتھ آ گیا، اس کو قتل کر کے دونوں لشکر غربی دارالسلطنت کی طرف بڑھے اور اس کے فتح کرنے میں ایک بڑے چینی جنرل نے جو "کوتزنی" کے نام سے مشہور ہے، بھی کافی حصّہ لیا۔ پھر شرقی دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوے۔ تاریخ "تھونگ چیانگ" میں لکھا ہے کہ جنرل "کوتزنی" پیش پیش تھا، اسی سے باغیوں کی جنگ ہوئی، ان کے مقابلے میں "کوتزنی" دب گیا تھا کہ اتنے میں ایوغوری فوج آ پہنچی، جب کہ باغیوں کو اس کا علم ہوا، تو

ل THONG CHING VOL 55 P.

ان میں ہراس اور بد حواسی پھیل گئی اور سب کے سب چلّانے لگے: "موت سے بھاگو، موت سے بھاگو"۔ چناں چہ ایغوری کا نام سنتے ہی باغی لوگ شہر چھوڑ کر کسی اور طرف نکل گئے اور ایغوری مسلمان سپاہی، جنرل "کوتزنی" کے ساتھ پایۂ تخت شرتبہ میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے۔ اس طرح انھی نے شیوچونگ کو چین کی بادشاہی اور دونوں پایۂ تخت واپس دلوائے اور اسی وقت سے آپ اس زمانے کی کوئی چینی تاریخ کی کتاب دیکھیے، اس میں آپ کو جلی حروف میں یہ لکھا نظر آئے گا کہ "ایغوروں نے آکر بادشاہ شیوچونگ کو" دونوں پایۂ تخت" واپس دلائے۔ یہ ۷۵۷ء کا واقعہ تھا۔[1]

بعض مورخین جن میں موسیو واہری MOHAMMDANISNE IN CHINE کا مصنف بھی ہے، لکھتے ہیں کہ بادشاہ چین نے آن لوشان کی بغاوت کے استیصال میں خلیفہ ابوجعفر المنصور سے فوجی مدد مانگی۔ اس مسئلے کے متعلق میں نے عربی کتابوں میں الطبری سے لے کر ابن خلدون تک تلاش کی مگر ان کتابوں میں کوئی ذکر مجھ کو نہیں ملا۔ ہاں ایک عربی کتاب میں جو "صفوۃ الاعتبار بمستودع الامصار" کے نام سے شیخ بیرم تونسی (متوفی ۱۸۸۹ء) کی تصنیف ہے۔ یہ عبارت ملی:-

"اصل المسلمین فی الصین۔ وھم یبلغون الی ماینیف عن الستہ ملیونا من الاھالی ومن العساکر المسلمین الذی جلبھم ملک الصین فی عھد الخلیفۃ العباسی ابی جعفر المنصور حیث ثارت علیہ رعایاہ فاستنجد علے انہ یودی معلوماً۔ ادا انجد فارس لما بعث الاف من صنادید المسلمین وقھرھم رعایاہ وجازاھم عن ذالک بجواز الاقامۃ فی مملکتہ۔ الخ۔۔۔۔" [1]

---

[1] صفوۃ الاعتبار۔ ج ۱۔ ص ۳۔

مطلب: "چین میں مسلمانوں کی اصلیت جن کی تعداد چھ کروڑ کے قریب ہو، چین کے دیسی باشندوں سے ہو اور مسلمان فوجوں کی اولاد بھی ہو جن کو بادشاہ چین نے ابوجعفر المنصور خلیفہ عباس کے زمانے میں بلایا۔ جس وقت اس کی رعایا اس کے خلاف بغاوت کر بیٹھی تھی۔ اس مہم کے لیے بادشاہ چین نے خلیفہ ابوجعفر سے مدد مانگی، ابوجعفر نے چار ہزار زبردست سپاہی بھیجے، اور انھوں نے وہاں جاکر بغاوت کو دبادیا۔ اس کے صلہ میں ان کو وہاں رہنے کی اجازت دی گئی"۔

یہ مد نظر رکھتے ہوئے کہ شیخ بیرم تونسی کی وفات ۱۸۸۹ء میں ہوئی۔ ظاہر ہو کہ اس نے کسی اور ماخذ سے یہ اقتباس لیا، مگر افسوس کی بات ہو کہ اس نے اپنی کتاب میں اصلی ماخذ کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کا یہ قول اس تاریخی مسئلے میں اقوالِ غیر کی بہ نسبت زیادہ وزن رکھتا ہے شیخ بیرم تونسی کے علاوہ گستاف لی بان نے اپنی کتاب "تمدنِ عرب" میں میسو دابری کا یہ قول نقل کیا ہو کہ ابوجعفر المنصور نے بادشاہ چین کی مدد کی، لیکن مجھے یقین نہیں کہ گستاف لی بان کا قول شیخ بیرم تونسی کے قول سے زیادہ معتبر مانا جائے گا

ایک اور بیان (E. BRETSHNEIDER) نامی مستشرق کی کتاب (ANCIENT CHINESE KNOWLEDGE ON THE ARABS) میں ملتا ہو، اس نے تانگ شو یعنی تاریخ تانگ عدد ۱۵ دسواں باب) کی سند دی ہو کہ بادشاہ چین نے اپنے دو دارالسلطنتوں شرقیہ (ہویانگ) اور غربیہ (چانگ۔ آن) ان فوجوں کی بدولت واپس ملے جن کو خلیفہ ابوجعفر المنصور نے ۷۵۷ء میں بھیجا تھا اور

آن لوشاں کی بغاوت بھی ان کی مدد سے دبائی گئی۔ اس بیان کی بنا پر میں نے اصلی کلام "تانگ شو" میں تلاش کیا، تو خلیفہ ابوجعفر کا نام اس میں مذکور نہ تھا اور وہ فوج جو آن لوشان کی بغاوت کے استیصال کے لیے آئی تھی وہ ایوغوری، عرب (تاشں) اور تاتاروں پر مشتمل بتائی گئی ہے۔ تعداد میں اسے بیس ہزار بیان کیا گیا ہے۔ اور اس بیان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آن لوشان کی بغاوت دبانے کے لیے کچھ عرب فوج آئی تھی۔ لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا خلیفہ ابوجعفر نے ان کو بغداد سے بھیجا تھا یا اور کہیں سے۔ ہم اس مسئلے پر کچھ اور بحث کرنا چاہتے ہیں:۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ ابوجعفر نے زمام خلافت سنہ ۱۳۶ھ = سنہ ۷۰۳ء سفّاح کے بعد اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کی خلافت کے شروع میں ملک مطمئن نہ تھا، جنگ و جدال کا ایک سلسلہ جاری تھا۔ مثلاً عبداللہ بن علی کا خروج (صفر سنہ ۱۳۷ھ)۔ جب تک اس نے ابومسلم کا خاتمہ نہیں کیا اسے چین کرنا نصیب نہ ہوا، کیوں کہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ یہ اس کا اصلی رقیب تھا۔ جب تک خلافت کے کسی گوشے میں ابومسلم رہا وہ ہرگز تختِ خلافت پر آرام سے نہیں بیٹھ سکتا تھا، بالآخر نہایت چالاکی سے اس کو بغداد بلا کر سنہ ۷ء میں قتل کر ڈالا۔ ابومسلم کے قتل سے خراسان میں بڑا ہنگامہ اٹھا، تین سال کی متواتر فوج کشی کے بعد یہ فتنہ آخر سنہ ۱۳۱ھ = سنہ ۵۸ء میں فرو ہوا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ بغاوت جو چین میں ظہور پزیر ہوئی ہے، خلیفہ ابوجعفر کے پہلے سال میں شروع ہوئی، اور یہ بھی متواتر تین سال رہی۔

ان حالات کا مقابلہ کرنے سے یہ یقین ہوتا ہو کہ مسلمانوں کے وہ فوجی دستے جو ۷۵۵ء میں چین میں وارد ہوئے، وہ ابوجعفر کے بھیجے ہوئے نہیں تھے۔ کیوں کہ چند مہینے کا وقت قاصد کے دارالخلافہ اور دارالسلطنت چین کے درمیان آمد و رفت کے لیے ہرگز کافی نہ تھا، چہ جائے کہ فوجوں کو تیار کرنا اور باقاعدہ بھیجنا۔ اور یہ بھی بعید از قیاس معلوم ہوتا ہو کہ ایسی حالت میں جب کہ ابوجعفر کو نظر آتا تھا کہ خلافت مستحکم نہیں ہوئی اور ملک میں ہر جگہ خلفشار اور ہنگامے کا خوف موجود تھا اپنی فوجی قوت تقسیم کرکے ان میں سے ایک دستہ دُور دراز چین روانہ کرے۔ یہ کام خلافت ابوجعفر کے پہلے سال میں نہیں ہو سکتا۔ ہاں ممکن ہو کہ ۷۵۶ء میں جو فوج چین میں آئی اس میں بعض عرب ہوں گے جن کے متعلق "تانگ شو" میں ذکر آیا ہو۔ اگرچہ عربی کتابوں میں ہم کو اس کی تصدیق نہیں ملتی۔ اس کے باوجود ہم خیال کر سکتے ہیں کہ وہ عرب جو ۷۵۷ء میں وارد ہوئے، وہ بغداد یا عراق سے نہیں آئے بلکہ ایشیا وسطی کے بڑے بڑے شہروں سے۔ کیوں کہ قتیبہ بن مسلم نے اپنے زمانے میں اور اس کے جانشین حکام نے عرب فوجوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے اہل و عیال وہاں لے آئیں۔ یہ ہی وجہ ہو کہ بخارا، سمرقند وغیرہ شہروں میں بہت سے عرب آباد ہو گئے۔ اگر بالفرض بادشاہ چین نے ابوجعفر ہی کے پاس قاصد بھیجا، تو ہم یہ کہنے میں تامل نہ کریں گے کہ ابوجعفر ہرگز بغداد سے فوج نہ بھیج سکتا تھا بلکہ احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بخارا اور سمرقند کے حکام کو لکھے کہ وہاں سے ضروری فوج تیار کرکے بادشاہ چین کی مدد کریں کیوں کہ وہاں سے چین پہنچنا زیادہ قریب

اور آسان تھا۔ ہماری اس رائے کی تائید میں وہ بیان ہر جو تانگ شو میں ملاکہ ۷۵۷ء میں جو مسلمان فوج یعبور کی زیرِ قیادت آئی تھی ان میں ایوغوری، عرب اور تاتار سب تھے، اگر وہ بغداد سے آتے تو ضرور خالص عرب ہوتے اور اُن کے عرب سردار کا نام ضرور کسی پُرانی کتاب میں مل جاتا۔ اس کی تلاش کرنے میں اب تک ہم کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پس ہم اپنی رائے پر قائم ہیں جب تک ہم کو کسی اور ماخذ سے جو اس وقت ہمارے علم میں نہیں ہر کوئی نئی دلیل یا نئی روشنی نہ ملے۔

اس سے پہلے ہم یہ بیان کر چکے تھے کہ آن لوشان کی بغاوت ایوغوری اور عرب فوجوں کی مدد سے ۷۵۷ء میں فرو ہوگئی، شیوچونگ نے ان کو اختیار دیا کہ اگر وہ چین میں اقامت کرنا چاہیں تو ان کے مصالح کا خیال کیا جائے گا۔ اور اگر وہ واپس جانا چاہتے ہیں تو عزّت اور اکرام کے ساتھ ان کو اپنے وطن پہنچا دیں گے۔ جو لوگ واپس جانے کے خواہش مند تھے وہ اپنے وطن عزیز کی طرف واپس ہوئے، لیکن بہتوں نے سرزمینِ چین کو پسند کیا اور وہیں بس گئے۔ شیخ بیرم تونسی کی روایت سے پتا چلتا ہر کہ انھوں نے اِن شرطوں پر وہاں رہنا پسند کیا کہ وہ اپنی تنظیم اور عبادات میں اور املاک بڑھانے میں آزاد اور غیر مقید ہوں۔ بادشاہ نے یہ شرطیں قبول کر کے ان کو مختلف بڑے شہروں میں آباد کیا۔ اور اس وجہ سے ہر شہر میں ان کا ایک خاص محلّہ ہو گیا، جو آبادی کی قلّت اور کثرت کے مطابق چھوٹا یا بڑا تھا۔ وہ اپنے احکامِ خصوصی اور شعائرِ دینیہ کے ادا کرنے میں بالکل مختار

تھے [۵۱] ان کو یہ بھی اجازت تھی کہ چینی عورتوں سے شادی اور بڑے بڑے گھرانوں سے ربط یا رشتہ کریں۔ ان کی تعداد بعد میں اور بڑھی، اور اِدھر اُدھر پھیل گئی۔ اس وقت سے ایک طرف خاندان تانگ اور ایوغوری رؤسا میں بڑی دوستی پیدا ہوگئی، اور دوسری طرف چین اور عرب کے درمیان سفارت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان سفارات کی تفصیل ہم ایک خاص فصل میں بیان کریں گے۔

خاندان تانگ اور ایوغوروں کے تعلقات ترقی کرتے کرتے خونی رشتے کے درجے پر پہنچ گئے۔ یہ بات ہم کو چین کی تاریخ عام سے صاف نظر آتی ہے۔ ایوغوری کے تین بڑے سرداروں نے اپنے زمانے میں خاندان تانگ کی شہزادیوں سے شادی کی۔ یہ غالباً سیاسی وجوہ سے ہوئی۔ پہلا ایوغوری رئیس جس نے شہزادی "نینکو" سے عقد کیا (۵۸، ۶۷) وہ باسل خاں تھا، اور تاریخ چین میں وہ اینقو کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلے "دانیو" "کوجو" ہان چونگ" کا حاکم تھا حکم ہوا کہ وہ شہزادی کی رفاقت میں ترکستان جائے اور بادشاہ خود بھی اپنے دارالسلطنت سے شہر ہانگ یانگ تک پہنچانے کو گیا، جہاں وہ آنسوؤں کے موتی کا تحفہ دے کر رخصت ہوا۔ [۵۲]

اس کے چار سال بعد بادشاہ چین کو ایک مرتبہ اور ایوغوری سے مدد مانگنی پڑی، کیوں کہ آن لوشان کے بعض حامیوں نے پھر سر اٹھایا۔ مشرقی پائے تخت یعنی لویانگ اور شہر ہانگ یانگ دونوں

---

[۵۱] صفوۃ الاعتبار۔ جلد ۱۔ ص ۲۳

[۵۲] CHONG CHIANG : VOL. 56 . P. 9

خطرے میں پڑ گئے۔ ایک ایوغوری رئیس قطن خان نامی نے بادشاہ کی فریاد پر لبیک کہا اور باغیوں کو پسپا کر کے "دائی چونگ" کو جو "شیو چونگ" کا لڑکا تھا، بچا لیا۔ اس کے صلے میں قطن خاں کی ایک شہزادی سے شادی ہوئی جو اصل میں آئیر وائی غین کے اولاد سے تھی۔ اس چینی امیر نے کسی زمانے میں مسلمانوں سے مدد لے کر بادشاہ پر حملہ کرنا چاہا تھا مگر ناکام ہوا، اس کی وفات کے بعد بادشاہ دائی چونگ نے ائیر وائی غین کی بیٹی کو اپنے محل میں داخل کرایا، جہاں شاہی اولاد کی طرح اس کی تربیت ہوئی۔ اور اب قطن خان کے نصیب میں آئی[ل]

غرض کہ خاندان تانگ اور رؤسا ایوغوری کے درمیان اچھے تعلقات تھے، مگر چند سال بعد ایک دردانگیز واقعہ پیش آیا یعنی ۸۰۰ء میں بعض تاتاری تاجروں کے جھگڑے میں ایک ایوغوری سردار اور اس کے کوئی نو سو ہم قوم شہر جنگ وو کے چینی حاکم کے حکم سے مارے گئے۔

جب کہ بادشاہ دائی چونگ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو بڑا افسوس ظاہر کیا۔ اسے ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ ایوغوری قوم اس حادثہ کے سبب سے پرانے دوستانہ تعلقات اور رشتہ توڑ کر چین پر حملہ نہ کر بیٹھے اس بارے میں کہ کیا کرنا چاہیے، اس نے اپنے عقل مند وزیر لیمی سے مشورہ لیا۔ وزیر نے کہا، حکومت چین کے لیے اس میں خیریت نہیں ہے کہ ایوغوریوں سے قطع تعلق کرے جب کہ ان سے حکومت کی مضبوطی میں بڑی بڑی خدمات لے چکی ہے۔ شمال میں ایوغوریوں کے

ل THONG CHIANG VOL 57. P. 10.

ساتھ صلح کرنا، اور جنوب میں یونناں کے ساتھ تعلق رکھنا اور مغرب میں ہندستان اور عرب سے رشتہ پیدا کرنا اور ضروری کاموں میں سے ہیں، جن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہرگز تاخیر نہ کرنا چاہیے۔ بادشاہ نے پوچھا، اس سے فائدہ؟ جواب دیا، حضور! ایوغوری کے ساتھ صلح رکھنے سے تاتاروں کے حملے روک سکتے ہیں۔ یونناں سے تعلق رکھنا پہلا قدم ہو کہ اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیں اور عرب اس زمانے میں دنیا کی سب سے طاقت ور قوم ہے۔ ہندستان کے ساتھ زمانۂ قدیم سے چین کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس تفسیر سے بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی اور فوراً ایک سفیر ایوغوریوں کے ملک بھیج کر دوستی کے تعلقات از سرِ نو قائم کیے اور خونی رشتہ سے اس کی تقویت کی گئی، یعنی قطلو خان کی جو ایوغوریوں کا امیر تھا خاندان تانگ کی ایک شہزادی "ہانگ آن" سے شادی کی گئی۔

وزیر لیبی نے بادشاہ سے جو بات کہی تھی، وہ واقعہ کی صورت میں نظر آئی، کیوں کہ تاتار کے ایک قبیلے نے چین کے شمالی حدود پر یورش کی۔ ایوغوریوں کے امیر نے بادشاہ چین کی مدد کے لیے فوراً فوج بھیجی جس سے حملہ آوروں کو بغیر کسی کام یابی کے اپنے وطن لوٹنا پڑا۔ بعد میں ترکستان کی ایوغوری قوم جن کی بڑی تعداد مسلمان ہوچکی تھی، برابر چین کے دوست اور انصار رہے۔ جب کبھی اس پر کوئی مصیبت پڑی، تو اس کی مدد کے لیے فوراً کمر بستہ ہوگئے۔ اس واسطے چین کی تاریخ میں جگہ جگہ ان کی خدمات کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے رؤسا میں اور خاندان تانگ میں خونی رشتے کے قائم ہونے سے ان کے

تعلقات ہر حیثیت سے اور مضبوط ہو گئے اور طرفین ایک دوسرے پر صلح یا جنگ کے زمانے میں کامل بھروسہ کرتے تھے۔

خیر، یہ تو ایو غوریوں کے ساتھ چین کے سیاسی تعلقات تھے۔ اگر آپ یہ دریافت کریں کہ جنگ تالاس کے بعد، عربوں کے ساتھ چین کے سیاسی تعلقات کی کیا کیفیت ہوئی تو اس کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں، کیوں کہ تاریخ عرب اور تاریخ چین دونوں اس کے متعلق بالکل خاموش ہیں۔ مگر تاریخ ممالک چین کے مصنف کارکرن نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ "عہد شیو چونگ" کے آخر میں (۷۵۶-۶۲) جو بات قابلِ ذکر ہوئی وہ یہ تھی کہ خلیفہ بغداد کے سفیر ہدیہ اور تحفے کے چین کے دربار میں حاضر ہوئے اور انھیں یہاں سے بھی نہایت اعزاز اور اکرام کے ساتھ رخصت کیا گیا" اس کے بعد وہ خلفاء بغداد کے ساتھ خاندان سونغ (SUNG) کے تعلقات کا ذکر کرتا ہے کہ "چو کونگ ایں" جو خاندان تانگ کے آخر فرماں روا کا وزیر تھا، حکومتی امور کے نظم و نسق میں ضعف اور کمزوری دیکھ کر خود بادشاہ بن گیا اور ایک دوسرے خاندان کی بنیاد ڈالی جو چینی تاریخ میں خاندان سونغ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا بہادر، مدبر اور کام کرنے والا آدمی تھا، اگرچہ عالم فاضل نہ تھا، لیکن ایسا قدرشناس تھا کہ جب وفات پائی تو طبقۂ علما و فضلا نے اس پر غم کے مرثیے پڑھے اور مدت دراز تک اس کا ماتم مناتے رہے۔

اس کی زندگی کے زمانے میں ختن کے والی اور ترکستان کے امرا اپنے اپنے سفیر اس کے پاس بھیجتے تھے اور سنہ ۳۶۲ھ میں مطیع باللہ

ابوالقاسم خلیفہ بغداد نے بھی دوستانہ پیغام اور اخلاص کے ساتھ اس کے پاس نفیس نفیس ہدیے روانہ کیے تھے۔

لیکن اس فصل میں ہم نے جس قسم کے سیاسی تعلقات سے بحث اٹھائی تھی، اُن سے ہمارا مطلب فوجوں کی نقل و حرکت، جنگی مظاہرے اور حملوں کے واقعات اور واردات تھے جن میں فتح یابی کی خوشی اور شکستوں سے خوف اور نقصان ہوتا ہے۔ جہاں تک سفرا کی آمد و رفت اور تحفہ تحائف کا معاملہ ہے اس کو ہم ایک خاص عنوان کے ماتحت سفارات کے باب میں آگے بیان کریں گے۔

باب سوم

الف: چین اور علمائے اسلام

پچھلے باب میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ چین و عرب کے سیاسی تعلقات کیا رہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے تعلقات سیاست ہی تک محدود تھے۔ کیوں کہ چین و عرب کے تجارتی تعلقات، ان کے سیاسی تعلقات سے کہیں زیادہ مضبوط اور قوی تھے۔ اس کے متعلق ہم کو عربی اور غیر عربی کتابوں سے بہت سی شہادتیں مل سکتی ہیں لیکن قبل اس کے کہ میں تجارتی تعلقات کے موضوع پر بحث کروں۔ یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے علمی تعلقات پر کچھ روشنی ڈالوں۔ تجارتی تعلقات کے سلسلے میں ہم کو یہ معلوم کرنا ضروری ہو کہ چین کے متعلق عربوں کو کہاں تک علم تھا اور عرب اور ان کے ملکوں کے متعلق چینیوں کو کیا خبر تھی اور کون کون سے لوگ اپنی کتابوں میں ان کے متعلق ضروری معلومات چینی قوم کو بہم پہنچا گئے تھے۔ اس بنا پر ہم تجارتی تعلقات سے پہلے، علمی تعلقات کا بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

ابھی میں نے ذکر کیا کہ چین و عرب کے تجارتی تعلقات کا معلوم کرنا دو باتوں پر مبنی ہو۔ ایک تو عربوں کی کتابوں سے اور دوسرا چینی

مصادر سے، لیکن میں نے یہاں صرف عربی اور اسلامی مصادر کو لیا ہو
اس کی وجہ یہ ہو کہ چینی کتابوں میں عرب کے متعلق جو معلومات ملتی ہیں ان
کو ایک بڑے مستشرق نے پہلے ہی اپنی ایک خاص کتاب میں جمع کردیا
ہو۔ اس مستشرق کا نام برٹش نائڈر (E. BRETSH NEIDER)
اور محولہ کتاب کا نام "معلومات قدماء الصین عند العرب"[1] (THE
ANCIENT CHINESE KNOWLEDGE OF THE
ARABS) ہو۔ اس کتاب کے موجود ہونے سے میں نے ضرورت
نہیں سمجھی کہ اس موضوع پر خود کسی خاص عنوان کے ماتحت بحث کی
جائے، بلکہ اس پر اکتفا کیا کہ آیندہ ابواب کے مختلف اور ضروری مباحث
میں اس کتاب کا حوالہ دے دیا جائے۔ جو صاحب تفاصیل چاہتے ہیں
وہ خود اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

عربوں کی معلومات معلوم کرنے میں ان مصنفین کا ذکر کرنا ضروری
ہو جن کی تصانیف میں چین کا ذکر ہو۔ یہ سب کو معلوم ہو کہ اسلام اور
عرب کے بہت سے نامور مصنفین نے چین کے متعلق بہت کچھ لکھا ہو،
ان مصنفین میں بعض ایسے بھی تھے جو نویں صدی مسیحی میں یعنی بارہ سو
سال پہلے گزرے ہیں، اور بعض ایسے جو اس کے بعد کے زمانے کے
ہیں۔ غرض کہ پندرھویں صدی تک کوئی زمانہ ایسا خالی نہیں رہا جس
میں کسی نہ کسی مصنف نے چین کا ذکر نہ کیا ہو۔ اس بیسویں صدی میں
بھی دو ایسے مصنف مجھ کو ملے جن کی تصنیف خاص تعریف
کی مستحق ہے۔

---

[1] عربوں کے متعلق قدمائے چین کی معلومات۔

ان مصنفوں اور ان کی کتابوں پر بحث کرنے میں ہم نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ جن کی کتاب سب سے قدیم ہے اس کا بیان سب سے پہلے کیا جائے، اسی لیے اب سب سے پہلے ہم ابن خردادبہ کا ذکر کرتے ہیں

(۱) ابن خردادبہ

اس کا پورا نام ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ ابن خردادبہ تھا وہ اصلاً ایرانی مجوسی خاندان سے تھا جو بعد میں اسلام لایا۔ اس کا باپ ایک عرصے تک طبرستان کا حاکم رہا ابن خردادبہ نے بغداد کا سفر کیا جہاں مشہور موسیقار اسحاق اوصلی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جب تک وہ عراق میں رہا، اس کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ عراق میں وہ ادارہ برید، یعنی ڈاک خانہ کا ناظم رہا اس کی ایک کتاب "المسالک والممالک" ہے جسے اس نے شہر سامرا میں ۸۴۴ اور ۸۴۸ء میں لکھا۔ اس میں خلافت عباسیہ کی ولایات کے رباط یعنی ڈاک خانوں اور آمدنی کا ذکر خاص طور پر کیا ہے[۱]

یہ کتاب ۱۸۸۹ء میں لیڈن (LiiDEN) میں فرانسیسی ترجمے کے ساتھ طبع ہوئی۔ اس میں ہماری خاص دلچسپی کے بیانات وہ ہیں جو مشرق اقصیٰ کے جانے کے برّی اور بحری رستے اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک کی مسافات کے بارے میں دئے ہیں۔ ابن خردادبہ نے ان چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کی تجارت بمبئی بندرگاہوں میں ہوتی تھی۔ تجارتی تعلقات کے باب میں ہم اسے کچھ تفصیل سے ساتھ بیان کریں گے۔

IENAID: RELATIONS LES UOUAGES - P. 33

(۲) سلیمان التاجر السیرانی:۔ علماء یورپ کا جن میں سے گستاف لی بان بھی ہے، قول ہے کہ وہ شخص جس نے سب سے پہلے عربی زبان میں چین کے متعلق کچھ لکھا، جو اب تک صحیح محفوظ ہے، وہ سلیمان تاجر سیرانی ہے اس نے ہند اور جاوا کے سواحل سے کئی مرتبہ تجارت کی غرض سے چین کا سفر کیا۔ لیکن اس کی کتاب جو اس وقت "سلسلۃ التواریخ"

کے نام سے مشہور ہے اور جس کا جزء ثانی ابوزید سیرافی کا لکھا ہوا ہے ۲۳۷ھ ۸۵۱ء میں یعنی ابن خرداذبہ کی تالیف ۲۳۴ھ سے تین سال بعد کی لکھی ہوئی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ چین کے متعلق سلیمان کی معرفت ابن خرداذبہ کی معرفت سے پہلے حاصل ہو چکی ہو لیکن کتابت کے لحاظ سے ہماری رائے یہ ہے کہ جو کچھ ابن خرداذبہ نے چین کے متعلق لکھا وہ اسبق تھا۔ البتہ اس نے جو کچھ لکھا تھا سماعی تھا یا کسی اور ذریعے سے جس کا ہم کو علم نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہیں گے کہ ابن خرداذبہ کی معلومات چین کے متعلق شاہدات پر مبنی نہیں تھیں بلکہ بغداد میں بیٹھ کر مختلف ذرائع سے حاصل کی گئیں اس کے برخلاف سلیمان سیرافی نے چین کا کئی مرتبہ سفر کیا اور وہاں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلیمان سیرافی کی معلومات زیادہ وزنی، قابلِ اعتبار اور حقائق کا آئینہ تھیں۔ ہم اس کے بیانات سے تقریباً متفق ہیں، مگر بعض ایسی باتیں جن کی وہ غیروں کی زبان سے روایت کرتا ہے۔ ان کے قبول کرنے میں ہم کو کسی قدر تامل ہے۔

اگر ہم سلیمان کے اقوال کا ابن خرداذبہ کے اقوال سے مقابلہ

کریں تو یہ نظر آتا ہے کہ دونوں بعض باتوں میں متفق ہیں اور بعض میں کسی قدر مختلف۔ وہ باتیں جن پر دونوں اتفاق کرتے ہیں وہ بصرہ سے چین تک جانے کا بحری راستہ ہے۔ یہ سواحل ہند، سرندیب اور جاوا سے ہوکر جنوبی چین کی پہلی بندرگاہ "خانفوہ" پہنچتا تھا۔ تجارتی اشیا کے بارے میں بھی دونوں کا قول تقریباً ملتا ہے۔ وہ باتیں جن کا ذکر ایک کی کتاب میں ملتا ہے اور دوسرے کی کتاب میں نہیں۔ وہ یہ کہ ابن خرداذبہ نے "زیتون" کے مسلمانوں کا ذکر نہیں کیا، مگر اس کے برخلاف اس کی کتاب میں بلاد سیلا (کوریا) اور وہاں کے مسلمانوں کا ذکر ملتا ہے، اور ابن خرداذبہ ہی پہلا شخص ہے جس نے قانصو کا ذکر کیا ہے۔ اس کے قول کے مطابق، یہ ولایت چین کے انتہائی مشرقی کنارے پر واقع ہے اور اس کے مشرق میں جزیرہ "وقواق" (جاپان) ہے۔

سلیمان کو "سیلا" کا علم نہ تھا، اس لیے اس نے اسے نظر انداز کر دیا کیوں کہ وہ وہاں تک نہیں پہنچا تھا۔ اس کے آنے جانے کے جو مقامات تھے وہ جنوبی چین کی بندرگاہیں تھیں۔ مثلاً زیتون، خانفو اور رخنسا وغیرہ۔ سلیمان اگرچہ ایک تاجر محض تھا اور اس کے مشاہدات تحقیق وتعمق اور تعلیل سے خالی تھے۔ لیکن اس کی کتاب میں ایسی معلومات جمع ہو گئیں جس سے اس زمانے حالات خوب واضح ہو جاتے ہیں۔ اس نے ہند و چین کے بعض رسم و رواج اور عادات کا مقابلہ بھی کیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں

میرے نزدیک ان دو کتابوں کی علمی قیمت اس میں ہے کہ ابن خرداذبہ نے چین کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، صحیح علمی نظر کے مطابق

بیان کیا ہے، اس لیے ہم اس کے بیانات میں خلافِ عادت قسم کی باتیں بہت ہی کم پاتے ہیں۔ اور سلسلۃ التواریخ کی قیمت اس میں ہے کہ سلیمان نے تجارت اور مشاہدات کو اپنے بیانات کی بنیاد بنایا اور فلسفیانہ بحثوں کو اپنی کتاب میں داخل نہیں کیا۔ اس بنا پر سلیمان کے اقوال خود اہلِ چین کی آرا سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ غرض میں ان دو کتابوں کو اسلام کے اور قدیم مصنفین کی کتابوں سے جو بعد کی لکھی ہوئی ہیں زیادہ معتبر سمجھتا ہوں اور چین کے متعلق عربوں کی معلومات کے سلسلے میں میرے اہم ماخذ یہی دو کتابیں ہیں۔

جیسا ہم نے بیان کیا ہے کہ "سلسلۃ التواریخ" دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصّہ سلیمان سیرافی کا لکھا ہوا ہے، جس کی تکمیل ۸۵۱ء میں ہوئی، اور تمام مورخین جنھوں نے اس کتاب کا بہ غور مطالعہ کیا ہے، اس تاریخ کی صحت پر متفق ہیں۔ اس کا دوسرا حصّہ سلیمان کا ہم عصر ابوزید الحسن السیرافی کے قلم سے ہے۔ یہ پہلا سیاحت نامہ ہے جو عربی زبان میں لکھا گیا، اور جس سے یورپ والوں کو آٹھویں نویں صدی میں چین و عرب کے تجارتی تعلقات کا علم ہوا۔ اس کتاب کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں آبے رینا ندو (ABBE RENANDOT) کے قلم سے ۱۷۱۸ء میں ہوا۔ اکثر علمائے یورپ کی رائے میں یہ عربی زبان کا پہلا اور سب سے قدیم سیاحت نامہ اور جغرافی نوشتہ ہے، جسے زمانے نے خراب نہیں کیا بلکہ صحیح سالم محفوظ رکھا۔ اور چوں کہ اس کتاب سے اہلِ یورپ کو آٹھویں اور نویں عیسوی کے چین و عرب کے تعلقات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ اس کی عربی اصلیت کا انکار کرتے ہیں اور فرانسیسی

مترجم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ اس نے ایک ناقابل معاف ادبی جرم کا ارتکاب کیا۔ ان مفکرین کی رائے ہے کہ رینادو نے خود اس کتاب کو وضع کیا ہے[1] اور اسے سلیمان سیرافی سے منسوب کر دیا۔ اس بنا پر کہ رینادو نے اپنے ترجمہ نسخے میں اصلی نسخے کا ذکر نہیں کیا، یا یہ کہ اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔ سر ایلیوت (S. ELLIOT) رینادو کی طرف سے یہ صفائی پیش کرتے ہیں کہ زمانہ منصف ہے اور وہ اُس پر ظلم نہیں کرتا جس نے کوئی اچھا کام کیا ہو۔ اس نے لوگوں کو دکھا دیا کہ رینادو، سلسلۃ التواریخ کا مترجم، مذکورہ تہمت سے بالکل بری تھا، کیوں کہ اصلی نسخہ جس سے رینادو نے ترجمہ کیا۔ گولبرت (GOLBERT) کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔ پھر یہ فرانس کے شاہی کتب خانے میں آیا، جہاں ۱۷۶۴ء میں ایک بڑے عالم دی جینہ (DE GUIGNES) نامی نے آکر اس کی تحقیق کی اور رسالۂ ایشیا کی ۳۳ ویں جلد میں کئی مفید اور تنقیدی مضامین لکھے۔

سلیمان سیرافی اپنی کتاب میں بیان کرتا ہے کہ اہلِ ہند اور چین اس بات میں متفق ہیں کہ دنیائے معروف میں اس وقت چار بڑے بادشاہ تھے اور مانتے ہیں کہ بادشاہ عرب (یعنی خلیفۂ بغداد) سب سے بڑا ہے، کیوں کہ اوّلاً اس کے پاس بے حد دولت تھی، ثانیاً اس کے عالی شان قصر اور محل، ثالثاً اس کی فوجی قوت بڑی قوت اور ہیبت والی تھی۔ ان کے علاوہ وہ ایسے مذہب کا سردار تھا جس کی نظیر دنیا میں نہیں تھی۔

---

[1] S. ELLIOT: HISTORY OF INDIA, VOL I. P. 3.

عظمت اور شوکت کے لحاظ سے انھوں نے بادشاہ چین کو دوسرے درجے پر رکھا تھا، پھر بادشاہ یونان کو، پھر بادشا بلھرا کو سلیمان نے ان باتوں کے علاوہ، بحری سفر کے حالات، بحری تجارت، تجارتی اشیا کے نام، خلیج فارس، سواحل ہند اور جنوب چین کی بندرگاہیں، اور چینیوں کے نظام حکومت اور رسم و عادات وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ہم اپنی اپنی جگہ پر ان سے استشہاد کریں گے۔

(۳) ابو زید الحسن سیرافی :۔ سلسلۃ التواریخ کا دوسرا حصّہ سلیمان کا نہیں بلکہ زید الحسن السیرافی کا ہے۔ اس میں آپ کو سلیمان کے اقوال کی جو پہلے حصّے میں چین کے متعلق آئے ہیں، تصدیق ملتی ہے۔ مگر وہ لکھتا ہے کہ سلیمان کا یہ قول کہ چینیوں میں یہ عادت ہے کہ مُردوں کو کھانا دیا جاتا ہے، رات کو میّت کے پاس کھانے رکھ دیے جاتے ہیں، اور جب کہ صبح ہوتی ہے تو کھانے غائب پانے پر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ مُردوں نے اسے کھا لیا۔ اس قول کی کوئی اصلیت نہیں۔

ابو زید اگرچہ خود چین نہیں گیا جیسا کہ اپنی کتاب میں صاف اعتراف کرتا ہے۔ تاہم اس نے یہ اپنا فرض سمجھا کہ ہند و چین کے متعلق سلیمان سیرافی نے جو کچھ لکھا ہے، اس کو مکمل کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے بہت سے لوگوں سے جو چین و ہند کا سفر کر چکے تھے وہاں کے حالات دریافت کیے اور اپنی کتاب میں ایسی معلومات جمع کیں جو چین کی تاریخ اسلام کی حیثیت سے بہت مفید ثابت ہوئی۔ ابو زید ہی پہلا شخص ہے جس نے وہب ابن الاسود کا مجمل سا ذکر کیا اور یہ کہ چین کے پایۂ تخت "حمدان" جا کر اسلام کے متعلق بادشاہ چین

سے اس کی خوب گفتگو ہوئی۔ اس کی سند پر جب کہ بعد میں مسعودی نے "مروج الذہب" لکھی تو اس نے بھی اس خبر کو اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ ہمارے معاصر صاحب العطوفۃ الامیر شکیب ارسلان کو غالباً ابوزید کی کتاب سے آگہی نہ تھی۔ اس لیے آپ نے اس خبر کی اصلیت مسعودی کی طرف منسوب کر دی جب کہ آپ نے حاضر العالم الاسلامی کی تالیفات میں اسلام در چین کے بارے میں اپنے قلم کا گھوڑا دوڑایا[1]۔ چین میں جو تغیرات سنہ ۲۶۴ء میں ظہور پزیر ہوئے اس کا ذکر مع اسباب کے ابوزید نے بھی کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ابن الاثیر کی تاریخ الکامل کے ساتویں حصے میں جو باتیں چین کے متعلق ہیں، وہ ابوزید سے لی گئی ہیں اور بعد میں جو لوگ آئے انھوں نے ابوزید کو چھوڑ کر ابن الاثیر کی سند لی۔

سلیمان تو ایک تاجر محض تھا وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ علمی قواعد کے مطابق کچھ لکھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اس کی کتاب میں سوائے مشاہدات بسیطہ اور معلومات مجردہ کے اور کچھ علمی بحث نہیں پائیں گے لیکن جو کچھ لکھا حقائق اور تجارب پر مبنی تھا۔ اور محققین کی نظر میں یہی اس کی اصلی اہمیت اور قیمت ہے۔ ابوزید نے جو کچھ معلومات میں اضافہ کیا، وہ تاریخی اور علم کی حیثیت کے اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہب ابن الاسود کی مہم یعنی تیسری صدی ہجری میں چین کے مالک کو اسلام کے متعلق کیا علم تھا اور اس کی طرف اس کی روش کیا تھی[2]۔

---

[1] حاضر العالم الاسلامی۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۳ [2] ملاحظہ ہو سلسلۃ التواریخ کا جزء ثانی۔

علمائے یورپ سب اس پر متفق ہیں کہ سلسلۃ التواریخ عربی زبان کی ان اہم کتابوں میں سے ہے جس کا مطالعہ کرنا طلبا کے لیے لازم ہے جو چین و عرب کے تعلقات کی تحقیق اور اس موضوع پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں ممالک ایشیا کے باہمی تعلقات کا مطالعہ کرنے میں جیسے البیرونی اور مسعودی کی کتابوں کو اہمیت حاصل ہے، وہی اہمیت اس کتاب کو حاصل ہے۔ اور آیندہ باب میں آپ اس کے بہت سے اقوال دیکھیں گے۔

(۴) الیعقوبی:۔ یہ ابوزید الحسن سیرانی کے ہم عصروں میں سے احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب وادیہ جو اب یعقوبی کے نام سے علم کی دنیا میں مشہور ہے، آل عباس سے تھا اور خراسان کے خاندان طاہریہ سے اس کا تعلق بھی تھا۔ اس نے ہندستان، مصر، اور مغرب اقصیٰ کا سفر کیا اور بنی عباس کی تاریخ لکھی۔ یہ کتاب استاد فراند کی رائے میں تاریخ عالم کا خلاصہ تھا۔ اس کی تکمیل ۸۷۲ء میں دو حصوں میں ہوئی۔

یعقوبی نے اپنی کتاب میں سیراف سے چین جانے تک کے راستے کا ذکر کیا ہے اور اس نقطہ میں اس کا بیان ابن خردازبہ کے بیان سے کچھ مختلف نظر آتا ہے۔ یعقوبی کا قول ہے کہ چین ایک بہت بڑا ملک ہے، اگر کوئی بحری راستے سے وہاں جانے کا ارادہ کرے تو اس کو سات سمندروں سے گزر کر جانا پڑے گا۔ اور یہ سات سمندروں میں سے ہر ایک دوسرے سے، رنگت، ہوا اور موجوں کے لحاظ سے متغائر ہے۔ پہلا سمندر، بحر فارس کہلاتا ہے، اس میں بحری سفر

کی ابتدا اسیراف سے شروع ہوتی ہے اور راس جمجمہ تک اس سمندر کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ راس جمجمہ ایک دریائی درّہ ہے جہاں سے موتی نکالے جاتے ہیں۔ دوسرا سمندر راس راس جمجمہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس میں جزائر وقواق بھی ہیں[1]۔ ان کے باشندے زنجی نسل سے ہیں، ان کے نظم و نسق کے لیے اپنے حکمراں ہیں۔ اس سمندر میں عجیب و غریب چیزیں ملتی ہیں۔ تیسرا سمندر ہرکند کے نام سے مشہور ہے جس میں جزائر سرندیب ہیں۔ سرندیب میں موتی اور جواہرات خوب ہوتے ہیں، یہاں گنّے اور گلاب بھی خوب ملتے ہیں۔ چوتھا سمندر کلاہ بار ہے جس میں پانی کم اور اژدھے کثرت سے ہوتے ہیں کافور کے درخت بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ پانچواں سلاہت کا سمندر ہے۔ یہ عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔ پھر کندرنج کا سمندر اور اس کے بعد سمندر صنخی (یہ چین کے جغرافیے میں چان ہائی کے نام سے موسوم ہے) جہاں پر ایک دوسرا دریا گنجلی آ ملتا ہے۔ یہ چین کا سمندر ہے جہاں سے ایک بڑے دریا کے دہانے تک جا سکتے ہیں۔ اور وہاں سے شہر "خانفو" تک جانے کا راستہ ہے۔ اس دریا کے کنارے چینی حکومت نے اپنی فوجی چوکیاں بنا رکھی ہیں۔ اور یہاں سے چین معمورہ کی حدود شروع ہیں۔ "خانفو" ایک بڑا بندرگاہ ہے، مسلمان جہازی برابر وہاں آیا جایا کرتے ہیں۔

ابن خرداذبہ نے جس نے یعقوبی سے کوئی ۲۴ سال پہلے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور وقواق ہے جس کا ذکر ابن خرداذبہ کی کتاب میں نہیں کیوں کہ وہ تو چین کے انتہائی مشرق پر واقع ہے۔

اپنی کتاب لکھی تھی، ان سات سمندروں کے نام نہیں لیے۔ اس نے چین تک جانے کا راستہ جو بتایا وہ یہ تھا کہ بصرہ سے شروع ہو کر سواحل فارس کے کنارے ہوتے ہوئے مابط، اور مابط سے بائیں طرف تیموتہ اور بعض نسخوں میں "تیوتہ" پہنچتا ہے۔ تیموتہ میں عود ہندی اور کافور کی خاص تجارت ہے، اور وہاں سے قمار تک پانچ روز ہیں اور قمار سے صنف[1] تین روز میں پہنچتے ہیں۔ اور صنف سے لوقین (موجودہ تونکین (TON KIN) تک جو چین کی پہلی بندرگاہ ہے۔ دونوں کی مسافت خشکی اور دریائی راستے میں کوئی سو فرسخ ہوتے ہیں۔ لوقین سے خانفو تک چار روز میں دریائی راستے سے اور بیس روز میں خشکی کے راستے سے۔ خانفو، چین کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ وہاں سے آٹھ روز میں خانجو (HANG CHOW) پہنچ سکتے ہیں۔ اس شہر میں وہ تمام چیزیں ملتی ہیں جو شہر خانفو میں ہیں۔ چین کی ہر بندرگاہ میں دریا ہے جس سے کشتیاں آتی جاتی ہیں اور اس میں مد و جزر بھی ہوتا ہے۔

ان دو قول کا مقابلہ کرنے سے ہم کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ یعقوبی نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ سمندروں کے لحاظ سے اور ابن خرداذبہ نے شہروں اور بندرگاہوں کے لحاظ سے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو یعقوبی کے بیان میں ان شہروں کے نام نہیں ملتے جو سواحل ہند اور جاوہ پر ہیں جس طرح ہم کو ابن خرداذبہ کے بیان میں سمندروں کے نام نہیں ملتے۔ اس اختلاف کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں اس پر متفق

---

[1] یہ "صنف" غالباً یعقوبی کی "صنجی" ہے، یا اس کے کنارے پر کوئی شہر ہوگا۔

ہیں کہ " خانفو " چین کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی جہاں عرب اور ایران کے سوداگر جمع ہوتے تھے جن کی وجہ سے وہاں کی رونق اور عظمت بڑھ گئی تھی۔

(۵) ابن الفقیہ :- ابوبکر بن محمد بن اسحاق الفقیہ الہمذانی خاص ذکر کے مستحق ہیں، کیوں کہ یہ اسلام کے ان علما میں سے تھے جو دسویں صدی مسیحی کے شروع میں گزرے۔ ہمارے موضوع سے متعلق اس کی کتاب البلدان جو اس نے ۹۰۲ء میں تالیف کی، یہ ٹھیک ہے کہ اس نے کوئی نئی بات نہیں لکھی، لیکن کتاب میں چین و عرب کے تعلقات ان باتوں کی تصدیق اور تائید ملتی ہے جو ابن خرداذبہ، سلیمان اور یعقوبی کی تصنیفوں میں ذکر ہوا ہے۔ پھر اس کے بیان اور اس کے سالفین کے بیان میں ایک بین فرق یہ ہے کہ ابن خرداذبہ نے صرف ایک جزیرہ کا جو وقواق کے نام سے موسوم ہے، ذکر کیا۔ اور اسی طرح یعقوبی نے بھی۔ اس جزیرہ وقواق سے مراد جیسے کہ ابن خرداذبہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے، جزیرۂ جاپان ہے، کیوں کہ یہی جزیرہ چین کے مشرق میں واقع ہے، اور یعقوبی کے قول کے مطابق وہ راس الجمجمہ اور جزیرۂ ہرکند کے درمیان کوئی جزیرہ ہے۔ لیکن اگر ہم کتاب البلدان پر نظر ڈالیں تو ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ ابن الفقیہ نے دو ایسے جزیروں کا ذکر کیا ہے، جو وقواق کے نام سے موسوم ہیں، ایک تو چین کے پیچھے، اس سے صاف جزیرۂ جاپان سے مراد ہے، جیساکہ ابن خرداذبہ کی کتاب میں آیا ہے۔ اور دوسرا جو ابن الفقیہ کے اصطلاح میں وقواق المتوسط کے نام سے پکارا جاتا ہے جس میں معمولی درجے کا سونا پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد یا تو مدغاسکر

ہو، یا خلیج فارس اور ملابار کے درمیان لکادیپ مال دیپ یا بحرِ ہند کے وسط میں کوئی اور جزیرہ ہو۔ بحرِ ہند کے بیانات میں وہ کہتا ہو کہ وہ ایک بڑا سمندر ہو، بحرِ قلزم تک جا ملتا ہو اور وادیٔ قری سے ہوکر بربرہ اور عمان کے ساتھ بھی ملا ہُوا ہو، اس کے ساحل سے دیبل اور ملتان تک جا سکتے ہیں اور وہاں سے خشکی کے راستے سے صنف کے پہاڑ اور چین تک جانے کا راستہ ہو۔

ایک دوسرا فرق یہ ہو کہ ابن فقیہ کے مطابق اگر کوئی چین یا عدن یا سلاہت کا سفر کرنا چاہیے، تو اس کو مغرب، یمامہ اور عمان کے راستے سے جانا پڑے گا، اور اگر وہ سندھ جانا چاہتا ہو، تو خلیج فارس اور سیراف سے ہوکر۔

ابن فقیہ نے "ابواب چین" کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہو صاف ظاہر ہو کہ سلیمان السیرافی سے نقل کیا ہو۔ استاد فراند نے اپنی کتاب "تعلقاتِ سفر" (RELATIONS DES LOUAGES) میں اس کے متعلق خاص طور پر بحث کی ہو اور دونوں کی عبارات کا مقارنہ بھی کیا ہو۔ دونوں میں بجز دو ایک لفظوں کے کوئی اور فرق نہیں پایا۔ سلیمان سیرافی کی عبارت یہ ہو:۔

"من صندرفولات الی ابواب الصین وھی جبال فی البحر بین کل جبلین فرجة تمر فیھا المراکب۔ فاذا اسلم اللّٰہ من صندرفولات خطف المراکب الی الصین فی شھر۔ الا ان الجبال التی تمر بھا المراکب مسیرۃ سبعة ایام۔ فاذا جازت السفینه الابواب ودخلت الخور، صارت الی ماء عذب۔ الی الموضع الذی ترسیٰ الیه من بلاد الصین وھو خانفو۔"

ترجمہ: صندر فولات سے ابواب چین تک، ابواب چین سے وہ پہاڑ مراد ہیں جو سمندر کے درمیان واقع ہیں اور ہر دو پہاڑوں کے درمیان ایک گزرگاہ ہے جس میں سے کشتیاں گزرتی تھیں۔ اگر خدا نے کشتیوں کو صندر فولات سے بچایا تو ایک مہینے کے اندر پہنچ جاتی ہیں۔ مگر وہ پہاڑ جن سے ہو کر کشتیاں جاتی ہیں ان کی مسافت ایک ہفتہ کی ہے۔ اگر کشتیاں ان دروں سے گزر کر خلیج میں داخل ہوتی ہیں تو وہاں میٹھا پانی ملتا ہے، اور پھر وہ چین کی اس جگہ تک آسانی کے ساتھ جا سکتی ہیں، جہاں کشتیوں کا لنگر ڈالا جاتا ہے، یعنی خانفو۔[1]

لفظ خانفو کے بعد ابن فقیہ نے مزید یہ لکھا کہ اس کے دریا میں دن رات دو مرتبہ مدّ و جزر ہوتا ہے اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ چین کے عمدہ سے عمدہ اور اچھے سے اچھا مال عراقی تجار یہیں سے مہیّا کرتے ہیں۔

اور جو کچھ اس نے اہلِ ہند و چین کی عادات کا فرق بتایا ہے وہ بھی سلیمان سیرانی سے نقل کیا ہے، لیکن چین کے کاری گر اور اعلا مصنوعات کے متعلق جو بات اس نے کہی ہے وہ اس کی معلومات خاص ہیں جو چینی صناعات کی بابت ہیں۔ عربی کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اسلام میں سے ابن فقیہ ہی پہلا شخص ہے جس نے چینی دست کاروں کا ذکر کیا اور بعد مؤلف اس سے نقل کرتے رہے۔

(۶) ابن رستہ (۲-۹۰۲):- ابن فقیہ کا ہم عصر ابن رستہ بھی

---

[1] DERRAND RELATIONS DES VOUAGES VOD. P. 56

ہے اور اس کا پورا نام ابو علی احمد بن عمر بن رستہ ہے۔ اس نے ایک کتاب ۹۰۳ھ میں "العلقۃ النفیسۃ" کے نام سے لکھی۔ اور اس کا ساتواں حصّہ جغرافیہ کے بیان میں ہے، اس کا ایک نسخہ لندن کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس حصے کو ایک بڑے مستشرق دی گوژ DE GOEGE نامی نے شہر لیدن (LEIDEN) میں ۱۸۹۲ء میں شائع کیا۔ ابن رستہ کا قول ہے کہ جو چین کا سفر کرنا چاہتا ہے، اس کو بحر ہند کے مشرقی حصے کو پار کرنا پڑتا ہے[1] اور جو کچھ ملک "سیلا" کے متعلق ہے وہ بلا شبہ ابن خردادبہ سے نقل کیا گیا ہے۔

(۷) المسعودی:- اس سلسلے میں ہم کو ہرگز مسعودی کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ یہ عالم جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، نویں صدی مسیحی کے آخر میں مقام بغداد پیدا ہوا، وہ ایک بڑا فاضل، بڑا سیاح اور علامۂ زمانہ تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے کوئی ۲۵ سال ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور ان کے رسم و رواج کے مطالعے میں صرف کی۔ اس کی علمی تحقیقات اور ذاتی مشاہدات کتابوں کی صورت میں مدوّن ہیں جو بڑے قیمتی اور لاجواب ہیں۔ اس کی کتابوں میں جو سب سے زیادہ مشہور اور اس وقت میسر ہے وہ "مروج الذہب و معدن الجوہر" ہے۔ اس کتاب کی مختلف سنین اور شہروں سے کئی نسخے طبع ہوئے اور یورپی اور ہندستانی نسخے بہ کثرت مل سکتے ہیں اور نفح الطیب کے حواشی میں بھی یہ کتاب چھاپی گئی ہے۔

مسعودی نے چین کے متعلق بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ جن میں سے

---

[1] ISNOUD: VOL I. P. 69

وہب بن الاسود کے چین کا سفر ہے۔ اس نے اس خبر کو ابوزید الحسن السیرافی سے نقل کیا جس سے ۳۰۳ھ (۹۱۶ء) میں اس کی ملاقات بصرہ میں ہوئی ان اخباروں میں سے یہ بھی ہے کہ بادشاہ چین نے انوشیرواں کو ایک دوستی نامہ بھیجا تھا، اور یہ بھی کہ چین کا ایک وفد خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا۔ ان کے علاوہ مسعودی نے اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً: مذہب اور عبادات میں چینیوں کے مراسم۔ ان کے بادشاہوں کے اوصاف و اخلاق، چین کی کشتیاں عمان اور سیراف میں، چین کے دریا اور مشکی ہرن۔ غرض کہ مسعودی نے مروج الذہب میں جو کچھ چین کے متعلق بیان کیا ہے، خواہ اپنے مشاہدات کی بنا پر ہو، یا کسی اور سے نقل کیا ہو، بڑی علمی قیمت رکھتے ہیں۔ عام علما نے اس کی کتاب کی اہمیت کا اعتراف کیا اور جب کہ وہ چین اور ممالک مشرقیہ کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو بہت سی باتوں میں مسعودی کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اس کے اقوال سے شہادت لیتے ہیں۔ ہم بھی آیندہ باب میں اس کی طرف رجوع کریں گے جہاں ہم کو چین کے متعلق عربوں کی معلومات کے موضوع پر بحث کرنا ہے۔

(۸) ابودلف الینبوعی (۹۴۰ء): - مسعودی کے بعد جس نے چین کے متعلق کچھ لکھا ہے وہ ابودلف الینبوعی تھا۔ یہ دسویں صدی عیسوی کا مشہور عربی شاعر تھا جو ابودلف مصعار بن مہلہل کے نام سے تاریخ ادبیات عرب میں یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا اصلی وطن ساحل بحر قلزم کا ایک شہر ینبوع ہے۔ نوجوانی کے زمانے میں خراسان کا سفر کیا اور آل سامان کی خدمت میں رہا۔ خراسان سے چین کا سفر بھی کیا، اس

نے اپنے مشاہدات کو "عجائب البلاد" میں مدون کیا۔ استاذ فرانہ کا قول ہے کہ یہ کتاب پہلی دفعہ جرمنی ترجمے کے ساتھ ۱۸۴۵ء میں شائع کرکے قزوینی کے "عجائب المخلوقات" سے ملحق کردی گئی۔ اس بیان کے مطابق خیال ہوتا ہے کہ جرمنی میں اس کا کوئی قلمی نسخہ ہوگا۔ مگر یاقوت، قزوینی اور ابن ندیم کی تصنیفوں میں ہم کو اس کے کافی اقتباسات ملتے ہیں اور خاص کر قزوینی نے ابودلف کی کتاب سے بے حد فائدہ اٹھایا حتیٰ کہ استاذ ایلبوت (ELBOT) یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ قزوینی نے اپنی کتاب "عجائب المخلوقات" کے لکھنے میں ابودلف کی عجائب البلاد سے بہت کچھ اقتباس کیا ہے۔ یاقوت نے ابودلف سے ترکستان کے حالات اور ابودلف کے چین کا سفر کے حالات نقل کیے ہیں۔ یہ مصنف سفر بن احمد السلطان السامانی المتوفی ۹۴۳ء کے سفیر کے حیثیت سے چین کے دربار میں حاضر ہوا تھا اور اس سفارت کا مقصد ایک چینی شہزادی کا ایک سامانی امیر سے پیوند طلب کرنا تھا، جس کا ذکر ہم آیندہ باب میں کریں گے اور ابن ندیم کی فہرست میں جو باتیں ابودلف سے منقول ہیں وہ بھی کسی اور جگہ آپ دیکھ لیں گے۔

(۹) الادریسی :۔ دنیائے علم کی ممتاز شخصیات میں سے ابوعبداللہ محمد بن الادریسی کی ہستی بھی تھی جس کی پیدائش سبطہ (مراکش) میں ۴۹۳ھ میں ہوئی اور انتقال ۵۶۰ھ میں۔ ادریسی نے یورپ کے بعض ممالک کا سفر کیا اور آخر جزیرہ صقلیہ آکر وہیں آباد ہوگیا۔ صقلیہ میں اس نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق" لکھی۔ اس کتاب کی علمی اہمیت کس پر مخفی نہیں اور خاص کر ممالک اسلامیہ اور

مشرقیہ کے جغرافیہ میں یہ ایک غیر فانی کارنامہ ہو جو اس کے ہاتھ سے گیارھویں صدی مسیحی میں مکمل ہوئی۔ لیکن یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسلمانوں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی اور انھوں نے اس کی کوشش نہیں کی کہ اس کتاب کا کوئی نسخہ جو اغلاط سے پاک اور جدید جغرافی اصطلاحات اور اسمار سے مقابلہ کرکے، مشتاقانِ علم کے لیے ہو، تیار کی جائے۔ اس کے برخلاف علماء یورپ نے اس کتاب کی علمی قیمت مدنظر رکھ کر افادہ اور استفادہ دونوں کے لیے اسے اپنی اپنی زبان میں منتقل کیا اور استاد یانبر (PROF GANBERE) نے اسے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے پیرس میں ۱۸۳۶ اور ۱۸۴۰ء کے درمیان شائع کیا۔

ادریسی ایک عجیب عالم تھا اس حیثیت سے کہ وہ اس زمانۂ بعید میں چین کے شہروں اور ان کے درمیان کی مسافت ایک دوسرے تک جانے کے راستے، ترکوں کے حالات، ان کی تجارت چینیوں کے ساتھ اور دادرسی کے طریقے اس تفصیل سے صقلیہ میں بیٹھ کر لکھ گیا، حیرت ہوتی ہو۔ اس نے چین کا سفر نہیں کیا تھا اور نہ اس کے ہمسایہ ممالک کا۔ خدا ہی کو معلوم ہو کہ یہ سب معلومات اس کو کیوں کر میسر ہوئی، مگر قیاساً ہم کو خیال ہوتا ہو کہ اس نے پرانی تصانیف سے اقتباس کیا ہوگا، اور بہت سی باتیں جو کسی اور کی تالیف میں نہیں ملتی تھیں، ان لوگوں سے دریافت کرکے حاصل کی ہوں گی، جو تجارت کے واسطے چین کا سفر کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوزید الحسن نے نویں صدی میں یہی کیا تھا کیوں کہ اس طریقے سے چین کے متعلق معلومات حاصل کرنا غیر ممکن

نہ تھا، جب کہ اس وقت اندلس اور مغرب کے سوداگر برابر چین جایا کرتے تھے اور وہاں کے حالات سے خوب واقف تھے۔ اس کی شہادت ہمیں ابن ندیم کی فہرست میں ملتی ہے۔ اس نے ایک او۔ مولف سے نقل کرکے یہ بیان کیا ہے کہ اندلس کے چین کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے اور اس کے تجار عرب اور ایرانی مسلم سوداگروں کے ساتھ وہاں جایا کرتے تھے۔

عرب مصنفوں میں سے جس نے سب سے پہلے اہل اندلس کے چین جانے کا ذکر کیا ہے وہ ابودلف الینبوعی تھا، اور ابن ندیم کا قول اس بارے میں ابودلف سے منقول ہے۔[۵]

(۱۰) الغرناطی:- اس میں کوئی شک نہیں کہ ادریسی کا نام علمائے اسلام کی زبانوں میں ہر وقت جاری اور ساری ہے اور اسے مفاخر عرب اور اسلام کا ایک رکن سمجھا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ادریسی کا درجہ علمی دنیا میں بیرونی، ابن الاثیر، مسعودی، ابن بطوطہ اور ابن خلدون جیسے نام ور بزرگوں سے کم نہیں۔ مگر کون ہے جو محمد بن عبدالرحمان بن سلیمان بن الربیع الغرناطی الاندلسی کو پوچھتا ہے؟ وہ ادریسی کا ہم عصر تھا۔ اس عالم نے اگرچہ علم کی دنیا میں ایک جلیل القدر کتاب اس موضوع میں جس سے ادریسی کو شغف تھا، ہمارے لیے چھوڑی، مگر اس کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں اور ادریسی کی شہرت کے مقابلے میں اس کی ہستی بالکل ہیچ ہے۔

بالکل اتفاق کی بات ہے کہ مجھ کو اس کی کتاب کا مطالعہ کرنے کا شرف نصیب ہوا۔ جس وقت میں مصر کے کتب خانے میں اپنے موضوع کی کتاب تلاش کر رہا تھا تو اس کی فہرست میں ایک کتاب "جغرافیہ المامون"

---

[۵] الفہرست صد ۹۱ م

کے نام سے مجھے نظر آئی، یہ علامہ شنقیطی کے مجموعے میں سے تھی۔ میں نے کتب خانے سے نکلوایا تو مغربی خط میں لکھی ہوئی پائی۔ اس قلمی نسخے پر ایک عالم احمد محمد الاقدمی نے جس نے مجھ سے پہلے اس کا مطالعہ کیا تھا پہلے صفحے پر یہ لکھا: یہ قلمی نسخہ ایک بڑے غرناطی عالم کی تصنیف ہو جو چھٹی صدی ہجری کے شروع میں گزرا۔ اس کا نام محمد بن عبدالرحمان بن سلیمان بن الربیع الغرناطی الاندلسی ہو جس کا انتقال ۵۶۵ھ میں ہوا۔ اس کتاب کا اصلی نام اور ہو۔

موجودہ نسخہ جو دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہو دو جزوں میں منقسم ہو۔ اس کے پہلے جز میں چین کے بہت سے عجائب اور غرائب کا ذکر ہو۔ اس کتاب کے دیکھنے سے مجھ کو یہ یقین ہوا کہ ادریسی اور ابن بطوطہ کے علاوہ اور بہت سے اندلسی اور مغربی علما تھے جو چین کو خوب جانتے تھے اور جنھوں نے اسی موضوع پر ایسی کتابیں لکھی تھیں جو صحت کے لحاظ سے معتبر اور قابلِ قبول ہیں۔ غرناطی کی کتاب میں ملک چین کی وسعت، اس کے بادشاہ کی دادرسی، چین کی خاص دست کاری جیسا کہ فخار اور دیبا، اہلِ ہند کی طرح، چینیوں کی بدھ (بُت) پرستی، چینی برتنوں کی صناعت اور کاغذ کی دست کاری کے متعلق جو بیانات ہیں سب قابلِ قبول ہیں۔ معلوم ہوتا ہو کہ غرناطی نے دو طریقے سے چین کے متعلق معلومات حاصل کی۔ ایک تو قدیم کتابوں سے اور دوسرے یہ کہ ان لوگوں کی باتوں کو مدوّن کیا جو کسی مجلس میں خود لوگوں سے سُنی تھیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ اس کے مسموعات اس کے منقولات سے زیادہ ہیں کیوں کہ وہ خود یہ بیان کرتا ہو کہ: ۵۱۲ھ میں میں مصر میں

تھا، وہ وہاں شیخ ابی العباسی الحجازی سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو چین اور ہند میں کوئی چالیس سال رہ کر اب واپس آئے ہیں[1]۔ پہلے تو لوگ چین کے متعلق عجیب و غریب باتیں بیان کرتے رہے۔ میں نے اس سے کہا، یا اباعباس، دیکھو تو، تمھارے متعلق میں بہت باتیں سُن چکا ہوں۔ اور اب تم سے عجائب خلق اللہ کے متعلق خود کچھ سُننا چاہتا ہوں۔

شیخ امام ابو بکر محمد بن الولید الغری بھی حاضر تھا۔ ابو عباس نے کہا۔ میں نے تو بہت سی عجیب چیزیں دیکھی ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کا بیان کروں، کیوں کہ لوگ اسے یقین نہیں کریں گے بلکہ جھوٹ سمجھتے ہیں۔ شیخ امام ابوبکر نے کہا۔ جاہلوں کا حال یہی ہوگا۔ لیکن علما اور عقل مند جائز اور مستحیل کو خوب سمجھتے ہیں تم سناؤ تو۔

تب وہ ان غرائب اور عجائب کا بیان کرنے لگا جن کو اس نے چین اور ہند میں دیکھا تھا۔ ان غرائب میں سے پرندہ رُخ کا ذکر بھی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ایک تاجر چین جاکر ایک مدت تک وہاں مقیم رہا اور بعد میں بڑی ثروت اور دولت کے ساتھ اپنے وطن مغرب میں واپس ہوا۔ اس تاجر کے پاس رُخ کا ایک پر تھا جس میں ایک مشک پانی کی رکھی جاسکتی تھی۔ مجلس کے جو حاضرین تھے ان کو اس بات سے بڑی حیرت ہوئی۔ اس شخص کا نام عبدالرحیم "چینی" تھا "چینی" اس لیے کہ اس نے چین کا سفر کیا اور ایک مدت تک وہاں رہا[2]۔

---

[1] الغرناطی۔ جلد ۱۔ صـ ۳۶

[2] " " " صـ ۳۷

چوں کہ رُخ ان خیالی یا وہمی پرندوں میں سے تھا جن کا ذکر "الف لیلہ ولیلہ" اور جاحظ کی کتاب "الحیوان" میں کئی جگہ آیا ہے اور چوں کہ آج کل کے علما اس پرندے کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے، اس لیے ہم بھی اس پر اصرار نہیں کرتے کہ رُخ کوئی واقعی اور معروف پرندہ تھا جس کے اوصاف بالکل وہی تھے جو عربی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس سے قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غرناطی کی اور باتیں بھی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اور ہم کو اس سے تعجب نہ کرنا چاہیے کہ ایک مغربی تاجر کو لوگ "چینی چینی" کہہ کر پکارتے تھے۔ کیوں کہ یاقوت کی کتاب میں اور بہت سے نام ملیں گے۔ جن کے ساتھ اسی سبب کی بنا پر "چینی" کا لقب لگا ہوا ہے۔ ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اندلس اور ممالک مغرب کے چین کے ساتھ تعلقات تھے اور ان کے سوداگر کثرت سے چین جایا کرتے تھے اور جب واپس آتے تو دولت اور ثروت کے ساتھ چین کے متعلق جدید معلومات بھی لاتے تھے، علما ان سے سنتے تھے اور اپنی کتابوں میں درج کر دیتے تھے۔ ایک حد تک غرناطی نے ایسا ہی کیا۔ اس کا انتقال ادریسی سے صرف پانچ سال بعد کو ہوا ہے۔

(۱۱) یاقوت :- بارھویں صدی مسیحی کے ممتاز علما میں سے یاقوت کسی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں۔ یہ ۱۱۷۹ اور ۱۲۲۹ء کے درمیان گزرا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "معجم البلدان" کی زینت دینے میں ایک نیا مسلک اختیار کیا۔ یعنی حروف ابجد کی ترتیب سے شہروں کے نام اور ان کے احوال تحریر کیے۔ یہ طریقہ یاقوت بن عبد اللہ الرومی

ہی کی ایجاد ہے، اس علمی قاعدے سے ان لوگوں کے لیے بے حد آسانی ہوگئی جو اس کی کتاب سے کسی خاص بات کو معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ زمانہ حاضر کے علما یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ جس طریقے اور ترتیب سے یاقوت نے اپنے زمانے کے عالم اسلام کی فرہنگ لکھی تھی، وہ بالکل سائنٹیفک طریقہ تھا اور ہر شخص جو کسی خاص مسئلے پر قلم اٹھانا چاہے، اسے یاقوت کے علمی اصول کی تقلید کرنی چاہیے اور مطالعہ کرنے والے اس ترتیب سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں دشواری نہ پیش آئے۔ یہ بات یاقوت سے پہلے کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ ان سے قبل کے مصنفین نے اپنے مؤلفات میں اگرچہ بہت سے مفید اور قیمتی معلومات جمع کر رکھے ہیں مگر ان کی ترتیب کسی علمی قاعدے پر مبنی نہ تھی۔ بریں وجہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بحث کے اندر دوسرے مباحث کی باتیں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی آسان نہیں کہ ان کی کتابوں میں سے وہ خاص مبحث فوراً نکل آئے جس کی آپ کو ضرورت ہے۔ بلکہ اس کے نکالنے میں آپ کو اکثر حصوں کو پڑھنا پڑے گا تب آپ کو وہ باتیں ملیں گی، جن کی آپ کو تلاش ہے۔ لیکن یاقوت کی معجم البلدان کے مطالعے اور اس میں سے کسی خاص شے کے دریافت کرنے میں آپ کو یہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ آپ معجم البلدان کو اٹھالیں اور ایک منٹ کے اندر آپ وہ خاص لفظ نکال سکتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ لیجیے کہ آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ "چین" کے متعلق یاقوت نے کیا لکھا ہے، تو ص، ی، ن یعنی "الصین" کے مادہ میں آپ دیکھیے، اس سے فوراً آپ یاقوت کا قول معلوم کرلیں گے،

اور کسی الٹ پلٹ اور محنت کی ضرورت نہ ہوگی۔

معجم البلدان میں میرے موضوع سے متعلق یہی مادہ ہے، اور چین یاقوت کے قول کے مطابق اقلیم اوّل میں واقع ہے۔ اس کا طول مغرب سے مشرق تک ایک سو چونسٹھ[۱۲۴] درجہ اور تیس دقیقہ ہے۔ اس کے مطالعے سے یہ ظاہر ہے کہ یاقوت کے چین کی متعلق جو معلومات ہیں اپنے سابقین سے لئے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ معلومات ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اس حیثیت سے نئے معلوم ہوتے ہیں کہ اور کتابوں میں ان کا ذکر بہت کم اور منتشر صورت میں آتا ہے۔ اور ان لوگوں کے متعلق خبریں ہیں، جن کو لوگ "چینی چینی" کے لقب لگا کر پکارتے تھے، اور حالاں کہ وہ چین کے باشندے نہ تھے۔ پھر ابی دلف کے سند پر جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ترکستان، اس کی پیداوار، وہاں کے شہروں کے ایک دوسرے تک کی مسافت اور ابن السلطان نصر بن احمد کی ایک چینی شہزادی سے شادی۔ یہ سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ چین کی تجارت خشکی کے راستے سے ممالک اسلامیہ کے ساتھ باقاعدہ ہوا کرتی تھی، اس کی تائید اس زمانے کے علما ایران کی تصنیفوں سے مل سکتی ہے۔ ہم اس نقطے پر پھر آئیں گے جب کہ ہم تجارتی تعلقات کے باب میں بری تجارت کے متعلق بحث کریں گے۔

(۱۲) ابن بیطار:- یہ عالم نہ جغرافیہ داں تھا اور نہ تاریخ داں۔ اس کی مولفات میں آپ کو چین کی جغرافی حالات کا ذکر نہیں ملے گا لیکن بعض ادویات کا جو چین سے آتی تھیں۔ اس کا پورا نام عبداللہ ابن البیطار ہے، پیدائش غالباً ۵۹۷ھ/۱۱۹۷ء میں بہ مقام مالقہ ہوئی۔ یہ علم نباتات کا

ماہر تھا، اور صرف نباتات کے مطالعے اور تحقیق کی غرض سے اس نے مصر، یونان اور ایشیائے کوچک کا سفر کیا، اور اپنی تحقیقات کے نتائج کو سپردِ قلم کیا۔ استاد فراند اپنی کتاب "تعلقات سفر" میں بیان کرتا ہے کہ ابن البیطار ملک الکامل سلطان دمشق کی خدمت میں رئیس شعبہ نباتات کے عہدے پر رہا۔ جب کہ ملک کامل کا انتقال ہوا تو وہ قاہرہ کو لوٹا، مگر دمشق کو دوبارہ اس کا جانا ہوا۔ جب کہ ملک صالح نے اسے دوبارہ بلایا۔ اس نئے سلطان کے دربار میں بھی وہ معزز اور مکرم رہا۔ اس کا انتقال ۱۲۴۸ء میں بہ مقام دمشق ہوا۔

علم نباتات کی دنیا میں علمائے اسلام میں سب سے زیادہ شہرت غالباً ابن البیطار ہی کو حاصل ہے۔ اس نے نباتات کے متعلق دو اہم کتابیں "المغنی" اور "جامع المفردات" لکھیں اور دونوں کا المانی اور فرانسیسی ترجمہ موجود ہے۔ المانی ترجمہ استاد فون سوں تیمر (FON SON THEI MER) کے قلم سے ہے اور فرانسیسی ترجمہ استاد لیک لرک (LEC LERC) کے قلم سے۔ اس عالم نے جامع المفردات میں بہت سے ایسے نباتات کا ذکر کیا ہے جن کا اصلی وطن چین تھا مثلاً "بیش" "جزم" "تونیا" "راوند" وغیرہ۔ یہ سب چیزیں بعض امراض کے لیے بہت مفید ہیں۔ معلومات عرب کے ضمن میں ہم ان چیزوں کی طرف بھی اشارہ کریں گے

(۱۳) قزوینی (۱۲۰۳ - ۱۲۸۳ء) اس کا نام محمد ذکریا تھا، ۱۲۰۳ء میں آذربیجان کے شہر قزوین میں پیدا ہوا، یہ حضرت انسؓ بن مالک کے خاندان سے تھا۔ ۱۲۳۲ء میں دمشق آیا؛ جہاں ابن اعرابی سے

دوستی پیدا کی۔ سنہ ۱۲۸۲ء میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے دو کتابیں چھوڑی ہیں: آثار البلاد واخبار العباد، اور عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات۔ یہ تیرھویں صدی کا بڑا جغرافیہ داں تھا۔ اپنی دونوں کتابوں میں ان جزائر کا ذکر کرتا ہے جو بحر چین اور ہند میں ہیں ان جزائر میں سے ایک جزیرہ زنج بھی تھا، جو چین کے حدود کے قریب تھا، جس کا حکمراں "مہاراجا" کے لقب سے معروف تھا۔ اس جزیرہ کے متعلق اس نے زکریا الرازی، ابن فقیہ، اور ذکریا ابن یحییٰ سے بہت سی باتیں نقل کی ہیں۔

اس کے بعد جزیرۂ رامنی (سماٹرہ) کا ذکر کرتا ہے اور وہاں کے عجائبات کا بیان بھی کیا ہے۔ جس میں ہاتھی اور اژدھے شامل ہیں۔ ابن فقیہ اور ذکریا الرازی نے اس جزیرہ کے متعلق جو کچھ قزوینی نے اپنی کتاب میں نقل کیا۔ تعجب ہے کہ اس نے دقواق کو جاوہ کے قریب بتایا، یہ اس کے سالفین کے اقوال کے خلاف ہے کیوں کہ انھوں نے جزیرہ دقواق کا محل وقوع چین کے مشرق میں بتایا تھا۔ قزوینی نے بحر چین کے جزائر میں، جزیرہ "النیان" (HAI NAN) اور جزیرہ "الطوان" (TAI WAN)[1] کا ذکر بھی کیا ہے۔ جزیرہ سیلا کے متعلق جو بیان ہے وہ پہلی تصانیف سے منقول ہے۔ مگر قزوینی

---

[1] تائی وان سے مراد موجودہ فارموسا (FOR MUSA) ہے جو جاپان کے ماتحت تھا۔ ایک چینی مصنف جو یوکوا کے قول کے مطابق بارھویں صدی میں گزرا ہے۔ یہ جزیرہ ایک عرب کا انکشاف کردہ ہے۔ اس منکشف کا نام غالباً نعمان ہوگا جو چینی زبان میں "ہومان" کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔

CHOS IN KUS
P.2.73

نے کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ نئی بات بھی تحریر ہے کہ سیلا کے حکمراں اور بادشاہ چین کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا تھا۔ پھر ان عجیب وغریب چیزوں کا بیان ہے جو بحر چین میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیل آپ کو عجائب المخلوقات میں ملے گی۔ استاد فراند نے بھی "تعلقاتِ سفر" میں قزوینی سے کچھ نقل کیا ہے۔[۵۱]

(۱۴) ابن سعید:۔ ابوالحسن علی بن سعید، ایک روایت کے مطابق ۱۲۰۸ء میں غرناطہ کے ایک گاؤں یحصوب میں پیدا ہوا اور دوسری روایت کے مطابق ۱۲۱۴ء میں، اور اشبیلیہ میں اس کی تعلیم ہوئی۔ ۱۲۴۱ء میں وہ اپنے والد کے ساتھ مکہ شریف جارہا تھا کہ اسکندریہ پہنچ کر اس کے والد کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ مکہ نہیں جاسکا، اور قاہرہ آکر مقیم ہوا۔ بعد میں بغداد کا سفر کیا اور وہاں کوئی بارہ سال تک رہا۔ پھر دمشق کے راستے سے وطن کی طرف واپس آیا۔ واپس آتے وقت مکہ شریف کی زیارت کی اور بعد میں مغرب پہنچ کر تونس کے والی، امیر ابی عبداللہ المستنصر باللہ کی خدمت میں تھوڑے دن تک رہا (۱۲۵۴ء)۔ پھر رختِ سفر باندھ کر مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس مرتبہ اس کا قصد تھا کہ بغداد جاکر ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہو۔ مگر ارمینہ پہنچ کر وہاں کے امیر نے اسے بغداد نہیں جانے دیا، بلکہ اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ آخر تونس واپس آتے وقت سیوطی اور مقری کی روایت کے مطابق ۱۲۸۶ء میں اس کا انتقال دمشق میں ہوا۔

---

۵۱ FENAUD: VOL II. 302-303

فرانس کے ایک عالم فولر (FOLLER) نے بعض بکھرے ہوئے اوراق کو جو ابن سعید کی کتاب "المغرب" سے متعلق ہیں، جمع کر کے شائع کیا۔ ابن سعید کی ایک اور کتاب "بسط الارض" کے نام سے موسوم ہے، جس میں چین کے متعلق بہت سی باتیں ملتی ہیں۔ اس نے اپنے سلف کی طرح، شہر حمدان، لوقین، خانفو اور زیتون کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ کچھ مختلف ہے۔ علمائے سالفین نے ان شہروں کے نام کو دریاؤں کے ناموں سے کوئی نسبت نہیں بتائی۔ مگر ابن سعید نے یہ کہا کہ "حمدان" چین کا سب سے بڑا دریا ہے جس کے مشرقی کنارے پر شہر حمدان جو چین کا سب سے مشہور شہر ہے، واقع ہے۔ اور شہر زیتون جو تجار اور بحار عرب کے نزدیک بہت معروف ہے اور جہاں ان کی کشتیاں آتی ہیں، زیتون ندی پر کوئی پندرہ میل اندر واقع ہے۔ اسی طرح لوقین چین کا پانچواں دریا ہے جس کے کنارے شہر لوقین واقع ہے۔ یہ چین کی بندرگاہوں میں سے مشہور بندرگاہ ہے۔ لوقین کے شرق میں شہر حمدان ہے اور اس کے اوپر شہر خانفو واقع ہے جس کا ذکر عربی کتابوں میں اکثر آتا ہے۔

ابن سعید یہ بھی کہتا ہے کہ چینیوں کی شکل و صورت ختائیوں سے مشابہ ہے جن کا وطن بلاد ترک اور ہند کے درمیان ہے۔ فغفور جو چین کا بادشاہ ہے۔ شہر "ناجہ"[1] میں رہتا ہے اور شہر چین کلاں (صینیۃ الصین) پرانا پائے تخت تھا۔ ناجہ سے پہلے بادشاہ وہاں رہتا تھا۔

(۱۵) رشید الدین فضل اللہ (۱۳۱۵ء): تاریخ اسلام در چین کی تحقیق

---

[1] ادریسی نے اس شہر کا نام "باجہ" با کے ساتھ لکھا ہے، دیکھو نزہت المشتاق ص ۱۲۹

کے بارے میں رشید الدین فضل اللہ جیسی نام ور ہستی کو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔
یہ جامع اوصاف شخص عالم فاضل، طبیب، سیاست داں اور مورّخ، شہر ہمدان میں ۱۲۴۷ء میں پیدا ہوا، اس کا دادا موفق الدولہ نصیر الدین طوسی کا ہم عصر تھا اور ہلاکو نے فتح عراق کے بعد جو مغولی حکومت قائم کی اس میں سعد الدین کے ساتھ عہدۂ وزارت پر فائز رہا۔

رشید الدین فضل اللہ ایک درباری طبیب کی حیثیت سے، بڑے امتیاز اور اکرام کے مالک تھے، اور ہلاکو کا لڑکا اباقا جب کہ اس کی تخت نشینی ہوئی۔ رشید الدین کی بڑی تعظیم کرتا تھا، لیکن اس کی مختلف قابلیتیں عہد غازاں خاں سے پہلے جس کی تخت نشینی ۱۲۹۵ء میں ہوئی، بروئے کار نہ آئیں۔ غازاں خاں کی تخت نشینی کے تین سال بعد، جب کہ صدر جہاں صدر الدین زنجانی کا قتل ہوا، تو رشید الدین سعد الدین کے ساتھ وزارت کے عہدے پر فائز ہوا۔

شام پر فوج کشی کے سلسلے میں رشید الدین دبیر خاص کی حیثیت سے غازاں خاں کے ساتھ تھا۔

سلطان اولجائتو (خدا بندہ) کے عہدِ حکومت میں بھی رشید الدین کو وہی امتیازات ملے جو غازاں خاں کے عہد میں تھے۔ اس نے رشید الدین کو وزیر کے عہدے پر برقرار رکھا اور فضل و علم کی وجہ سے اولجائتو نہ صرف اس کا بڑا احترام کرتا بلکہ تقریباً ہر بات میں اس پر اعتماد کرتا تھا۔

خدا بندہ کی وفات کے بعد جب کہ ابو سعید کی تخت نشینی ہوئی تو رشید الدین کے حریف وزیر علی شاہ کا رسوخ بڑھا اور پرانی عداوت

کی بنا پر اس نے رشید الدین کو اس کے منصب سے ۱۳۱۷ء میں محروم کرایا، اور نو مہینے کے بعد اسے مع اس کے فرزند ابراہیم جس کی عمر سولہ سال سے متجاوز نہ تھی، قتل کرایا، اس عظیم الشان تہمت پر کہ اس نے سلطان اولجائیتو کو زہر دے کر مروایا ہے۔ رشید الدین کی تمام جائداد ضبط کی گئی، اس کے اقارب اور رشتہ دار سبھی پر ظلم کیے گئے، اور ان کے مال لوٹے گئے۔ رشید الدین کے خیراتی اوقاف تک مٹا دیے گئے۔ اور "ربع رشیدیہ" جن کے بنانے میں (تبریز کے قریب) رشید الدین نے ساٹھ ہزار دینار صرف کیے تھے۔ علی شاہ نے لٹوا دیا۔ اس طرح رشید الدین فضل اللہ زمانے سے گزرا۔ اور کسی نے اس پر کوئی مرثیہ نہیں پڑھا اور اس کے اعمال خیر نیست و نابود ہوئے مگر رشید الدین کا ایک علمی کارنامہ دنیا میں رہ گیا جس کو علی شاہ فنا نہیں کر سکا۔ یہ اس کی ہمیشہ باقی رہنے والی تصنیف "جامع التواریخ" ہے۔

غازاں خاں نے اپنے عہدِ حکومت میں رشید الدین کو یہ حکم دیا تھا کہ تاریخ مغول کی تدوین کرے۔ رشید الدین کو اگرچہ منصب وزارت کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی تھی مگر اس علمی مہم کے لیے کچھ ایسا وقت نکالا جس سے اس کے دوسرے کاموں میں خلل نہ پڑے۔ دولت شاہ کی روایت ہے کہ رشید الدین نے اپنی کتاب "جامع التواریخ" کو نماز فجر اور طلوع شمس کے درمیان تالیف کیا تھا۔

غازاں خاں کا انتقال کتاب کی تکمیل سے پہلے ۱۳۰۴ء میں ہوا، مگر اولجائیتو نے جو علم و فضل کا بڑا قدر دان تھا، رشید الدین کو اسے تکمیل تک پہنچانے کا حکم دیا اور اس کا انتساب غازاں خاں سے

جیساکہ تھا رہنے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کا پہلا حصہ تاریخ الغازانی کے نام سے مشہور ہے۔

اولجائتو نے، رشید الدین سے خواہش کی تھی کہ بلاد اسلام کے متعلق بھی ایک کتاب لکھے، اور اگر ہو سکے تو جغرافیہ پر ایک تیسری کتاب تیار کرے۔ آخر الذکر یا تو حوادث دہر میں فنا ہو گئی یا لکھنے کا قصد تھا، مگر عمل میں نہیں آیا۔ آج ہم کو رشید الدین کی لکھی ہوئی کتاب کے صرف دو جز ملتے ہیں، پہلا جز تاریخ مغول کے بارے میں، اور دوسرا جز تاریخ عام کے بارے میں، پروفیسر براؤن کی تحقیق کے مطابق دوسرے جز کی تکمیل سنہ ۱۳۱۰ء میں ہوئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ رشید الدین بہت سی زبانوں سے واقف تھا۔ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے علاوہ مغولی، چینی اور کشمیری زبانیں بھی جانتا تھا۔ اس ہفت زبانی کی بدولت اس کتاب کی تدوین میں بڑی آسانی ہوئی۔ تاریخ مغول کے موضوع پر یہ فارسی زبان میں بہترین اور سب سے جامع کتاب ہے اور علما تاریخ اور خصوصاً مستشرقین کے نزدیک جامع التواریخ ان اہم اور ضروری کتابوں میں سے ہے کہ تاریخِ ایشیا اور تاریخِ اسلام در چین کی تحقیق اور بحث میں ہرگز اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

اس کتاب کے قلمی نسخے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ پروفیسر براؤن کے قول کے مطابق پیرس کے شاہی کتب خانے میں ایک نسخہ ہے جس میں کئی تصویریں بھی ہیں جو مصنف کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہیں۔ اس کتاب کی پہلی اشاعت لیڈن میں ہوئی (سنہ ۱۹۱۵ء)۔ اور

استاد بلوشہ (BLOCHEH) نے فرانسیسی زبان میں ایک جامع اور مستقل مقدمہ لکھا جو مطبوعات گیب میموریل میں شامل ہے۔

اس کتاب کے مضامین مختصر طور پر یہ ہیں: قسم اول قبائل ترکیہ اور مغولیہ کے بیان میں، اور قسم ثانی چنگیز خاں، اس کے آباو اجداد اور اس کی اولاد و احفاد تا غازاں خاں۔

دوسرے جز کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں روئے زمین پر نوع انسان کے پھیلنے کا بیان ہے۔ پھر انبیا کا ذکر آتا ہے۔ اس جز کے قسم اول میں ملوک فارس قبل اسلام کا بیان ہے، اور قسم ثانی میں آنحضرت، خلفاء راشدین، خلفاء بنی امیہ و عباسیہ اور زوال بغداد کا ذکر ملتا ہے، پھر ان حکومتوں کا ذکر آتا ہے جو ایران اور افغانستان میں قائم ہوئیں۔ مثلاً خاندان غزنوی، خاندان سلجوق، خوارزم شاہ، آل بوئیہ، سقدیہ، اتابک، پھر اسماعیلیوں کا ذکر جو اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔ پھر اوغوز اور اس کے خاندان کا ذکر، پھر دیگر ترکوں کا ذکر جو سلجوقیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ پھر چینیوں کا ذکر، پھر یہود، افرنج اور ان کے بادشاہوں اور پوپ کا حال۔ پھر ہنود، گوتم بدھ اور اس کا مذہب۔

اس ملخص سے آپ نے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ کر لیا ہوگا، خصوصاً تاریخ اسلام کے اس حصے کے بارے میں جو ایران اور چین سے متعلق ہے۔ تعلقات چین و ممالک اسلامیہ کا طالب علم کبھی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

(۱۷) الدمشقی ابو الفدا اور ابن الوردی: یہ تین علما، تاریخ تقریباً

ایک ہی زمانے میں گزرے۔ کیوں کہ شمس الدین ابا عبداللہ صوفی جو بعد میں دمشقی کے نام سے معروف ہو ۱۳۲۵ء تک زندہ رہا اور ابوالفدا ۱۳۳۱ء تک، اور ابن الوردی ۱۳۴۰ء تک، ان تینوں میں سے علم کی دنیا میں ابوالفدا کی شہرت زیادہ عام تھی بہ نسبت ابن الوردی اور دمشقی کے۔ پھر ابن الوردی کا نمبر آتا ہو۔

دمشقی، دمشق کے قریب ایک گانو "ربوہ" میں امام تھا، اور وہاں ایک کتاب "نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر" لکھی اور ابن الوردی کا پورا نام زین الدین ابو حفص عمر ابن الوردی تھا، جو معرۃ النعمان (الشام) میں پیدا ہوا، حماۃ میں علم فقہ کی تعلیم پائی اور بعد میں حلب کے قاضی ابن نقیب کا منشی رہا۔ اس نے ایک کتاب "خریطۃ العجائب وفرید الغرائب" چھوڑی تھی۔ ابوالفدا کی تاریخ مشہور ہو۔ غرض ان تینوں نے چین کے متعلق کچھ نہ کچھ ذکر کیا ہو، لیکن ان کی معلومات اصلی نہیں بلکہ علماء سلف سے منقول ہیں۔ مثال کے طور پر دمشقی کی کتاب میں جو چینی شہروں کے نام بالکل وہی ہیں جو اس سے پہلے کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ وتواق، قمار، جزیرۃ السیلا، خانفو، حمدان، مدینۃ الصین، ابواب الصین، الصنف، سرندیب، صندرفولات، جاوہ، چین و ماچین۔ البتہ جزیرۃ الدامیات (اندمان) (ANDAMAN) اور معابر دو نئے نام ہیں جو دمشقی کی کتاب میں آتے ہیں۔ الدامیات سے مراد وہ جزیرہ ہو جو برما اور مدراس کے درمیان واقع ہو، اور معابر سے مراد وہ علاقہ جو موجودہ صوبہ مدراس کے حدود سے جزیرہ سیلان تک پھیلا ہوا ہو۔

ابوالفدا نے بحر چین کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک سمندر ہے جس کے حدود معلوم نہیں اور جس کے اندر بہت جزیرے ہیں جس میں بے شمار شہر ملتے ہیں اور اس سے مغرب آتے ہیں۔ ماعروں کے پہاڑوں سے ہوکر آنا پڑتا ہے، اور یہ پہاڑ ہند اور چین کے درمیان واقع ہیں، اور یہ کہ جزیرۃ السیلا چین کے انتہا پر واقع ہے۔ یہ سب ابن فقیہ، ابن خرداذبہ، اور مسعودی سے نقل کیا ہے۔ مگر محلبی سے جزیرہ شیر میوزہ کے متعلق جو کچھ نقل کیا ہے وہ ایک نئی بات ہے جو کسی دوسری کتاب میں ملتی۔ اس روایت کے مطابق شیر میوزہ اس وقت چین کے ماتحت تھا[1]۔ اس کے متعلق کہتا ہے کہ یہ آباد جزیرہ نہایت خوش حال ہے، کشتیاں جب چین جاتی ہیں تو یہیں سے گزرتی ہیں۔ اس کے سمندر میں پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جس سے گزرنے کے لیے چھ روز لگ جاتے ہیں[2] جب کہ مسافر یہاں پہنچ جاتے ہیں تو نقل اور سواری کے وسائل تیار ملتے ہیں جن کے ذریعے سے وہ چین کے جس شہر میں چاہے جا سکتے ہیں۔

ابن وردی کا بیان بحر چین کے متعلق اور لوگوں کے بیان سے کچھ مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بحر چین کے لیے مختلف نام ہیں، اسے "بحرِ چین" کبھی "بحرِ ہند" اور کبھی "بحر صنف" کہتے ہیں۔ یہ سب نام ایک ہی سمندر کے لیے ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ بحر کے حدود کا الگ تعین کرنا مشکل ہے۔ نام رکھنے والوں نے کسی خاص وجہ کی بنا پر بڑے سمندر کے کسی جز کا ایک خاص نام رکھ دیا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی

---

[1] FENAUD: P. 404

[2] یہ بیان ابواب چین کے متعلق ہے۔

بات نہیں کہ ابن وردی سے قبل کے علمانے کسی جز کو "بحر چین" اور دوسرے جز کو "بحر ہند" کا نام دیا۔ اس اعتبار سے کہ وہ سواحل چین یا سواحل ہند کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ مگر ابن وردی نے ان میں کوئی فرق نہ رکھا، غالباً اس بنا پر کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بحر چین کا پانی، بحر صنف کے پانی سے جدا نہیں ہے، اور نہ بحر ہند سے۔ اس کے باوجود ان کے درمیان ہم کو یہ بیّن فرق نظر آتا ہے کہ "بحر چین" کے کہنے سے ہمارا خیال سمندر کے اس حصّے کی طرف دوڑتا ہے جو اس وقت ہانگ کانگ اور سنگاپور کے درمیان واقع ہے۔ اور بحر صنف کے کہنے سے ہمارا خیال صرف اس حصّے کی طرف جاتا ہے جو سنگاپور سے اِدھر "پننانغ" تک واقع ہے، اور بحر ہند اس کے بعد ہے۔ ان بحروں کے لیے اگرچہ کوئی خاص حدود نہیں مگر ہمارا فہم ان بحروں کے بارے میں عام اندازے پر موقوف ہے، نہ کہ حدود پر۔

ان کے علاوہ ابن وردی نے اور بہت سی باتیں جہانی، جاحظ، یاقوت۔ ابن فقیہ وغیرہ سے نقل ہیں جن کی تکرار کی ضرورت نہیں، مگر وہ بات جو ملت چین کے متعلق تاریخ ابن وردی میں آئی ہے وہ ذکر کی مستحق ہے۔ اسے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم کسی اور جگہ بیان کریں گے۔

(۱۸) ابن بطوطہ: چودھویں صدی عیسوی میں دنیا کا سب سے مشہور سیاح ابن بطوطہ ہی تھا، اس نے ۱۳۲۵ء میں شہر طنجہ سے سیاحت شروع کی، شمالی افریقہ سے ہوتے ہوئے آپہنچا، وہاں فلسطین اور شمالی عرب سے مکّہ میں داخل ہوا۔ پھر استنبول اور جنوب روس، خراسان، بخارا، قندھار سے ہوکر ہندستان وارد ہوا۔ دہلی پہنچ کر

سلطان تغلق کے دربار میں قاضی القضاۃ کے منصب پر رہا۔ بعد میں تغلق نے اس کو سفیر مختار بناکر دربارِ چین بھیجا۔ وہ دہلی سے روانہ ہوا۔ ساحل ملابار کے بندرگاہ قالیقوط (کالی کٹ) سے چینی کشتیوں پر بیٹھ کر سلان سماطرہ اور جاوا سے گزر کر چین کی پہلی بندرگاہ "زیتون" پہنچا، وہاں سے شاہی بدرقے کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر تک حتیٰ کہ خانبالق (موجودہ پیکن) آیا۔ چین کے حالات اور وہاں کے رسم ورواج اور عادات کے متعلق ابن بطوطہ کی اطلاعیں بیش قیمت ہیں، جن سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ مغول کے زمانے میں چین اور اسلام در چین کی حالت کیا تھی۔

اس سیاحت میں ابن بطوطہ کے تقریباً ۲۴ سال صَرف ہوئے۔ وہ مشرق ادنا اور اقصیٰ کا شہر شہر گھوما، مگر یہ بڑی لمبی سیاحت اسے نہیں تھکا سکی۔ اور وہ دوبارہ رخت سفر باندھ کر اندلس اور وسط افریقہ کے ان حصّوں میں گھسا جہاں تک جانا کسی یورپی سیاح کے خواب خیال میں بھی نہ تھا۔ پھر فاس واپس آیا جہاں اس کا انتقال ۱۳۷۷ء میں ہوا۔ اس نے اپنی زندگی میں آباد کرۂ ارض کے ۲/۳ حصے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

ابن بطوطہ کا سیاحت نامہ اس وقت "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں وہ اپنے مشاہدات اور تجارب کی باتیں جو مختلف اسلامی اقوام کے بارے میں ہیں مدوّن کرگیا ہے۔ اس کتاب کے حصۂ چہارم میں وہ قیمتی معلومات ہیں جو چین اور احوالِ مسلمانانِ چین کے متعلق ملتی ہیں، وہ باتیں جو چینی کشتیوں کے متعلق، صناعات کے متعلق، کاغذی درہم (بنک نوٹ) کے متعلق معاملات میں چینیوں کی

عادات، راستوں کی حفاظت کے متعلق ابن بطوطہ کی کتاب میں ملتی ہیں، بہت اہم مشاہدات ہیں، جن کی طرف بہت کم لوگ توجہ کرتے تھے۔ آیندہ ابواب میں آپ مختلف مقامات پر اس کتاب کے اقتباسات دیکھیں گے۔

(۱۹) اصطخری۔ باکوی اور جلبی :۔ علماء اسلام میں سے جن کی تصانیف میں چین کے متعلق ذکر ملتا ہے، اصطخری بھی ہے۔ یہ اصطخر کا رہنے والا تھا اس کی کتاب "اقلیم الارض" میں چین تک کے بحری راستے کا سرسری طور پر ذکر ملتا ہے، مگر خشکی کے راستے کے بارے میں اہم معلومات جمع ہیں اور ترکوں اور تاتاروں کے احوال بھی کافی ملتے ہیں۔ اس بیان کے مطابق مملکت چین کے اندر بلاد ایران اور تبت سب داخل ہیں۔ یہ بات اصطخری سے پہلے کسی نے ذکر نہیں کی۔

باکوی کا پورا نام عبدالرشید بن صلاح بن نوری ہے۔ اب علم کی دنیا میں وہ باکوی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شہر باکو سے جو ساحل بحر خزر پر واقع ہے، منسوب ہے۔ باکوی ۸۰۶ھ (۱۴۰۳ء) تک زندہ رہا۔ اس نے اپنی کتاب "تلخیص الآثار و عجائب المالک القہار" میں جزیرۂ جاوا، بحر چین اور بعض تجارتی چیزوں کا نام جن میں عود ہندی، کافور بھی ہیں، اور جزیرہ الراسنی، جزیرۃ القصر، جزیرۃ النسا، وقواق اور سیلا کا ذکر کیا ہے، باکوی کے قول کے مطابق سیلا ایسا صحت بخش ملک ہے جہاں کے باشندوں کو بیماری نہیں ہوتی۔

جلبی کی زندگی سے لوگ واقف ہیں، مگر مستشرقین اس کی سوانح عمری سے غافل نہ رہے۔ ان میں سے استاد فراند بھی ہے جس نے

جلبی کی زندگی کا اپنی کتاب "تعلقاتِ سفر" میں اس طرح حال بیان کیا ہو کہ :-

"رینا ند کہتا ہو کہ ایک جہاز جسے سلطان سلیمان عثمانی نے ۱۵۵۳ء میں پرتگال بھیجا تھا، راستے میں ایسے ہول ناک طوفان میں پھنسا کہ جہاز کا رُخ بدل گیا اور وہ بجائے پرتگال کے ہندستان کے ساحل پر جا پہنچا۔ اس جہاز کا کپتان سیدی علی جلبی تھا، اس سے قبل وہ ایک مقبول شاعر اور ادیب تھا، اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہو کہ اس نے بہت سے مشرقی شہروں کی سیر کی ہو اور بہت سے رجالِ علم و فضل سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کو ملاحی سے شوق تھا، اس فن کے متعلق جو عربی فارسی اور ترکی کتابیں ملیں ان سب کا مطالعہ کیا۔ سیاحت کے دوران میں اس نے استنبول، خوارزم، ایران، ماوراءالنہر، بدخشاں اور شمالی ہند کا مشاہدہ کیا۔ یہ ترکی زبان کا بڑا لکھنے والا تھا۔ اپنے مشاہدات اور مہمات کے متعلق ایک مفید کتاب لکھی جو "مراۃ الممالک" کے نام سے موسوم ہو۔ اس کا اب المانی اور فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہو۔ اس کی ایک اور کتاب ہو جو پہلی کتاب سے زیادہ اہم اور مشرقی سمندروں کی جہازرانی کے موضوع پر ہو۔ یہ اب "المحیط" کے نام سے شائع ہوئی ہو۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو سنہ ۹۶۲ھ = ۱۵۵۴ء کا لکھا ہوا ہو، گجرات کے شہر احمد آباد میں ملا۔ اس کی اہمیت دیکھ کر پروفیسر ہمر (HAMMER) نے رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے تیسرے جز سنہ ۱۸۳۴ء اور پانچواں جز سنہ ۱۸۳۶ء، ساتواں جز سنہ ۱۸۳۷ء اور ساتویں، آٹھویں جز سنہ ۱۸۳۸ء میں متعدد مقالے لکھے۔

استاد فراند کے قول کے مطابق جلبی نے "محیط" میں سنگاپورے چین تک جانے کا راستہ اس طرح بیان کیا ہے کہ سنغافورہ سے بناغہ (BANAGH) تک وہاں سے صورا جو خلیج کول کے پاس واقع ہے، صورا سے شہرنو، پھر کنبوسا، پھر شنبا، پھر خلیج گیوچہ بعض موجودہ تونکین اور یا شنبا سے انام تک اور انام سے ابواب چین تک، پھر وہاں سے چین کے جنوب تک۔ جہاں دارچینی، راوند اور خوب صورت فخار شہرنو میں ملتے ہیں۔ یہ موم بتی کی بنائی ہوئی چیزوں میں سب سے گراں اور اچھی ہے۔ اسے "فغفوری" یا "پائے تخت چینی" بھی کہتے ہیں۔[1]

(۲۰) صادق الاصفہانی اور ابوالخیر الہمدانی :۔ ان علمائے اسلام میں سے جن کے مولفات میں چین کے حالات ملتے ہیں۔ صادق الاصفہانی بھی ہے۔ یہ محمد صلح زبیدی آزادانی کا بیٹا تھا جس کا انتقال ۱۰۶۱ھ میں ہوا۔ اس نے اپنی کتاب "تحقیق الاعراب" میں یہ ذکر کیا ہے کہ "آچین" وہی ہے جسے لوگ ماچین کہتے ہیں جو چین میں ایک معروف جزیرہ ہے۔ اصفہانی لفظ "خطا" کے متعلق کہتا ہے کہ "خطا" کو عرب طا سے لکھتے ہیں، مگر ایرانی اسے "ختا" تا سے۔ یہ ایک وسیع ملک ہے جس کا پائے تخت خانبالق ہے۔ بلاد "خطا" کے سب سے اخیر شہر ماوراالنہر میں "سقاول" ہے۔ اس نے جلبی کی طرح "شہرنو" کا ذکر بھی کیا ہے، اس کے بعد وہ "ماچین" کے متعلق یوں اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک بڑا ملک ہے جس کے حدود "چین" سے ملے ہوئے ہیں۔

---

[1] FENAUD: RELATIONS OLS NOEAGES: P. 501

لوگوں نے اسے اس لیے "ماچین" کہا ہو کہ یہ "ماچین" بن یافث بن نوح (واللہ اعلم) کے نام پر رکھا گیا ہو۔ اس کا پایۂ تخت "تنکتاش" ہو۔ جامع رشیدی کی روایت ہو کہ "ماچین" "مہاچین" کا محرّف ہو۔ اور مہا سنسکرت لفظ ہو جس کے معنی بڑے کے ہیں۔ ادریسی کے جغرافیے میں "صینیین الصین" اور ابن بطوطہ کے سیاحت نامے میں "چین کلاں" کہلاتے ہیں۔

ابوالخیر الہمدانی "تاریخ غازانی" کا مولف معلوم ہوتا ہو جو عربی زبان میں ہو۔ مجھے قطعی طور پر اس کا علم نہیں کہ یہ کتاب چھپ کر شائع ہوئی ہو یا نہیں۔ کوئی مطبوعہ نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اور وہ نسخہ جس کو میں نے دارالکتب المصریہ میں دیکھا عکسی تھا جو استنبول کے ایک مخطوطہ سے لیا گیا ہو۔ اس نسخے کے اوراق میں جا بہ جا خالی جگہ ہو اور اس کے باوجود وہ ناقص ہو کیوں کہ غازاں خاں اور اس کے تعلقات چین کے مغل سلاطین کے ساتھ اس میں نہیں ملتے۔

مگر اس ناقص نسخے کی بعض خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں تاتاریوں کے نسل و نسب اور ان کے احوال زمانہ قدیم سے عہد غازاں تک اور اویغور خاں کے حالات ملتے ہیں۔ یہی تاتاری سردار ہو جو سب سے پہلے اسلام لایا۔ جہاں تک مغولی قوم کے متعلق ہو وہ تمام مورخین کے نزدیک تاتاری قوموں کی ایک شاخ ہو۔ اور اس قوم کے احوال کبھی اجمالی صورت میں اور کبھی تفصیلی فارسی مولفات میں مذکور ہیں، خصوصاً عمر سراج کی طبقات الناصری، رشیدالدین فضل اللہ کی جامعة التواریخ، تاریخ الوصّاف اور اویماق مغول ہیں۔ اویماق مغول کے مؤلف

آغا جان محمد خاں نے تاتار کا احوال اپنے سلف سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔ ہین نے بھی اس سے کچھ اقتباس کیا جب کہ ہین اپنی کتاب "الاسلام و ترکستان الصیین" میں "اشاعت اسلام در ترکستان" کے موضوع پر بحث کر رہا تھا۔

(۲۲) القلقشندی :۔ چین اور علمائے اسلام کے بیان میں ہم کو قلقشندی جیسی نام ور ہستی کو نہ بھولنا چاہیے۔ اس ممتاز عالم نے جس کا غیر فانی کارنامہ اب دنیائے اسلام میں صبح الاعشیٰ کے نام سے شہرہ آفاق ہے۔ اپنی کتاب کے چوتھے جز میں چین کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے۔ عہدِ مغول میں چین کے نظامِ حکومت، وہاں کے سلمانوں کے حالات، چنگیز خاں کے عقاید اور اس کے رجال الدین کا احترام، یہ سب آپ کو اس بیان میں ملیں گے۔ اس کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماخذ جس سے اس نے اقتباس کیے، ایسے لوگوں کی کتابیں ہیں جو خود چین گئے تھے یا چین کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ جیساکہ تاج الدین سمرقندی اور علا الدین بن عطا الملک الجوینی۔ قلقشندی ہی پہلا عربی مولف ہے جس نے فارسی ماخذوں سے چینی الفاظ اپنی کتاب میں داخل کیے۔ مثلاً چنکصاں (CHEN - SANG) بنجار (BIN CHANG) روجین (TSE CHENG) یوجین (YU - CHENG) اور لنجون (LIN CHONG) وغیرہ[1] قلقشندی تاج الدین السمرقندی سے منقول کرتے ہوے کہتا ہے کہ:

اس خان اعظم (یعنی قبلائی خاں) کے دو امیر وزیروں میں سے ہیں۔

[1] رشید الدین فضل اللہ نے بھی ان الفاظ کا اپنی کتاب میں ذکر کیا۔ دیکھو صہ

ہر ایک "جنکصاں" کے نام سے موسوم ہو اور ان دونوں سے کم رتبہ کے امیر "بنجاں" کہلاتے ہیں اور ان سے بھی کم درجے کے امیر "زدجیں" اور ان سے بھی کم درجے کے امیر "یوجیں"۔ ایک صدر منشی ہو جسے "لنجوں" کہتے ہیں۔ یہ ہمارے ملک (مصر) میں "کاتب السر" (پرائیویٹ سکرٹری) کی طرح ہو۔

قلقشندی، شریف ابی الحسن کربلائی کی سند سے جس کی قبلائی خاں سے ملاقات ہوئی (یہ بھی نقل کرتا ہو کہ اس خان کے چار وزرا ایسے ہیں جو خود احکام جاری کرتے ہیں اور سوائے نادر موقع کے خان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی "مسالک الابصار" کی روایت ہو کہ نظام الدین حکیم الطیاری البوسعیدی کا قول ہو کہ چین کے مغول باوجود اس کے کہ اپنی پرانی جاہلیت سے ایک قدم بھی نہیں ہٹے، نہایت خوش اخلاق اور کریم ہوتے ہیں۔ پھر شریف تاج الدین کی زبان سے کہتا ہو کہ اس خان کے ملک میں جو عجیب بات میں نے دیکھی وہ یہ ہو کہ کفر اور شرک کے باوجود اس کے ملک میں بہت سے مسلمان بھی ہیں۔ یہ لوگ ان کے نزدیک نہایت معزز اور محترم ہیں اور اگر کسی کافر نے کسی مسلم کو قتل کیا، تو قاتل کافر کو بھی قتل کیا جائے گا اور اس کی جائیداد لوٹ لی جائے گی۔ اگر کسی مسلم نے کسی کافر کو قتل کیا تو اس کے بدلے مسلم قتل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ صرف دیت (خون بہا) دیتا ہو۔ یہ دیت صرف ایک گدھا ہو۔ اس کے علاوہ کچھ اور طلب نہیں کیا جاتا[1]

(۲۳) شیخ بیرم تونسی :- اٹھارھویں صدی کے علمائے اسلام

[1] صبح الاعشیٰ - جلد ۴ - صہ ۴۸۶

کی کوئی ایسی کتاب نہیں ملی، جس میں چین یا چینی مسلمانوں کے کچھ حالات کا ذکر ہو۔ اس کا سبب صرف یہ ہو سکتا ہو کہ اس صدی کے علما امور عالم اسلامی سے پہلے علما کے بہ نسبت بہت کم توجہ کرتے تھے۔ وہ یہ معلوم کرنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے کہ دور و دراز کے ملکوں میں جو کچھ مسلمان آباد ہیں وہ کس حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر بستانی اپنے دائرۃ المعارف میں شیخ بیرم تونسی کی کتاب کی طرف اشارہ نہیں کرتا تو میں کہتا کہ انسویں صدی میں بھی کوئی ایسا عالم نہیں گزرا جس نے چین کی طرف ذرا توجہ کی ہو۔ بہرحال بستانی کے توسط سے مجھے شیخ بیرم تونسی کا پتا لگا، جس کی پیدائش سنہ ۱۸۴۰ء میں تونس میں ہوئی، اور بہ مقام حلوان سنہ ۱۸۸۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔ بستانی نے اپنے دائرۃ المعارف کے اس ارٹیکل کے ضمن میں جو "الصین" کے عنوان سے موسوم ہو، ایک کتاب "مستودع الامصار" کی نسبت لکھا ہو کہ اس کتاب میں ایک بڑا لمبا مقالہ ہو جو عرب اور اسلام در چین کے متعلق ہو۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ کتاب کا اصلی نام "مستودع الامصار" نہیں ہو، بلکہ "صفوۃ الاعتبار بمستودع الامصار والاقطار" ہو۔ یہ چار جلدوں میں دو مرتبہ قاہرہ میں طبع ہوئی اور اس کی پہلی جلد میں ایک فصل ہو جس میں شیخ بیرم تونسی نے اسلام در چین کے متعلق ضروری باتیں لکھی ہیں

اس بارے میں شیخ بیرم تونسی کا کلام اور لوگوں کی طرح نہیں ہو کہ جغرافی یا تجارتی پہلو کو زیادہ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ آپ کو صفوۃ الاعتبار میں چینی شہروں اور ان کی مسافت، احوال تجارت اور تجارتی چیزوں

کے نام نہیں ملیں گے۔ بلکہ ایک بیان جو چین میں مسلمانوں کے داخلے اور مذاہب اسلام کے متعلق ہے۔ غالباً شیخ بیرم تونسی ہی پہلا عربی مولف ہے جس نے بغاوت یعقوب بک چین ترکستان میں اور بغاوت محمد سلیمان (تو وین شوی) ولایت یوننان میں، کا ذکر کیا ہے۔

اس حیثیت سے بھی وہ اول ہے کہ اس سے پہلے کے علما نے "ہوی ہوی"[۵۱] "خوای خوای تانغ" یعنی مسلمانوں کے عبادت خانے اور "لاو جوفو" جو چینی لفظ "لوشیفو" کا بگاڑ ہے، اور "یسطاسو"[۵۲] اور "لیبای سی" یعنی مسجد اور "تسین جسین سو" یعنی ابن طاہر خالص کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ ان الفاظ کی بنا پر ہم کو خیال ہوتا ہے کہ شیخ بیرم نے یا تو چین کا سفر کیا تھا اور وہاں جاکر ان الفاظ سے مانوس ہو گیا، یا وہ کسی یورپی زبان کو جانتا تھا اور یہ الفاظ یورپی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ کیوں کہ انگریزی اور فرانسیسی کتابوں میں ان الفاظ کا ذکر خاص طور سے ہوتا ہے۔ شیخ بیرم کا قول دیکھ کر ہم یہ اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں کہ امیر شکیب ارسلان ہی پہلا عربی عالم ہے جس نے سب سے پہلے اسلام در چین کے متعلق قلم اٹھایا، جیسا کہ انھوں نے یہ رای الفتح (قاہرہ) میں ظاہر کی ہے۔ کیوں کہ شیخ بیرم کا کلام اس بارے میں اگرچہ موجز اور مختصر ہے، امیر موصوف سے کم سے کم پندرہ سال پہلے لکھا گیا ہے۔

(۲۴) الامیر شکیب ارسلان:۔ قارئین پر یہ مخفی نہیں کہ امیر موصوف ان نام ور ہستیوں میں سے ہیں جن کی قوت تفکیر سے اس بیسویں صدی

---

۵۱ چینی زبان میں اس سے "مسلم" مراد ہے۔

۵۲ اس لفظ کی اصلیت کے پہچاننے میں میں کام یاب نہیں ہوا۔

کے عالم اسلامی کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ ایک بڑے مورخ، بڑے ادیب، درجہ اوّل کے شاعر ہیں اور اس سے بڑھ کر وہ نہ صرف عالم عرب کی فلاح اور بہبودی کے کوشاں ہیں بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے اتحاد اور استقلال کا دیکھنا بھی چاہتے ہیں۔ جلا وطن کے زمانے میں انھوں نے کوئی ۱۸ سال جنیوا میں کاٹے۔ اب خدا کے فضل سے شام اور فرانس میں وہ کشاکش نہ رہی بلکہ امسال ۱۹۳۷ء کے معاہدے سے شام امور داخلہ میں مختار ہو گیا۔ اس معاہدہ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سیاسی جلا وطنوں کو شام واپس آنے کی اجازت دی گئی اور گزشتہ مئی میں امیر شکیب ارسلان کو اپنے وطن عزیز کی طرف آنا نصیب ہوا۔

اس مشہور آفاق عالم کی بہت سی تصانیف ہیں جو مختلف موضوعوں پر ہیں اور وہ حواشی جو لیشوروپ ستوواردکی "حاضر العالم الاسلامی" پر چڑھائے گئے۔ میرے موضوع سے متعلق ہیں۔ انھوں نے چین میں اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ پہلے تو یہ تمام مباحث مقالے کی حیثیت سے، مصر کے ماہوار رسالہ المقتطف میں شائع ہوئے تھے۔ پھر جمع کر کے ان میں اور اضافہ کیا، جو اب حاضر العالم الاسلامی کی تعلیقات میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے فرانسیسی مصادر سے ان مباحث کو اقتباس کیا لیکن وہ ایک ناقل محض کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مبصر اور ناقد کی حیثیت سے۔

حاضر العالم الاسلامی کے دوسرے جز میں اسلام در چین کا مضمون آپ کو اولون مشین (MISSION D OLLONE) کی رپورٹ سیو دابری کی (MOHAMMETANISME EN CHINE) اور

"مسلمان یونان" (TES MUNALMANE YUNNAN)
سے مستغنی کردے گا۔ ان کی اس تعلیق میں ایسے ایسے معلومات جمع ہوئے
جن کی طرف بہت کم علمانے توجہ کی۔ کاش مسلمانوں کے سب طالب علم
اس کتاب کا مطالعہ کرتے اور اس سے حتی الامکان فائدہ اٹھاتے۔

یہ کتاب دوسری مرتبہ چار جلدوں میں قاہرہ کے مشہور مطبع
عیسی البابی الحلبی سے ۱۳۵۲ھ = ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی اور اس
اشاعت میں امیر موصوف نے اور بعض معلومات کا اضافہ کیا جو پہلی
اشاعت میں نہیں ہیں۔

(۲۵) الاستاد اتربی ابو العز:۔ آخری عالم جس کی کتاب کا میں اس
باب میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ استاد اتربی ابو العز ہے۔ پہلے یہ بیگ تھا
اب پاشا کا لقب، شاہ مصر نے ان کو عطا کیا۔ یہ اگست ۱۸۸۱ء میں
شہر "بیت ابی غالب" (مصر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مصر
کے سرکاری مدرسے میں پائی، پھر فرانس کے مونسلیہ کالج سے ڈاکٹر
(قانون) کی ڈگری حاصل کی۔

اس عالم نے ایک اور عالم کے ساتھ چین کے متعلق ایک چھوٹا
سا رسالہ لکھا ہے جو "نبذۃ عن الصین" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ
۱۳۱۸ھ = ۱۹۰۰ء میں قاہرہ کے مطبع لواء سے شائع ہوا۔ گو کہ وہ
چھوٹا تھا، مگر وہ بہت مفید ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو چین کے
متعلق واقعاً کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ اس کی آٹھ فصلیں ہیں۔ اول
مقدمہ: دوم جغرافیہ چین، سوم تاریخ چین، چہارم اسلام در چین،
پنجم، چین کا نظام حکومت، ششم مدنیات چین، ہفتم چین کے

مذاہب اور زبان، اور ہفتم اخلاق اور عادات ۔

ان عنوانوں سے آپ نے اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ کر لیا ہوگا۔ اور وہ فصل جو خاص توجّہ کے قابل ہے وہ "اسلام در چین" ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص (وہاب بن رعشہ) نامی نے آنحضرت صلعم کی مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد چین کا سفر کیا اور بڑی مشکلوں سے وہاں پہنچا، چینی زبان سیکھی اور وہاں کی رسم و عادات سے واقف ہوا۔ پھر تبلیغ کے کاموں میں مشغول ہوا۔ اس سے اس کی شان بڑھی اور بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہوے۔ بادشاہ تانگ تائی چونگ (TANG TAi CHONG) سے بھی ملاقات ہوئی۔ اُس نے بڑی حوصلہ افزائی اور ہمدردی کی۔ پھر ایک عرصے تک عزّت و احترام کے ساتھ رہ کے وہاب کا وہیں انتقال ہوا اور اہلِ چین نے اس کی ایک یادگار قائم کی۔

استاد فرید وجدی نے اپنی دائرہ معارف میں تو چین کی بحث بدون کسی نقد اور حذف کے ہُو بہ ہُو اسی سے نقل کی ہے۔ ۱۹۲۳ء میں ایک بڑا چینی عالم قاہرہ وارد ہوا، اور فرید وجدی کی دائرۃ المعارف دیکھی، فرید وجدی نے جو کچھ چین میں اسلام کے متعلق استاد اتر بی البوالعزے نقل کیا تھا اس چینی عالم نے اس سے بدون شک و تردّد کے مان لیا۔ واضح رہے کہ مسلمان اور غیر مسلمان مورخین کے درمیان اس نقطہ پر اختلاف ہے کہ اسلام کس زمانے میں چین میں داخل ہوا۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں، یا کسی خلیفہ کے زمانے میں ایک جماعت کہتی ہے کہ اسلام آنحضرت صلعم کی زندگی کے زمانے میں آیا۔

اور انھوں نے فرید وجدی کے دائرۃ المعارف کی سند پیش کی اور ایک دوسری جماعت اس سے انکار کرتی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عربی کی پرانی کتابوں میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ کوئی صحابی آنحضرت صلعم کی زندگی میں چین گیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے متعلق بہت سی خبریں ضرور پھیل جاتیں۔ جیسا کہ ان صحابیوں کے متعلق جو حبشہ اور ایران گئے تھے اخبار موجود ہیں۔

مجھ کو بھی اس کا فکر ہوا کہ اس نقطے کے متعلق تحقیق کی جائے۔ میں نے رجال الصحابہ کی کتابیں دیکھیں۔ مگر ان میں وہب بن رعشہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اور جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ فرید وجدی کا قول استاد اتربی ابو العزکی کتاب سے لیا گیا ہے تو میں نے خود استاد موصوف سے ماخذ دریافت کرنے کا قصد کیا اور ۱۹۳۶ء کے اکتوبر (۱۲ تاریخ ۴ بجے بعد ظہر) ان کے دولت خانہ جو قاہرہ کے باہر المعادی میں ہے، گیا اور اس تاریخی نقطے کے متعلق اصلی ماخذ کا مطالبہ کیا، جواب میں انھوں نے کہا کہ اصلی ماخذ اب مجھے یاد نہیں آیا۔ مگر یہ وعدہ کیا پتا لگا کر مجھ کو بتا دیں گے۔ ایفائے وعدہ نہ ہوا اور میں نے بہت دن انتظار کے بعد دوبارہ لکھا کہ مطلوب مسئلہ کی حقیقت سے مطلع فرمائیے۔ کئی روز کے بعد ان کا جواب آیا کہ یہ کتاب، بغاوت بوکسرز (THE BOCER RISING) کے متعلق لکھی تھی جسے اب کوئی ۳۷ سال ہو چکے ہیں۔ کتاب کی ترتیب دینے میں بہت سی عربی اور اجنبی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، اسے اب زمانہ گزر گیا، اس لیے یہ مشکل ہے کہ کون سی کتاب میں سے میں نے یہ بات اخذ کی۔ مگر آپ یقین

کیجیے کہ جو خبر میں نے وہاب بن رعشہ کے متعلق نقل کی وہ بالکل صحیح ہے۔
میں ذاتی طور پر اس قول کا اعتبار نہیں کر سکتا کہ مصنف ابھی زندہ ہے اور اصلی ماخذ کا پتا دینے سے عاجز اور معذور ہے، جس طرح میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتا جو سابقہ کتابوں میں موجود ہیں مگر عقل کے نزدیک ناقابلِ قبول اور علمی تحقیق میں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔ کاش استاد موصوف مجھے اس کی اصلیت بتاتے تو ممکن ہے کہ ہم اس کے صدق یا کذب کا پتا لگا لیتے۔ مگر استاد موصوف کی فراموشی نے مجھ کو تردد میں دھکیل دیا اور اب تک میں یہ پوچھتا رہا اور پوچھتا رہوں گا کہ یہ وہاب بن رعشہ کون تھا اور اس کا استاد ابوالعز سے قبل بھی کسی نے ذکر کیا ہے؟ اور کون سی کتاب میں اس کا ذکر ملتا ہے؟ ہے کوئی جواب دینے والا؟

(ب) چین کے متعلق علمائے عرب و اسلام کی معلومات

پچھلے باب میں ہم نے وہ روایات معلوم کرنے کی کوشش کی جو چین کے متعلق علمائے عرب اور اسلام نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ اس کوشش میں ہم نے تقریباً تیس کتابوں کا پتا لگایا جو مختلف زمانے کے بڑے اور نامور علما کے قلم سے تالیف ہوئیں۔ نویں صدی عیسوی سے لے کر موجودہ صدی تک کوئی ایسی صدی خالی نہ رہی جس کے کسی عالم نے چین کے متعلق کچھ نہ لکھا ہو۔ قابلِ اعتبار اور عدم اعتبار کے لحاظ سے یہ علما غالباً تین جماعتوں میں تقسیم کیے

جا سکتے ہیں۔ ایک جماعت وہ ہے جس کے اقوال چین کے متعلق تجارب اور مشاہدات پر مبنی تھے۔ سلیمان تاجر سیرانی ابو دلف الینبوعی، رشید الدین فضل اللہ، ابن بطوطہ اور سیدی الجلبی اس جماعت سے ہیں دوسری وہ جن کے بعض اقوال تجارب اور مشاہدات پر مبنی تھے اور بعض دوسروں کی روایات سے۔ ابی زید الحسن السیرانی، مسعودی اور ابن خرداذبہ، اس جماعت میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ تیسری وہ جو دوسروں سے اقوال نقل کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے بعض ایسے ہو سکتے ہیں جو تحقیقات اور تنقیدی نظر سے غیروں کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ ابن فقیہ، ادریسی، یعقوبی، یاقوت، امیر شکیب ارسلان اور ابوالعز کو اس طبقے میں شمار ہونا چاہیے۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بلا غور و تنقید غیروں سے نقل کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں رطب و یابس، صدق و کذب سب جمع ہیں۔ اس طبقے سے سوائے نادر موقع کے ہم بہت کم واسطہ رکھ سکتے ہیں۔

مگر پہلی اور دوسری جماعتوں کی کتابیں ہمارے اہم مصادر ہیں جن کی سند سے ہم اس باب اور بعد کے بابوں میں ہم مدد لیں گے۔ اور تیسری جماعت کی کتابیں، ان خاص باتوں کے ماخذ ہو سکتی ہیں جو اور کتابوں سے نہیں مل سکتیں۔

ان علما کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مشاہدات اور تحقیقات کسی ایک ہی پہلو پر منحصر نہیں تھے بلکہ مختلف باتیں جو انھوں نے خود دیکھیں یا سنیں، عام فائدے کے لیے اپنی کتابوں میں درج کر لیں۔ اگر آپ ان کی کتابوں پر ایک نظر ڈالیں،

تو آپ کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان علما نے جس طرح چین کے جغرافیے، آب و ہوا، شہروں اور شہروں پر بحث کی، اسی طرح انھوں نے چینیوں کے عادات اور اجتماعی حالات پر۔ چینیوں کے مذاہب، دست کاری، نظامِ حکومت، حفظِ امن اور اجنبیوں کے ساتھ چینی حکام کے برتاؤ پر۔ یہ سب باتیں آپ عربی کتابوں سے معلوم کر سکیں گے۔

اس باب میں ہم ان کے کچھ اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ اس وقت کے تعلیم یافتوں کو یہ معلوم ہو کہ مختلف زمانے میں علمائے اسلام کی معلومات چین کے متعلق کہاں تک تھیں۔ یہاں ہم صرف ایسے اقوال نقل کریں گے جو واقع کے مطابق اور عقل کے نزدیک قابلِ قبول ہوں۔ اس نقل یا اقتباس سے ہمارا مطلب اور غرض اصلی موجودہ زمانے کے علمائے اسلام کو ان کتابوں کی طرف توجہ دلانا ہے جو اسلام کے غیر فانی علمی کارنامے اور عظمت اسلام کے مفاخر ہیں، جن سے علمائے یورپ تو فائدہ اٹھا رہے ہیں، مگر مسلمان خود اب تک ان کی طرف سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ میں قارئین کرام سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ میری اس کوشش کو پہلا قدم سمجھ کر اب سے اس موضوع کی طرف کچھ توجہ کریں اور یہ دیکھیں کہ تاریخ اسلامی کی روشنی میں عربوں کے تعلقات اور اقدام اُن کے ساتھ کیسے رہے۔ اس موضوع کے اہم مصادر یقیناً صرف عربی زبان کی پرانی کتابیں پھر فارسی زبان کی کتابیں ہو سکتی ہیں ان سے مستشرقین خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں شاید سوائے مولانا سید سلیمان ندوی کے اور کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔[۱]

(حاشیہ ص۳۰۰ پر دیکھیے)

وہ باتیں جن کے اقتباس میں ان جلیل القدر علما کی کتابوں سے کرنا چاہتا ہوں جن کا ذکر سابق باب میں ہو چکا ہے[۱]۔ چین اور اس کے حدود، چین کے شہر اور بادشاہ، چینیوں کے عادات، لباس، نکاح اور کھانے پینے کے متعلق، دست کاری، مذاہب، بدھ پرستی، نظام حکومت اور درجات وظائف، تعلیم اور نقل کتابوں کے طریقے، وادی اجنبیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ، پیسے کاغذی زر وغیرہ ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان علما کی معلومات کی وسعت کہاں تک ہے اور قرون وسطی میں انھوں نے چین کے متعلق کیا رائے قائم کی تھی اور ان کی تحقیقات کہاں تک صحیح اور قابلِ قبول ہیں۔ اس اجمالی خاکے کی بنا پر ہم سب سے پہلے آپ کے سامنے ان کے وہ اقوال پیش کرتے ہیں جو چین اور اس کے شہروں کے متعلق ہیں۔

اس موضوع پر جس نے سب سے پہلے کچھ لکھا، وہ ابن خرداذبہ تھا (۸۴۸ء ۶۸۸)، وہ بیان کرتا ہے کہ "چین میں تین سو شہر ہیں۔ سب آباد ہیں ان میں نوّے بہت مشہور ہیں اور چین کی حدود ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف بلاد تبت اور ترک، اور غربِ ہندستان سے ملا ہوا ہے۔ چین کے مشرق میں ملک وقواق ہے، جہاں سونے کی کثرت ہے، وہاں کے باشندے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی سنہری قمیص چین میں آکر بیچتے ہیں۔

(صفحہ ۱۱۷ کا حاشیہ):- ابن خرداذبہ ص ۶۶

[۱] مولانا موصوف کی ایک اہم کتاب ہے، جو ہند و عرب کے تعلقات کے نام سے موسوم ہے۔

سلیمان تاجر سیرانی کہتا ہے: تمام چین آباد ہے۔ وہاں کے باشندے ہندستانیوں سے زیادہ خوب صورت اور لباس میں عرب کے مشابہ ہیں۔ جلوسوں میں ان کی ہیئت عربوں کے مانند ہے لمبے قبا پہنتے ہیں اور کمر بند بھی[۵۱]۔ ایک دوسری جگہ کہتا ہے: "چین بڑا خوب صورت صحت بخش اور پُر لطف مُلک ہے، ہوا بہت اچھی ہے اور بہت کم مریض پائے جاتے ہیں۔ چین میں آپ کو کوئی اندھا نظر نہیں آئے گا اور نہ کوئی کانا، اور نہ کوئی ایسا جس کی شکل میں بگاڑ ہو۔ چینیوں کے لیے ہر جگہ قلعہ دار شہر ہیں جس میں وہ محفوظ رہتے ہیں۔ وہ عربوں کی طرح سخی ہوتے ہیں۔[۵۲]

ابن ندیم، نجران کے ایک راہب کا قول نقل کرتا ہے جو چین سے ۳۷۷ھ میں واپس آیا اور اس سے بلاد روم میں ملاقات ہوئی۔ کہ: چین کے تین سو شہر ہیں، سب آباد، اور ہر پچاس شہر پر ایک حاکم رہتا ہے جو بادشاہ چین "بغبور" کی طرف سے حکومت کرتا ہے[۵۳] ابن خرداذبہ نے بھی "بغبور" کا ذکر کیا تھا۔ کہ چین کا بادشاہ "بغبور" کہلاتا ہے۔

قزوینی آثار البلاد و اخبار العباد میں کہتا ہے کہ: چین مشرق کا ایک وسیع ملک ہے جو اقلیم اوّل سے اقلیم سوم تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا عرض، طول سے زیادہ ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ "اس میں تین سو شہر ہیں، اور ان میں دو مہینے کی مسافت ہے۔ اس میں پانی اور

---

[۵۱] سلسلۃ التواریخ ص ۵۶ [۵۲] ص ۵۸

[۵۳] ابن ندیم، ص ۴۹۱

درختوں کی کثرت ہے۔ یہ برکتوں کا ملک ہے، پھل بہت ہیں۔ ارض اللہ میں سے سب سے اچھا اور سب سے عمدہ ملک ہے۔[۵۱]

ابن بطوطہ کہتا ہے: "ملک چین بڑا وسیع، کثیر الخیرات ہے۔ پھلوں کے لحاظ سے، زراعت کے لحاظ سے اور سونے چاندی کے لحاظ سے دنیا کا کوئی ملک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے درمیان ہی میں ایک دریا ہے جسے "آبِ حیات" کہتے ہیں اور "نہر چین" بھی اس نہر کی طرح جو ہندستان میں ہے۔ اس کا منبع خانبالق کے قریب پہاڑوں میں ہے اور وسط چین سے چین کلاں تک پہنچتا ہے، اس دریا کے دونوں کنارے آبادی ہے۔ سبزہ زار، باغیچے اور بازار پھیلے ہوئے ہیں، جیسے نہر نیل کے دونوں کناروں پر۔ مگر یہ کہ اس پر زیادہ آبادی ہے اور آبیاری کے آلات جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔[۵۲]

ادریسی "نزہتہ المشتاق" میں کہتا ہے: "چین میں تین سو شہر سب آباد ہیں، اس میں کئی بادشاہتیں ہیں، جو "یغبوغ" کی اطاعت کرتے ہیں اور "یغبوغ" چین کا شہنشاہ ہے[۵۳]

اصطخری اقلیم الارض میں لکھتا ہے: مملکت چین کے مشرق اور شمال میں سمندر ہے اور اس کے جنوب میں ممالک اسلام اور ہند ہے۔ ملک چین میں سارے بلاد ترک، اور تبت کا کچھ جزو داخل ہے اور

---

[۵۱] اصلی عبارت یہ ہے: وانہا کثیرۃ الما کثیرۃ الاشجار، کثیرۃ الخیرات، وافرۃ الثمرات من احسن بلاد اللہ وانزھھا (ص ۳۵)

[۵۲] ابن بطوطہ ص

[۵۳] ادریسی، جلد ۱، ص ۱۶۶

کچھ بدھ پرست چینیوں میں شمار کیے جاتے ہیں[۵]۔ قلزم سے سیدھا چین جانے میں دو سو مرحلہ کا راستہ ہے۔

اوپر کے اقتباسات سے جن کو ہم نے آٹھویں صدی کے ابن خردا ذبہ کی کتاب سے لے کر، تیرھویں صدی کے ابن بطوطہ تک اخذ کیا ہے، اس زمانے کے چین اور اس کے حدود بغیر کسی ایضاح اور تفصیل کے خوب سمجھ میں آتی ہے۔ کیوں کہ آپ کو ابن خردا ذبہ کے کلام میں چین کی تعریف اور حدود ان الفاظ میں بہ خوبی ملیں گے کہ "چین کے حدود سمندر سے لے کر بلاد تبت اور ترک تک، اور مغرب میں ہندستان تک، اور چین کے مشرق میں بلاد وقواق (جاپان) ہے"۔ ان حدود کو اصطخری نے اپنی کتاب میں یوں بیان کیا ہے کہ "مملکت چین کے شرق اور شمال میں سمندر بیکراں، اور اس کے جنوب میں ممالک اسلام اور ہند ہے، اور سارے ممالک ترک اور تبت کا کچھ حصّہ اس میں داخل ہے"۔ اصطخری کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نظریے کو چین کی جائے وقوع کے متعلق ابن حوقل کے نظریے پر مبنی کیا ہے۔

ابن حوقل پہلا عرب مصنف ہے جس نے کرۂ ارض کا ایک نقشہ تیار کیا اور بعد میں جتنے علما طبقات الارض اور جغرافیہ داں گزرے اس کے نظریے سے مستفید ہوے۔ اس نے اپنے نقشے میں مکہ کو مرکز بنایا اور افریقہ اور ایشیا کو رو بہ رو دکھایا۔ مگر اس نے جزائر فلپائن اور ملایا کے متعلق جیسے کہ اب معروف ہیں کچھ ذکر

---

۵ اصطخری صذا - ۵۲ ص ۱۲

نہیں کیا۔ بحر کاہل کو چین کے شرقی شمال میں دکھایا اور ممالک ترک کو اس کے غرب میں، اور ہندستان اور ممالک اسلامیہ چین کے جنوب میں اس میں کوئی شک نہیں کہ جغرافیہ کے متعلق موجودہ علما کا نظریہ، ابن حوقل کے نظریے سے کچھ مختلف ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ بحر کاہل کو چین کے مشرق میں دکھاتے ہیں اور روس کو اس کے شمال میں۔ بہ ایں ہمہ برِ اعظم کے موقع اور اثبات میں انھوں نے ابن حوقل کی رائے سے زیادہ اختلاف نہیں کیا۔ موجودہ زمانے کے جغرافی نقشے پر نظر ڈالئے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ بلاد عرب کے ساتھ مشرق میں ایران ہے، پھر سندھ، پھر ہندستان پھر تبت، پھر چین۔ اور یہی ترتیب آپ کو ابن حوقل کے نقشے میں ملے گی۔ فرق اتنا ہے کہ اس نے برِ ایشیا کو برِ افریقہ کے بالکل مدمقابل نہیں دکھایا بلکہ اس کا ایک چھوٹا جز یعنی سندھ تک اس کے مدمقابل قرار دیا، اور افریقہ اور چین کے درمیان ایک سمندر بیکراں حائل کر دیا۔ یہ تو چین کے حدود کے متعلق ہے۔

اب سلیمان سیرافی کے قول پر کچھ توجہ کیجیے۔ وہ کہتا ہے کہ: "اہلِ چین ہندستانیوں سے زیادہ خوب صورت اور لباس وغیرہ میں عربوں سے مشابہ ہیں۔ ملک چین خوب صورت اور تروتازہ ملک ہے۔ یہاں بیماری بہت ہی کم ہوتی ہے، اندھے اور کانے دکھائی نہیں دیتے۔ ہر جگہ فصیل دار شہر ہیں۔" اور ادریسی کے قول کو ملاحظہ کیجیے کہ: "چین میں کتنے بادشاہ ہیں مگر "یغبوغ" کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ "ملک الملوک" یعنی شہنشاہ ہے۔ اور ابن بطوطہ کے قول پر بھی نظر کیجیے کہ "دریائے چین کے کنارے، مصر کے نیل کی طرح، آبادیوں، کھیتوں، سبزہ زاروں

اور بازاروں کی کثرت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دریائے چین کے کنارے زیادہ معمور اور ان پر کثرت سے آلات آبیاری نظر آتے ہیں'' ان باتوں کی صحت پر ہم کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے، کیوں کہ چینیوں کا لباس اب تک بھی عبائے عرب کی طرح ہے خصوصاً ارسال اور طول میں۔ اور چین کے شہر آج تک قلعہ بند ہیں جیسا کہ قرون وسطی میں تھے۔ ملک چین پرانے زمانے میں نو ولایتوں میں منقسم تھا اور ہر ولایت میں ایک والی رہتا تھا اور ان سب کا حاکم شہنشاہ تھا اور اور یہی سے اس قول کا مطلب کہ " چین میں کئی بادشاہ ہیں، مگر وہ یفبوغ کی اطاعت کرتے ہیں" اس نظام حکومت سے تھا اور وہ دریا جسے ابن بطوطہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا۔ یانگ ٹسی کیانگ ہے۔

سلیمان سیرافی کے ملاحظات میں ایک دقیق بات یہ ہے کہ" چین میں اندھے اور کانے دکھائی نہیں دیتے"۔ اس بات کی اہمیت مصر آنے سے قبل، میں نے نہیں سمجھی تھی مگر مصر آنے کے بعد جب میں نے ٹرام کے ہر ایک اسٹیشن پر نابینا دیکھے تو میرے منہ سے خواہ مخواہ یہ الفاظ نکلے " وا عجبا ما اکثر عمیار بمصر[1]"

علمائے عرب نے چین کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک کی مسافت پر بھی بحث کی ہے۔ مثلاً ابن خرداذبہ نے جو آٹھویں صدی میں گزرا ہے، یہ بیان کیا ہے کہ" لوقین" سے خانفو تک جو چین کی ایک بڑی بندرگاہ ہے۔ بحری راستے سے چار روز کی مسافت ہے اور خشکی کے راستے سے بیس روز کی۔ خانفو میں ہر قسم کے میوے اور ترکاریاں اور

---

[1] کیا بات ہے کہ مصر میں اس قدر اندھے ہوتے ہیں۔

غلّے جیسے کہ جو اور گیہوں وغیرہ اور گنّے ہوتے ہیں اور خانفو سے "جانجو" (CHANG CHOW) تک آٹھ روز لگتے ہیں۔ اس میں بھی وہی چیزیں پائی جاتی ہیں جو خانفو میں ہیں اور چین کی ہر بندرگاہ میں بڑا دریا ہوتا ہے جس میں کشتیاں جاتی ہیں اور دن رات مد و جزر آتا ہے۔[۵۱]

ابن ندیم ابی دلف ینبوعی سے نقل کرتا ہے کہ چین کا وہ شہر جس میں بادشاہ رہتا ہے، "حمدان" کہلاتا ہے۔ تاجروں اور بیوپاریوں کا شہر "خانفو" ہے۔ اس کی لمبائی چالیس فرسخ ہے۔ چین کے شہروں میں سے 'ورحو، بانصو، اور ارمایل بھی ہیں، جہاں سے بانصو تک دو راستے ہیں۔ اور بانصو ملک تبت، ترک اور تفرغز (یوناں (YUN NAN) سے ملا ہوا ہے جہاں بڑے بڑے خزانے ہیں اور تبت سے خراساں تک کوئی تین ہزار فرسخ ہیں اور ملک چین میں ایک شہر "سیلا" (کوریہ) ہے وہ بہت بہتر اور عمدہ شہر ہے، وہاں سونا کثرت سے پایا جاتا ہے۔[۵۲]

ادریسی نے بہت سے شہروں کا ذکر کیا ہے جن کے نام اب بدل چکے ہیں، اصلی نام نہ پہچانے جانے سے اب ان کی جائے وقوع کا پتا لگانا مشکل ہے۔ مگر جن حالات کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل قرون وسطیٰ کے چینی شہروں کے مطابق ہیں۔

ادریسی کے نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق میں جن چینی شہروں کے نام ملتے ہیں وہ سوسہ، سقدا، طرغا، صینیین الصین (ابن بطوطہ اور مسعودی نے بھی صینیین الصین کا ذکر کیا ہے) اسحدا، سوخو، باجۃ، بشیہار، قاسا، حالکو اور خانفو ہیں۔

---

۵۱ ابن خرداذبہ صفحہ ۶۹ ۵۲ ابن ندیم صفحہ ۴۹۱

ادریسی کا قول ہے کہ "سوسۃ" ایک مشہور شہر ہے۔ کثیر العمارات جامعہ الخیرات ہے۔ شہر والوں کے پاس رُپیہ اور دولت کی کثرت ہے۔ اس کی مبارک تجارت کا بازار خوب گرم ہے۔ ان کا رُپیہ جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے، تمام شہروں سے ان کا معاملہ ہے۔ اس شہر میں ایسے عمدہ چینی برتن بنائے جاتے ہیں کہ چین کے کسی دوسرے شہر میں ان کی نظیر نہیں ملتی اس کے اِرد گِرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ بہت سے ہیں، ریشم کے کارخانے اور دیگر دست کاری کی دُکانیں کثرت سے ہیں۔

شہر سوسۃ الصین، دریائے "حمدان" کے مشرقی جانب واقع ہے جہاں سے "قابطو" جانے کے لیے چودہ منزلیں ہیں اور "صینیۃ الصین" تک سولہ، اور "سقلا" تک آٹھ روز۔ شہر "سقلا" خوب آبادی، تجارت کا دَور دَورہ ہے، اونچی اونچی عمارات ہیں اور خوب صورت مکانات ہیں۔ وہاں ہمسایہ شہروں کے تاجر اپنے اپنے مال لیے ہوئے جاتے ہیں، اس میں ریشم اور برتنوں کے کارخانے ہیں۔

"سقلا" سے "صینیۃ الصین" تک سترہ منزلیں ہیں اور "طوغما" تک آٹھ۔ "طوغما" ایک بڑا شہر ہے جس کی کوئی فصیل نہیں مگر وہ خوب آباد ہے۔ نقل وحمل کے وسائل موجود ہیں وہاں ہر قسم کا سامان مہیا کیا جا سکتا ہے۔ وہاں سے "صینیۃ الصین" تک آٹھ منزلیں ہیں اور یہ شہر چین کے آخر کنارے پر واقع ہے اور اس کے بعد کوئی ایسا شہر نہیں جس کا رقبہ اس قدر وسیع، جہاں مال کی اس قدر کثرت اور جہاں تجار کے اجتماع اس قدر عظیم الشان ہوں۔ ہندستان کے بعض شہروں سے بھی تاجر یہاں آتے ہیں۔ صینیۃ الصین سے شہر "سنجو"

تک آٹھ منزلیں ہیں اور یہ شہر ایک چٹیل میدان میں واقع ہے اور اس زمین میں سوائے زعفران کے درخت کے کوئی اور درخت نہیں ہوتا اور یہاں سے زعفران تیار کرکے چین کے سارے شہروں میں جاتا ہے۔ اس شہر میں ریشم اور چینی برتنوں کی دست کاری بھی ہے۔ شہر "سنجو" سے "باجہ"[۱] تک چار منزلیں ہیں۔ یہ بادشاہ کا شہر ہے، جہاں شاہی محل ہے، اس کے سپاہیوں کی عمارتیں ہیں، بیت المال اور جنگی ذخائر ہیں۔ یہ شہر دریائے حمدان کے کنارے واقع ہے۔ حمدان سے شہر "خانقو" اور "خابگو" سے ہوکر یہاں آسکتے ہیں۔ شہر "باجہ" شہر "سوخو" تک چار منزلیں ہیں۔ یہ ایک ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ "سوخو" اور دریا کے درمیان کوئی چار منزلیں ہیں، اور شہر "سوخو" سے "شیہار" تک نو منزلیں۔ شہر "شیہاز" میں بادشاہ کا نائب رہتا ہے اور اس کے خدام وغیرہ۔ یہ ایک بڑا حاکم ہے اور ترکوں سے خوب لڑتا ہے[۲]۔

ادریسی ایک اور جگہ کہتا ہے کہ: شہر لوقین میں جو چین کی پہلی بندرگاہ ہے۔ عمدہ ریشم اور دیباج ہوتا ہے۔ وہاں سے ہر جگہ لے جاتے ہیں۔ یہاں چاول ہے، ناریل ہے، گنے ہیں اور ہر قسم کا غلہ۔ شہر "لوقیہ" سے "خانفو" تک دریا سے چار روز کا راستہ ہے اور خشکی سے بیس روز کا۔ "خانفو" ہی چین کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ یہاں ایک حاکم رہتا ہے جس کی بڑی شان شوکت اور بہت کم اقتدار حاصل ہے۔ اس شہر کے باشندوں کی غذا چاول، ناریل، دودھ اور گنے ہیں۔

---

[۱] ابن سعید المغربی کے مطابق اس شہر کا نام "تاجہ" ہے۔

[۲] ادریسی، جلد ۱، صہ ۱۴۹

یہ ایک بڑے دریا کے دہانے پر واقع ہے، جس سے کشتی میں شہر "باجہ" تک بیس روز لگتے ہیں۔

چین کے ساحلی شہر سے جزیرہ "شامل" تک چار روز اور یہ بحر چین کے آخر میں واقع ہے، خوب آباد اور جامع ہے۔ اس میں گیہوں چاول، گنے اور مچھلی خوب ہوتے ہیں۔ "جزیرہ شامل" سے جزیرہ "عاشورہ" تک چار روز۔ جہاں کی آبادی بہت کم اور زمین غیر مزروعہ ہے۔ سانپ بچھو کی کثرت ہے[1]۔ اور شہر "حانکو" بڑا عظیم الشان اور خوب صورت شہر ہے، بازار خوب منظم اور باغات خوب آراستہ ہیں، میوے کی کثرت ہے۔ اس میں ریشم کے کپڑے اور دیگر دست کاری کے بازار ہیں، غرض کہ اس شہر میں وہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں جو "خانفو" میں ہیں۔ ایک بڑا دریا اسے گھیرے ہے، اس دریا سے کئی شہروں تک جا سکتے ہیں[2]۔

بادشاہ چین اور اس کے اوصاف کے متعلق بھی علمائے عرب کے بعض قیمتی اور دل چسپ مشاہدات ہیں۔ مندرجہ ذیل سطروں میں ملاحظہ فرمائیں:۔

مروج الذہب و معدن الجوہر میں مسعودی کہتا ہے کہ: ملوک چین میں مختلف عقائد اور مذاہب ہیں مگر باوجود اختلاف دین کے وہ قضاۃ اور احکام کے اختیار کرنے میں عقل اور حق کے مطابق کام لیتے ہیں اور عوام و خواص کی حق رسی میں عدل سے۔

---

[1] ادریس، جلد ۱، ص ۵۷

[2] جلد ۱، ص ۱۶۶

چینیوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی ملک عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ عدل ہی خدا کی ترازو ہے اور عمل میں زیادہ انصاف ہی زیادہ احسان ہے۔[1]

سلیمان سیرافی کا بیان ہے کہ "چین کے ہر شہر میں ایک ایسی چیز موجود ہے جسے "درا" کہتے ہیں۔ یہ ایک گھنٹہ ہے جو بادشاہ کے سرہانے بندھا رہتا ہے جس کی زنجیر کا ایک سرا راہِ عامہ پر لٹکا دیا گیا ہے، جو بادشاہ سے کوئی ایک فرسخ کی مسافت پر ہے، اگر اس سرے سے زنجیر کو زراسی بھی حرکت دے دیں تو وہ گھنٹہ جو بادشاہ کے سرہانے ہے بجتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی داد خواہ، یا شکایت کرنے والا اندر آنے کی اجازت مانگتا ہے۔ پس اُسے آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ خاص بادشاہ کے پاس پہنچتا ہے اور اپنی مظلومیت بیان کرتا ہے۔ تمام ملک میں یہ طریقہ رائج ہے۔[2] سلیمان سیرافی نے ایک خراسانی تاجر کا قصّہ بیان کیا ہے جس پر ایک حاکم نے ظلم کیا اور اس نے بادشاہ چین کے پاس پہنچ کر شکایت کی اور بادشاہ نے حاکم کو خوب سزا دی اس قصّے سے آپ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اس وقت چین کے حاکم کے اوصاف کیا تھے۔ سلسلۃ التواریخ میں سلیمان کا بیان یہ ہے:۔

"اس خراسانی تاجر میں کچھ بخل اور تنگ دلی تھی، ہاتھی دانت وغیرہ مال کے بارے میں، اس میں اور "خانفو" کے سرکاری گماشتے میں جھگڑا ہو گیا۔ تاجر نے مال کے بیچنے سے انکار کیا۔ دونوں میں

---

[1] المسعودی

[2] سلسلۃ التواریخ صہ۴۲

معاملہ ایسا بگڑا کہ گماشتے نے زبردستی اس تاجر کا عمدہ عمدہ مال چھین لیا۔ تاجر مخفی طور سے حمدان جہاں بادشاہ رہتا ہے، پہنچا اور بادشاہ سے اپنی مظلومی بیان کی۔ ترجمان کے توسط سے سوال وجواب ہوتا تھا، تحقیق کے بعد جب کہ تاجر کا صدق ثابت ہوا تو شاہی گماشتے کو گرفتار کر لیا گیا، نہ صرف اس کے مال اور جائداد ضبط کر لیے گئے بلکہ نوکری سے بھی علاحدہ کر دیا گیا۔ اور اس سے کہا، تم قتل کے مستحق ہو۔ اس بنا پر کہ ایک شخص خراسان سے جو ہمارے ملک کے حدود پر ہے، بلاد عرب اور ہند ہو کر، ہمارے ملک میں فضل اور کرم کے واسطے آتا ہے، اور تم یہ چاہتے ہو کہ وہ مظلوم ہو کر یہاں سے واپس جائے۔ لیکن میں تم کو قتل نہیں کرتا، پس جاؤ ملوک کے مقبروں پر اور ان قبروں کی حفاظت کرو۔ کیوں کہ زندوں کا کام جب تم سے نہیں ہو سکتا تو سوائے مُردوں کی حفاظت کے تم کو اور کیا کام آتا ہے!“[۵۱]

یہ تو سلیمان سیرافی کا بیان ہے، اگر آپ نزہتہ المشتاق پڑھیے تو آپ کو پوری تفصیل ملے گی۔ نزہتہ المشتاق کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادریسی نے سلیمان سے یہ قصہ اخذ کیا، مگر ہمیں یہ معلوم نہیں کہ کس طریق سے۔ کیوں کہ سلیمان نویں صدی کے نصف میں عراق میں گزرا، اور ادریسی گیارھویں صدی میں صقلیہ میں۔ کوئی ایسی دلیل ہمیں نہیں ملتی کہ ادریسی نے اپنی زندگی میں بغداد اور بصرہ کی زیارت کی ہو۔ اس بنا پر یہ غیر معقول ہوگا کہ ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ ادریسی نے عراق میں اس قصے کا مغز حاصل کیا تھا۔ ہاں، یہ ممکن ہے کہ بعض تاجر سلسلۃ التواریخ

---

۵۱ سلسلۃ التواریخ، جلد ا۔ صد ۱۰۶

کا کوئی نسخہ جسے سلیمان نے ۸۵۱ء تک لکھا تھا، صقلیہ لے گیا ہو، جہاں ادریسی اپنی علمی تصانیف میں مشغول تھا، مگر یہ بھی ممکن ہی کہ اس نے اس قصّے کو کسی اور طریقے سے حاصل کیا ہو جس کا سلسلہ تواریخ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پس یہ خیال کیا جا سکتا ہی کہ ادریسی نے اس قصّے کو ان تاجروں کی زبان سے سنا ہو گا جو چین گئے تھے۔ کیوں کہ مغرب اور اندلس کے تجار ادریسی کے بہت زمانے پہلے چین جانا شروع کر چکے تھے، اور اس کے متعلق عربی کتابوں میں شہادتیں ملتی ہیں۔ ابی دلف ینبوعی کی کتاب میں جو ۹۴۰ء تک زندہ رہا، مغربی اور اندلسی تاجروں کے چین جانے کا ذکر ہی اور ابن ندیم سے اس سے اپنی فہرست میں نقل کیا ہی[۵۱]۔ یہ تو ادریسی سے ڈیڑھ صدی پہلے کی بات ہی، ادریسی کے زمانے میں، مغربی اور اندلسی تاجروں کا چین جانا بڑھتا گیا، حتیٰ کہ بعض تاجروں کو، جو چین گئے تھے اور وہاں ایک مدّت تک رہے، ہم وطنوں کی ستم ظریفی سے "چینی" کا لقب ملا[۵۲]۔

اس بنا پر ہم طریقہ ثانی کو یعنی لوگوں سے پوچھ پاچھ کر ملوک چین کا انصاف ثابت کرنا زیادہ مرجح اور مسلّم خیال کرتے ہیں۔ ہماری ترجیح کی دلیل یہ ہی کہ ادریسی اور سلیمان کے بیان میں بہت کافی فرق ہی۔ اگرچہ اصل مضمون میں فرق نہیں مگر مظلومین کے بادشاہ کے پاس جانے اور ان کے لیے بادشاہ کے انصاف کرنے کی کیفیت میں بڑا فرق ہی۔ سلیمان کا کلام جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا تھا مجمل تھا، مگر ادریسی

---

[۵۱] ابن ندیم۔ ص ۴۹۱

[۵۲] یاقوت، جلد ۵، ص ۴۰۸

نے اس تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں آپ کو ایک مجلس انصاف نظر آتی ہے اور بادشاہ ہی اس مجلس کا صدر ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ادریسی کہتا ہے: یغبوع جسے ملک الملوک بھی کہتے ہیں، نیک سیرت ہے، عادل ہے، بلند ہمت ہے، قوی ہے، صحیح رائے رکھتا ہے، بڑا مجتہد اور بڑا مہربان، اور فیصلے میں بڑا محل شناس، بخشش میں بڑا سخی ہے، قریب اور بعید معاملے پر نظر رکھتا ہے اور بڑا دُور اندیش ہے۔ خادموں کا معاملہ بغیر کسی توسط کے اس کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس کے محل میں ایک ایوان ہے، بہت بلند اور خوب محکم اور خوب صورت بنا ہُوا، وہاں اس کے لیے ایک سنہری کرسی رکھی ہوئی ہے اور ہر ساتویں دن وہ وہاں بیٹھتا ہے اور اس کے وزرا اس کے چاروں طرف۔ بادشاہ کے سرہانے پر ایک گھنٹہ لٹکا ہُوا ہے جس سے ایک سونے کی زنجیر محل کے باہر لگا دی گئی ہے۔ جب کہ کوئی مظلوم شکایت نامہ لے کر آتا ہے تو اس زنجیر کو کھینچتا ہے، تھوڑی سی تحریک سے گھنٹہ بجتا ہے۔ پس وزیر اپنا ہاتھ ایک طاق سے نکالتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مظلوم آجاؤ۔ وہ آتا ہے اور بادشاہ کے سامنے آکر آداب بجالاتا ہے، یعنی سجدہ کرتا ہے۔ پھر رُو بہ رُو کھڑا ہوتا ہے۔ بادشاہ شکایت نامے کو مظلوم کے ہاتھ سے لیتا ہے اور خود دیکھتا ہے، پھر وزرا کے حوالے کر دیتا ہے اور ان کو حکم ہوتا ہے کہ مظلوم کے مذہب اور شرع کے مطابق کسی تاخیر یا تطویل یا توسط کے بغیر فیصلہ کریں۔ بادشاہ چین اپنے معاملات میں بڑا مجتہد اور اپنی شریعت کا محافظ ہے، ان کی عبادت بدھوں کو پُوجنا ہے، غریبوں پر خوب صدقہ کرتا ہے۔ اس کے مذہب اور ہندستان کے مذہب میں تھوڑا فرق ہے۔ اہلِ ہند

وہ چین خالق کائنات کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی حکمت اور صنعت ازلیہ کو دیکھ کر اس کا وجود ثابت کرتے ہیں وہ رُسُل کے قائل نہیں اور نہ کتب سماوی کے۔ مگر وہ ہر کام میں عدل اور انصاف کا دامن پکڑتے ہیں اور اس کو نہیں چھوڑتے۔[۵۱]

اہلِ چین اور ان کی عادات

اب ہم اس طرف توجہ کریں گے کہ علمائے اسلام نے اہلِ چین اور ان کی عادات کے متعلق کیا کہا تھا اور یہ بھی دیکھیں گے کہ ان کی کتابوں میں مذکورہ باتوں کے متعلق جو اقوال ملتے ہیں وہ حقائق کے موافق ہیں یا نہیں۔

قزوینی "آثار البلاد و اخبار العباد" میں کہتا ہے: کہ اہلِ چین قبول صورت ہوتے ہیں اور دست کاری خوب جانتے ہیں۔ ان کا قد چھوٹا اور سر بڑا ہوتا ہے۔ ریشم کے لباس پہنتے ہیں اور ہاتھی دانت کے زیورات استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ بدھ پرست ہیں، ان میں مانی مذہب اور مجوسیت پائے جاتے ہیں، وہ نتائج کے قائل ہیں اور ان کے لیے خاص عبادت خانے ہیں"۔[۵۲]

ابن بطوطہ کا بیان ہے: چین کے باشندے بڑے دست کاری اور حرفت والے ہیں، ان کی صناعت مشہور ہے۔ علما نے اپنی اپنی تصانیف میں خوب بیان کیا ہے۔[۵۳]

"مخلوقات اللہ میں سے چینی لوگ بڑے دست کار ہیں اور

---

۵۱ ادریسی، جلد ۱، ص ۱۶۶ ۵۲ آثار البلاد، ص ۲۵

۵۳ ابن بطوطہ، ص

اس کام میں کوئی ان سے بازی نہیں لے جا سکتا[۱]

"اہلِ چین سیاست داں ہوتے ہیں اور بڑے عادل، اور صناعات میں بڑے ماہر۔ ان کا قد چھوٹا اور سر بڑا ہوتا ہے۔ ان میں مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں۔ مجوسی ہیں، بدھ پرست ہیں اور آگ کی بھی پوجا کرتے ہیں۔ یہ لوگ نقاشی اور تصویر میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک بچہ جو کام کرتا ہے کرۂ ارض کے دوسرے لوگ اس سے عاجز ہیں"[۲]

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرونِ وسطیٰ میں چینی بعض خاص صناعات اور دست کاری میں بڑی مہارت اور کمال رکھتے تھے، علمائے عرب نے اپنی کتابوں میں اس کے متعلق بہت کافی تفصیل دی ہے۔ ہم ان کے اقوال نقل کریں گے جب کہ ہم صناعاتِ چین پر بحث کریں گے۔

اور جہاں تک عادات کا تعلق ہے، سلیمان سیرافی سے لے کر ابن بطوطہ تک تمام علمائے عرب نے جو تاریخ امم اور جغرافیۂ عالم سے دل چسپی رکھتے تھے اپنی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے جو یہاں نقل کرنے کے قابل ہیں۔ ان کی بعض باتیں پوشاک سے متعلق، ہیں، بعض کھانے پینے، بعض بیاہ شادی اور بعض جنازے اٹھانے اور مُردوں کے دفن کے متعلق ہیں۔ ملاحظہ ہو سلیمان سیرافی لکھتا ہے:

"اہلِ چین: چھوٹے بڑے کے لباس، گرمی، سردی میں سب

۱۔ مروج الذہب، ص ۱۷۷

۲۔ تاریخ ابن الوردی، جلد ۱، ص ۸۵

ریشمی ہوتے ہیں۔ بادشاہ اور امرا بڑے عمدہ ریشمی لباس پہنتے ہیں۔ ان سے کم درجے کے لوگ، اس سے کم درجے کے ریشم کا۔ جاڑوں میں ایک شخص دو دو پاجامے، یا تین تین، یا چار چار یعنی سردی کی کمی اور زیادتی کے مطابق پہنتا ہے اور کبھی چار سے زیادہ بھی۔ غرض کہ یہ لوگ اپنے نیچے کے حصّوں کو سردی اور رطوبت سے بچاتے ہیں۔ مگر گرمی میں صرف ایک ریشم کا پاجامہ۔ وہ پگڑی نہیں پہنتے۔

اس کے بعد سلیمان چینیوں کی خوراک کے متعلق کہتا ہے کہ "ان کی غذا چاول ہے۔ بسا اوقات چاول "کوشان"[۱] کے ساتھ پکایا جاتا ہے۔ اور اسے چاول پر ڈال کر ایک ساتھ کھاتے ہیں۔ امیر لوگ گیہوں کی روٹی اور مختلف قسم کا گوشت کھاتے ہیں اور سور کا گوشت بھی۔ ان کے ہاں میوے کی کثرت ہے، مثلاً سیب، شفتالو، ناشپاتی، کیلا، گنّے، خربوزے، انگور، نارنگی، کھیرا، اخروٹ، بادام، کشمش وغیرہ۔ یہاں کھجور کا درخت نہیں ملتا، صرف ایک جگہ میں نے ایک شخص کے گھر میں دیکھا ہے۔"

اس کے بعد وہ پینے کے متعلق یہ بیان کرتا ہے کہ "ان کے پینے کی چیز ایک قسم کا نبیذ ہے جو چاول سے بنایا جاتا ہے، ان کے ملک میں شراب نہیں ہوتی اور نہ باہر سے آتی ہے، نہ اس کو پیتے ہیں اور نہ اس کو جانتے، مگر وہ چاول سے سرکا اور نبیذ اور شربت بناتے ہیں۔"

پھر کہتا ہے کہ ان میں ایک قسم کی گھاس ہے جسے اُبال کر اس کا پانی پیتے ہیں، تمام شہروں میں اس کی فروخت ہوتی ہے، اس سے چینی

---

[۱] اس لفظ کی اصلیت غیر معلوم ہونے سے میں اب تک یہ معلوم نہیں کر سکا کہ یہ کیا چیز ہے۔

حکومت کو بڑی آمدنی ہے۔ اسے "ساخ"[1] کہتے ہیں۔ اس کی پتیاں "رطبہ" سے زیادہ اور کچھ اچھی ہیں، اس میں کچھ تلخی بھی ہے۔ پہلے پانی کو کھولاتے پھر "ساخ" کو اندر ڈال دیتے ہیں۔ یہ چینیوں کے نزدیک سارے پینے کی چیزوں سے زیادہ مفید ہے۔ سرکاری مال گزاری میں جو چیز داخل کی جاتی ہے، ایک تو جزیہ ہے جو عربوں سے لیا جاتا ہے اور نمک اور یہ گھاس[2]

سلیمان سیرافی نے نویں صدی میں چین کا لباس اور اکل اور شرب کے متعلق جو کچھ کہا تھا، اس پر مزید حواشی چڑھانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ ہر وہ شخص جس کو تاریخ چین کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔ یہ بات بہ خوبی جانتا ہے کہ قدیم چین ہی وہ تنہا ملک ہے جس میں ریشم کی صنعت جگہ جگہ پھیلی ہوئی تھی اور اس کی تجارتی بندرگاہوں سے غیر ممالک کو جاتی تھی۔ ریشم کی تجارت میں چین کے تعلقات سلطنت روم، مملکت ایران، بلاد مصر، شام، عراق، مغرب اور اندلس کے ساتھ تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ چین کے باشندے، چھوٹے اور بڑے، سردی اور گرمی میں اپنے اپنے درجے اور قدرت کے مطابق ریشمی لباس پہنتے تھے۔ چینیوں کی غذا کے متعلق بھی یہ بات سب پر واضح ہے کہ چاول ہی چین کی اصلی پیداوار ہے۔ خاص کر جنوب چین میں جہاں سلیمان سیرافی نے سیاحت کی۔ سلسلۃ التواریخ میں یہ ذکر کہ ان گوشتوں میں سے جن کو چینی

---

[1] یہ چائے کا بگاڑ ہے۔

[2] سلسلۃ التواریخ صـ۲۱

لوگ کھاتے تھے سور کا گوشت بھی تھا اور ابن بطوطہ نے بھی اس کی تائید کی جب کہ اس نے کہا کہ کفارِ چین سور کا گوشت کھاتے ہیں اور بازاروں میں اسے بیچتے ہیں[۱]۔ اس بارے میں ہم کو کوئی کلام نہیں۔ بلکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کفارِ چین کو دنیا کی دوسری قوموں سے سور کا گوشت کھانے میں کہیں زیادہ رغبت تھی جیسا کہ اب بھی ہے۔

باقی رہی شراب۔ انگور کی شراب سے جیسی کہ قرونِ وسطیٰ میں ہوتی تھی، اس سے چینی ناواقف تھے، ان کو شراب کا علم صرف انیسویں صدی میں ہوا۔ لیکن ان کے پاس ایک اور قسم کا مسکر تھا جو چاول سے بنایا جاتا تھا، مگر اس کا اثر انگور کی شراب سے بدرجہا کم تھا۔ چاول کے اس عرق کو سلیمان نے نبیذ کا نام دیا۔ یہ زیادہ روز تک نہیں رکھا جا سکتا تھا، ورنہ کھٹا ہو کر سرکہ بن جاتا تھا۔

عربی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ سلیمان سیرافی ہی پہلا عرب تھا جس نے "ساخ" کا پتا لگایا جسے چینی خوب پیتے تھے۔ سلسلۃ التواریخ میں جو "ساخ" کا لفظ ہے، وہ "چاہ" (chah) کا محرف ہے۔ یہ موجودہ فارسی اور اردو میں "چائے" کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ عربی میں "شای" کا لفظ اس "چائے" کا بگاڑ ہے۔ اس کے بنانے کا طریقہ زمانہ قدیم سے اب تک وہی ہے جیسا سلیمان سیرافی نے بارہ سو سال قبل دیکھا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ چائے ہی چینیوں کے اہم مشروبات میں ہے۔ یہ مال گزاری کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ اس کتاب کی کسی دوسری جگہ آپ کو ممالک اسلام میں ترویج چائے کے متعلق کچھ اور تفصیل ملے گی۔

---

[۱] کفاد الصین یاکلون لحوم الخنازیر و یبیعو نہا فی الاسواق

سلیمان سیرافی نے چینیوں کی بیاہ شادی کے متعلق بھی بعض بیانات لکھے ہیں وہ یہ کہ "اہلِ چین جب کہ شادی کرنا چاہتے ہیں تو طرفین ہیں تحفے اور ہدیہ کا دور ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتا ہے، پھر ڈھول اور باجے سے شادی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ بیاہ شادی کا ہدیہ عام طور پر روپیہ ہی ہے جو اپنی اپنی مقدرت کے مطابق ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں[1]۔ اس کے متعلق ابوزید سیرافی مندرجہ ذیل اضافہ کرتا ہے" ملک چین میں شادی کا طریقہ ہے کہ قبیلے کے لوگ اپنے قبیلے میں شادی نہیں کرتے۔ چینیوں میں بنی اسرائیل کی طرح قبائل اور خاندان ہیں وہ اپنے قریبی اور نسبی رشتہ دار سے شادی نہیں کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اپنے قبیلے کے لوگوں سے بھی شادی نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر یہ فرض کر لیجیے کہ ان میں تمیم ہے، ربیعہ ہے، مُضَر ہے۔ پس بنی تمیم، تمیم میں شادی نہیں کرتے، نہ بنی ربیعہ، ربیعہ میں۔ مگر ہاں وہ مُضَر میں شادی کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ غیر قبیلے میں شادی کرنے سے اولاد تن درست پیدا ہوتی ہے[2]۔

ابوزید کے علاوہ مسعودی نے بھی چینیوں کے بیاہ شادی کے متعلق بحث کی ہے، مگر وہ صحیح نہیں، کیوں کہ وہ یہ کہتا ہے کہ "چینیوں کی مختلف قوم اور قبائل ہیں، جیسے کہ عرب کی مگر وہ سوا اپنے خاندان کے کسی اور خاندان میں شادی نہیں کرتے، مثلاً ایک شخص مضر ہے وہ ربیعہ میں شادی نہیں کرتا، یا وہ ربیعہ سے ہے مضر میں شادی

---

[1] سلسلۃ التواریخ، صہ ۵۳ [2] ۵۲ صہ ۱۱۵

نہیں کرتا، یا وہ کہلان سے ہو، بنی حمیر میں شادی نہیں کرتا، یا وہ حمیر سے ہو، کہلان میں شادی نہیں کرتا۔ ان کا خیال یہ ہو کہ ایسا کرنے میں صحیح نسل اور قوی جسم قائم رہتا ہو اور عمر زیادہ ہوتی ہو[1]۔ اس مسئلے میں مسعودی کی رائے غلط ہو، ابوزید نے جو کچھ لکھا، وہ صحیح اور واقع بھی یہ ہو کہ اہلِ چین نے شادی کے متعلق اب تک یہی روش اختیار کر رکھی ہو کہ اپنے قبیلے میں شادی نہیں کرتے، بلکہ کسی دوسرے قبیلے میں۔ مسعودی نے جو غلطی کی ہو میں سمجھتا ہوں۔ اس نے ماخذ کے سمجھنے میں غلطی کی اور ابوزید کے قول کو برعکس دکھایا۔

مکانات کے متعلق سلیمان یوں لکھتا ہو کہ "چینیوں کے مکانات لکڑی کے اور کھجور کے پتّوں کے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ وہاں آگ بہت جلد لگ جاتی ہو۔ اہلِ چین عربوں کی طرح ختنہ نہیں کرتے، اور ان کی عورتیں اپنے سروں کو کھولے رکھتی ہیں اور بال کو سنبھالنے کے لیے اس میں کنگھے لگاتی ہیں، مرد قلنسوہ کی جیسی ایک قسم کی ٹوپی اپنے سروں پر رکھتے ہیں[2]۔"

اور علم و تعلیم کے متعلق بھی سلیمان کا قول قابلِ توجہ ہو، ملاحظہ ہو: "چینیوں کے پاس بھی طب ہو۔ علاج کا عام طریقہ داغ دیا جاتا ہو۔ ان کو علم نجوم سے آگہی ہو۔ ہر شہر میں کاتب اور معلّم موجود ہیں وہ غریبوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کی اولاد کو بیت المال سے گزارہ ملتا ہو[3]۔ علاج کے لیے ان کے پاس ایک پتھر ہو جس کی لمبائی دس ہاتھ کی

---

[1] مروج الذہب، ص
[2] سلسلۃ التواریخ، ص۲۴
[3] سلسلۃ التواریخ، ص۵۷

ہے، وہ ایک عام جگہ نصب کیا ہوا ہے۔ اس میں بیماری اور علاج کے مختلف اقسام اور تراکیب لکھی ہوئی ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ ایسی بیماری میں ایسی دوا استعمال کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مریض فقیر ہو تو اس کو بیت المال سے دوا کا خرچ ملتا ہے"۔

یہ مشاہدات جن کو ایک نویں صدی کے عیسوی عرب تاجر نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور جن کے متعلق ہم کو بہت کم شک و شبہ ہے۔ اب ان محققین کے نزدیک قطعی شواہد کا کام دیتے ہیں۔ جو قرون وسطیٰ کے چین اور اس کی اجتماعی حالات دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں کے مکانات کی شہروں کو چھوڑ کر، اب تک تقریباً وہی حالت ہے جو سلیمان نے بیان کی۔ کیوں کہ چین کے مکانات موجودہ زمانے میں اکثر لکڑی کے ہوا کرتے ہیں اور آگ کی کثرت بھی ہے اور ختنہ کی طرف اب تک بھی کفار چین توجہ نہیں کرتے، چہ جائے کہ اس زمانے میں۔

چین میں پردے کا رواج بالکل نہیں تھا اور آج کل شمال چین کے مسلمانوں میں جو تھوڑا بہت پردہ نظر آتا ہے، اس کی تاریخ غالباً پچاس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ چینی مسلمان عورتوں میں جو پردہ ہے وہ مصری اور ہندستانی پردے سے بہت ہی مختلف ہے، ہم اس کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جب ہم چینی مسلمانوں کی عادات اور آداب کے متعلق کسی اور فرصت کے وقت قلم اٹھائیں گے۔

سلیمان سیرافی نے چین کے علم اور تعلیم کے متعلق جو بیان کیا ہے

اسے ہم مبالغہ نہیں سمجھتے، کیوں کہ وہ زمانہ جس میں سلیمان نے چین کی زیارت کی اور اپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات دیکھے، وہ خاندان تانغ (TANG) کا عہد تھا، تاریخ چین میں یہی عہد زرّیں ہے جو تاریخ اسلام کے عہد عباسی کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اس خاندان کے حکمرانوں کو علم اور تعلیم سے بڑا شوق تھا۔ چین کی تجارت اور صناعات بھی اس زمانے میں زیادہ فروغ پر تھی۔ حق تو یہ ہے کہ چین اس وقت مشرق بعید میں سب سے زیادہ طاقت ور سلطنت تھی۔ امرا کو علم نجوم اور طب سے بڑا شوق تھا۔ ان دو علموں میں تیرھویں صدی کے سلاطین مغلول ان کے وارث ہوئے۔ نویں صدی کے علمائے عرب نے چین کے مُردوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ ان کی کئی تصانیف ہیں، اس کے متعلق بیانات ملتے ہیں۔ ایک تو ابوزید نے جیسا کہ کسی پہلے باب میں اشارہ کیا تھا۔ سلسلۃ التواریخ کے دوسرے جز میں بہت کچھ کہا۔ پھر ابن ندیم کی الفہرست میں چینی مُردوں کا ذکر ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ابودلف الینبوعی سے روایت کیا ہے۔ مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو:۔

"اہلِ چین میں سے اگر کوئی مر جائے تو اسے ایک لکڑی کے بنائے ہوئے صندوق میں سال بھر تک رکھ دیا جاتا ہے، اس کے بعد بغیر لحد کے قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے اہل وعیال سے تین سال تین مہینے تین دن اور تین گھنٹے تک سوگ منایا جاتا ہے اور جس دن نعش کو اٹھا کر قبر کی طرف لے جاتے ہیں، تو میت کے حال اور مال کے مطابق راستے کو مختلف قسم کے ریشم اور دیبا سے

سجایا جاتا ہی۔

قدیم سے چینیوں کی عادت یہ چلی آئی ہی کہ آدمی مرنے کے بعد اس کی نعش کو ایک لکڑی کے بنائے ہوئے لمبے صندوق میں رکھ کر روغنی چونے یا کسی قسم کے وارنش سے اس کے چاروں کنارے خوب بند کیے جاتے ہیں، تاکہ باہر سے ہوا اندر نہ جائے اور اندر سے بدبُو نہ آسکے۔ یہ صندوق یا تو اپنے گھر کی کسی خاص جگہ رکھ دیا جاتا ہی یا خاندانی معبد میں۔ بسا اوقات ایک سال سے زیادہ مدت کے بعد دفن کی نوبت آتی ہی اور تین سال کے غم اور ماتم کی اس زمانے میں ایک قسم کی عادت ہوگئی تھی اور چینی آداب میں یہ ایک عادت محمودہ تھی جس کے باقی رکھنے اور حفاظت کے لیے ادیبوں نے بڑی مدح و ثنا کی ہی۔ یہی وجہ ہی کہ چین کے ادبیات میں زمانۂ قدیم سے لے کر ۱۹۱۱ء کے انقلاب تک اس عادت کا ذکر بہ کثرت ملتا ہی۔ مذکورہ انقلاب کی وجہ سے چین کی ذہنیت میں نمایاں تغیر ہوا اور اس عادت قدیم کا احترام کم ہوگیا اور اب دن بہ دن یہ رسم مختفی اور مستور ہوکر صرف تاریخ اور روایات کا ایک جزو رہ گئی ہی۔ آج کل چینی قوم میں ایسا طویل اظہارِ غم اور ماتم آپ کو کبھی نظر نہیں آئے گا۔

مذاہبِ چین

اب ہم ایک دوسرے نقطے کی طرف آتے ہیں جس پر علمائے عرب نے لمبی بحث کی ہی۔ یہ چینیوں کے مذہب ہیں جو اس زمانے کے چین میں پائے جاتے تھے۔ دیکھیے علمائے عرب مذاہب چین کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پہلا عرب جس نے مذاہب چین کے متعلق رائے ظاہر کی

تھی، وہ سلیمان سیرافی ہی تھا۔ وہ کہتا ہے" اہلِ چین بدھ کو پوجتے ہیں اس سے نیاز مانتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں"۔ پھر کہتا ہے، " مذہب چین کی اصلیت ہندستان سے ہے"[1] یہ بدھ مت کی طرف اشارہ ہے جو ہندستان کے شمال میں فروغ پاکر دوسری صدی مسیحی میں چین میں داخل ہوا۔

سلیمان بہ حیثیت ایک تاجر کے تفصیل کے ساتھ چینیوں کے عقائد پر بحث نہیں کرسکا۔ سلیمان کے قول سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ چینیوں کا مذہب صرف اس اجنبی دین یعنی بدھ پر منحصر تھا۔ بدھ مت اگرچہ بعد میں چین میں خوب رائج ہوا، لیکن چینیوں کے اصلی عقائد سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ چینی قدیم سے جیسا کہ ارواح آباواجداد پر عقیدت رکھتے تھے۔ اس طرح قوت بالا اور کواکب سماویہ پر بھی، اور اس عقیدت کے مطابق انھوں نے قوائے سماویہ کے لیے پتھر، درخت لوہا، چاندی اور سونے کی مختلف مورتیں بنائیں۔ مسعودی نے ان معتقدات کو اپنی کتاب" مروج الذہب و معدن جوہر" میں مفصل بیان کیا ہے جو یہاں نقل کی جانے کے قابل ہے۔ مسعودی کی آنکھوں سے دیکھیے کہ علمائے عرب نے قدیم چین کے معتقدات کو کہاں تک سمجھا۔

مسعودی یوں فرماتے ہیں:[2] " اہلِ چین کی بڑی تعداد یہ اعتقاد

---

[1] سلسلۃ التواریخ صہ ۵۷

[2] دیکھو باب" چین اور اس کے مذاہب قدیمہ" استاد بارکر (PARKR) کی کتاب:" چین اور مذاہب" میں۔ اور مسعودی کے بیانات کا مقابلہ کرو۔

رکھتی ہے کہ خدا کا کوئی جسم ہے، اور فرشتوں کا بھی جسم ہے اور ان کی خاص حیثیت ہے اور یہ کہ خدا اور فرشتے سب آسمان کے اوپر چھپے رہتے ہیں اس بنا پر وہ خدا کے لیے اور فرشتوں کے لیے مورتیں بناتے ہیں جو مختلف اشکال و اوضاع کی ہیں۔ بعض تو انسان کی شکل میں اور بعض غیر انسانی صورت میں ان کو پوجتے ہیں اور ان پر قربانی چڑھاتے ہیں اور ان کے سامنے نذریں پیش کرتے ہیں۔ یہ ان کے نزدیک خدا اور فرشتوں کی صورتیں ہیں اور ان کے توسط سے تقرب حاصل ہوتا ہے۔ ایک زمانے تک چینیوں کا یہ عقیدہ رہا اور اس کے مطابق عبادت کرتے رہے۔ بعد میں ایک بڑے حکیم نے ان کو بتایا کہ افلاک اور کواکب کو خدا سے سب سے زیادہ تقرب حاصل ہے اور یہ زندہ ہیں اور فرشتے کواکب اور خدا کے درمیان آتے جاتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یا ہوتا رہے گا، وہ کواکب کے ذریعے سے۔ کواکب دن کو چھپے رہتے ہیں اور کبھی آسمان صاف نہ ہونے سے رات کو بھی۔ اس نئی عقیدت کی بنا پر، قدیم چین کے حکما نے لوگوں کو یہ ارشاد کیا کہ کواکب کے لیے بھی ان کے عدد اور شکل کے مطابق مورتیں بنا دی جائیں۔ چین کا ہر ایک طبقہ اپنے درجے کے دیوتا کی تعظیم کرے اور اس کے لیے خاص اور علاحدہ قربانیاں اور نذریں مقرر کریں۔ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ مورتیوں کی تعظیم کرتے ہیں تو اجسام علویہ ان کی خواہش کے مطابق متحرک ہوتے ہیں۔ ہر صنم کے لیے انھوں نے ایک علاحدہ معبد بنایا اور ان مختلف کواکب کے مطابق خاص خاص نام رکھا گیا ہے[1]

---

[1] علی ہوامش نفخ الطیب جلد ۲، صفحہ ۱۳۷-۱۳۸۔

اہلِ چین ارواحِ آبا کی عبادت بھی کرتے تھے اور مسعودی کے مطابق اس کی ابتدا ایک بادشاہ "عرون" کے زمانے سے ہوئی جب کہ اس کا والد مرا تو اس کے جسم کے لیے ایک سونے کی مورت بنائی گئی اور اس پر جواہرات چڑھائے گئے اور یہ مؤرت ایک خاص مجلس میں رکھی گئی اور پھر اس کی عبادت کرنے لگے۔ جب کہ "عرون" مرا، تو اس کے فرزند "عبرور" نے اس کے لیے بھی ایک دوسری سونے کی مؤرت بنائی اور اس کی مجلس اپنے دادا کی مجلس سے کچھ نیچے بنائی۔ عبادت میں پہلے دادا سے شروع کرتا تھا، پھر والد کی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ بعد کی نسل ایسا کرتی رہی۔ چوں کہ بادشاہ نیک عادل اور نیک سیرت تھا، رعایا کا خوب خیال کرتا تھا، جب اس کی مؤرت بنائی گئی تو اہلِ مملکت، حکمران کی طرح مرے ہوئے حکمران بادشاہ کی عبادت کرنے لگے۔ پہلے تو یہ عادات صرف شاہی خاندان میں پھیلیں اور بادشاہ صرف خواص کو حکم دیتا تھا کہ ان مورتوں کی پوجا کریں۔ اس پوجا میں ایک اہم سیاسی اصول مضمر تھا۔ وہ یہ کہ لوگوں کو آہستہ آہستہ ایک ہی مذہب میں منسلک کر دیا جائے تاکہ نظام اور امن کے قائم کرنے میں زیادہ آسانی ہو۔ کیوں کہ اس زمانے کے بادشاہ یہ بات خوب سمجھتے تھے کہ ملک میں اگر کوئی شریعت نہ ہو، تو بدنظمی فساد یا خلفشار سے مامون نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہ نے رعایا کے لیے کچھ شرعی اصول مرتب کیے اور کچھ عقلی فرائض ان پر عاید کیے گئے۔ روابط قائم کرنے کے لیے بھی قواعد بنائے گئے، جان اور اعضا توڑنے کا قصاص ضروری قرار دیا گیا، نکاح کے ضوابط جاری کیے گئے اور

انساب کے مراتب بھی مقرر ہوے۔ ان قواعد میں سے بعض واجبات تھے۔ جن کے ترک کرنے سے لوگ سزا کے مستحق قرار دیے جاتے ہیں۔ اور بعض نوافل تھے جن کا پورا کرنا مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ خالق کی عبادت فرض ہے۔ روزمرہ کی عبادت میں رکوع و سجود نہیں ہوتے۔ بعض میں رکوع و سجود بھی ہیں، یہ خاص موسم کی عبادت ہے۔ ان کی عیدیں بھی ہیں۔ زنا پر حدود قائم کیے گئے۔ جو عصمت فروشی کا پیشہ کریں ان پر ٹیکس لگا دیا جاتا تھا۔[۱]

ایک دوسری جگہ مسعودی کہتا ہے: چینیوں کا مذہب زمانۂ اسلام سے قبل کے دین قریش کی طرح ہے۔ یہ لوگ بدھ پرست اور مورتی پوجا کے قائل ہیں۔ اُن کے عقل مند لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور مورتوں کو صرف قبلہ تصور کیا جاتا ہے۔ مگر جاہل لوگ جو خالق کو نہیں مانتے اس کے شریک گردانتے ہیں۔ ان بدھوں کو پوجنا ان کے نزدیک گویا کہ خدا کی اطاعت کرنا ہے، اور خدا تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ یہ مذہب شروع میں ہندستان میں ظاہر ہوا۔ پھر قریب ہونے کی وجہ سے یہاں بھی پہنچ گیا۔ چین میں مذہبی عقیدہ تقریباً وہی ہے جو ہندستان کے عالموں اور جاہلوں میں ہے۔

ان میں مختلف آرا اور متعدد فرقے ہوتے ہیں جو ثنویت اور دہریت سے پیدا ہوے۔ ان میں ایک دوسرے سے بحث اور مناظرہ ہوتا ہے۔ مگر ایک اچھی بات ان میں یہ ہے کہ جملہ احکام

---

[۱] علی ہوامش نفخ الطیب۔ جلد ۲۔ صہ ۱۶۱

میں وہ شرائع کی پابندی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے کہ ان کا مُلک طفرغز[1] سے ملا ہُوا ہو۔ چین کے بہت سے باشندوں کے ہم خیال ہو گئے۔ وہ مانویت کے پیرو ہیں اور روشنی و تاریکی کے قائل ہیں۔ پہلے تو یہ لوگ جاہل اور عقائد کے معاملے میں تاتاریوں کی طرح تھے۔ حتیٰ کہ مانویت کے شیطان ان میں پہنچے اور خوب باتیں بنائیں۔ اور دنیا کی تمام چیزیں ان کو متضاد اور متباین دکھائیں۔ مثلاً حیات و ممات، تن درستی و بیماری، نور و ظلام، غنا و فقر، وصل و فراق، طلوع و غروب، وجود و عدم، لیل و نہار وغیرہ وغیرہ ان کے سامنے بعض وہ آلام بھی بیان کیا جو انسان و حیوان محسوس کرتے ہیں اور بچوں کو، بے وقوفوں اور دیوانوں کو کیا کیا تکلیف ہوتی ہو۔ اور یہ کہ باری تعالیٰ ان بلاؤں اور تکلیفوں سے بَری ہو۔

مسعودی نے یہ بھی ذِکر کیا ہو کہ دُنیا میں سب سے قدیم معابد سات ہیں۔ پہلا مکہ کا بیت الحرام ہو جس کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، اور دوسرا اصفہان کے ایک پہاڑ کے اوُپر جو "مارس" کہلاتا ہو۔ تیسرا ہندستان میں ہو۔ اس کا نام "سندوساب" ہو۔ چوتھا "بدبھار" کہلاتا ہو جس کو منوشہر نے بلخ میں بنایا۔ یہ چاند کے نام سے موسوم ہو۔ پانچواں "بیت غمدان" جس ضحاک نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں فلک زہرہ کے نام سے بنایا، اور عثمان رضؓ نے جب اس کو فتح کیا تو یہ مندر تڑوا دیا۔ چھٹا "کامدشانشاہ"

---

[1] ملک طفرغز بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہو، یونناں (YUNNA) اور آنام (ANAM) سے مُراد ہو۔

ہے جسے ملک کارش نے سورج کے نام پر بنایا، جو ان کے نزدیک اجسام سماویہ میں سب سے بڑا مدبر ہے۔ یہ شہر فرغانہ میں بنایا گیا۔ اور معتصم کے حکم سے تڑوا دیا گیا۔ اور ساتواں بڑا مندر چین میں بنایا گیا۔ عابور بن بعویل بن یافث کے حکم سے۔ یہ علۃ اولی کی طرف اس وجہ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ اسی سے تاسیس سلطنت چین کا امکان ہوا۔

ابن ندیم الفہرست میں یہ ذکر کرتا ہے کہ "چینیوں کی عادت میں سے بادشاہوں کی تعظیم اور ان کی عبادت کرنا ہے۔ عوام اس کے پابند ہیں۔ شہر "بغرامہ" میں ایک بڑا معبد ہے جس کا رقبہ دس ہزار ضرب دس ہزار ہاتھ کا ہے۔ مختلف رنگ کے پتھروں اور اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور چاندی سونے سے سجایا گیا ہے۔ اس کے اندر پہنچنے سے پہلے بہت دور سے مختلف اقسام اور انواع کے تماثیل، مورتیں اور دیوتاؤں کی شکلیں ایسی عجیب اور عمدہ بنی ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ بخران کا ایک راہب جسے جاثلیق نے چین بھیجا تھا اور وہاں چھ سال تک رہا اور جس سے ابن ندیم کی ملاقات روم کے ایک گرجا میں ہوئی۔ اس سے بیان کرتا تھا کہ "یا ابو الفرج، خدا کی قسم، اگر ہم میں سے کوئی نصاری یا یہودی یا مسلمان اپنے خدا کی تعظیم ایسی کریں جیسی کہ اہل چین اپنے بادشاہوں کی مورت کی کرتے ہیں، تو رحمت کی بارش اس پر ضرور گرے گی۔ اس منظر کو جب لوگ دیکھتے ہیں تو ہیبت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ کئی دن تک ان کی عقل غائب رہتی

ہے۔" یہ سن کر ابن ندیم نے کہا: "کوئی شیطان ضرور ان پر مسلط ہوگا، اور ان کو راہِ خدا سے گمراہ کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہوگا۔" راہب نے کہا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔[۱]

چین کے مذاہب کے متعلق مسعودی اور ابن ندیم نے جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اہلِ چین ایک ایسے خالق کے معتقد تھے جس کے جسم ہو۔ اور اس کے بھی معتقد تھے کہ کواکب سماویہ انسان کی زندگی پر اثر کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خالق کے علاوہ ان کواکب کے لیے بھی معابد اور مورتیں بنا کر ان کی پوجا کرتے اور قربانیں چڑھاتے تھے۔

(۲) اہلِ چین، ان کواکب کے علاوہ ارواح سلف کے معتقد بھی تھے۔ یہ ان کی عقیدت کے مطابق ان کی شکایت، درد دکھ اور التجا سنتی تھیں مرنے کے بعد ان کی مورتیں بنا کر گھر میں رکھی جاتی تھیں اور صبح و شام ان کی پوجا ہوتی تھی اس خیال سے کہ یہ ان کی زندگی کے آلام دور کرتی اور برکت لاتی ہیں۔

(۳) ہندستان سے بدھ مت کا داخلہ ہوا، اور مانویت کا ایران سے، اور یہ دونوں مذہب مسلمانوں کی آمد کے وقت چین میں موجود تھے۔

(۴) مملکت چین کے خواص بادشاہ کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے تھے اور بعد میں عوام بھی ان کی تقلید کرنے لگے اور آہستہ آہستہ

---

[۱] ابن ندیم ص ۴۹۷

یہ عادت پھیل کر مذہب کا ایک جزو سمجھا گیا۔

ان اسما مفروضہ سے قطع نظر جو مروج الذہب اور الفہرست میں وارد ہوئے ہیں[۱] ہم ان کے بیانات سے متفق ہیں کہ قدیم چین میں ایسے ہی عقائد کی اشاعت ہوئی، حتیٰ کہ آج بھی ہم بعض ایسے عقائد چین میں باقی پاتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ عقیدہ کہ اجسام سماویہ کی تاثیر انسان کی زندگی پر پڑتی ہے اور ارواح سلف خلق کے آلام زندگی دور کرتی ہیں۔ ان کے لیے خاص خاص معابد بنائے جاتے ہیں۔ سلف سے مراد چینیوں کی عقیدت میں سلف صالحین ہیں، نہ کہ مطلق سلف۔ کفار چین نہ صرف اپنے آباو اجداد کے لیے جو اپنی زندگی میں بڑے نیک کام کر گئے معابد بناتے ہیں بلکہ اکابر مسلمانوں کے لیے بھی۔ چناں چہ انھوں نے ولایت یونان (YUNNAN) میں سید اجل عمر شمس الدین کے لیے ایک معبد بنایا[۲] اور جزیرہ ہانان (HAINAN) میں ایک عرب بزرگ کے لیے ہیکل[۳] ابھی کچھ دن ہوئے کہ ہم نے چین کے ایک اسلامی پرچے میں یہ خبر پڑھی کہ حکومت نانکیں کا شعبہ تعمیر و تنظیم کے ایک رکن نے یہ تجویز پیش کرکے منظور کرادی کہ معروف مسلم سپہ سالار جانے یوچیں (CHANY YO CHIIN) کے لیے ایک شان دار معبد بنایا جائے۔ یہ سپہ سالار تاریخ چین میں

---

[۱] جیسا کہ "عرون" و "عبرور" و "بغزان"

[۲] تعلیقات علی حاضر العالم الاسلامی۔ جلد ۲۔ صـ ۳۳

[۳] HITH CHOO YU KEE : P. 188.

اس لیے مشہور ہی کہ چودھویں صدی کے نصف ثانی میں حکام مغول کو چین سے نکالنے میں اس نے زبردست خدمت انجام دی۔ اور اس خدمت کی یاد میں اب حکومت چین سے یہ تجویز ہو رہی ہی جس کی تعمیل عنقریب ہو جائے گی۔

بدھ مذہب اب تک بھی نیم سرکاری مذہب کی طرح چین کے تمام طبقوں میں جاری اور ساری ہی، مگر مانویت جس کا داخلہ چین میں عربوں کے بلاد فرس کے فتح کرتے وقت ہوا تھا یعنی یزدگرد کا فرار ہونا اور اس کے فرزند فیروز کا شہر "چانگ آن" میں پناہ لینا، اس مذہب کی آمد سمجھنا چاہیے۔ بعد میں اس کی کافی اشاعت ہوئی۔ مگر اب سوائے کچھ تاریخی یادگاروں کے اس کے آثار بہت کم نظر آتے ہیں۔ اور جہاں تک بادشاہوں کی تعظیم کا تعلق ہی، یہ دستور مانچو (MANCHU) کے آخر عہد تک رہا۔ اور سنہ ۱۹۱۰ء کے انقلاب نے اس بدعادت کو بھی جڑ سے اُکھاڑ دیا۔

صناعات چین کے متعلق عربوں کی معلومات

عربی کتابوں میں چینی صناعات کے متعلق بہت سے بیانات ملتے ہیں جن کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہی کہ قرون وسطیٰ کے علما اسلام کو چین کے مختلف صناعات کی طرف مثلاً: ریشم، تصویرکشی، ظرف سازی وغیرہ پر کافی توجہ تھی۔ اس کے ثبوت میں علمائے عرب کے کچھ اقوال یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

قزوینی جو ابن بطوطہ کا ہم عصر تھا، کہتا ہی: "باریک صناعات

ہیں چینیوں کو ایسی مہارت ہے کہ دوسری کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اہلِ چین جو کوئی چیز دیکھتے ہیں ضرور اس میں کوئی عیب نکال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے سوا دنیا کے لوگ دست کاری نہیں جانتے۔ اور اس باب میں بالکل اندھے ہیں مگر اہلِ بابل ان سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ لوگ کانے کہے جا سکتے ہیں"۔ نقاشی اور تصویرکشی میں واقعی اہلِ چین بڑا کمال رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ روتے ہنستے انسان کی تصویر ہو بہو کھینچ دیتے ہیں اور خوشی، شرمندگی اور بناوٹی ہنسی میں فرق دکھاتے ہیں"

قزوینی کے اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اہلِ چین اپنے دقیق ہاتھ، اور باریک دست کاری پر نہایت فخر کرتے تھے۔ صناعات کے باب میں دُنیا کی قوموں میں ان کا نظیر نہیں تھا مگر ان کو یہ ضرور اعتراف تھا کہ اہلِ بابل بھی نقوش اور تصویرکشی میں کچھ کمال رکھتے تھے، لیکن چینی دست کاری کے مقابلے میں وہ کانے کی مانند تھے اور صرف اہلِ چین کی دو آنکھیں روشن تھیں۔ ورنہ اہلِ بابل کے علاوہ دوسری قومیں صناعات میں بالکل اندھی تھیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قزوینی پہلا مسلم نہ تھا جس نے اس موضوع پر لکھا۔ اس سے پہلے مسعودی نے بھی بہت کچھ بحث کی تھی۔ مندرجہ ذیل عبارات ملاحظہ ہوں:-

"خدا کے بندوں میں سے اہلِ چین دست کاری اور نقش نگاری میں کمال رکھتے ہیں۔ ہاتھ کے کاموں میں کوئی قوم

ان سے سبقت نہیں لے جا سکتی۔ ان میں سے کوئی شخص جو ہاتھ کا ایسا کام کرتا ہے، کہ دوسرے لوگ نہیں کر سکتے تو اس کو لے جا کے شاہی محل کے سامنے رکھ دیتا ہے، اور سال بھر تک وہاں یونہی رہنے دیتا ہے۔ اگر اس اثنا میں کوئی دوسرا شخص اس میں کوئی عیب نہیں نکال سکا، تو بنانے والے کو بادشاہ کی طرف سے انعام مل جاتا ہے اور اس کو شاہی "صناع" کے زمرے میں داخل کیا جاتا ہے۔ اگر عیب نکالا گیا، تو بنانے والے کو کچھ نہیں ملتا اور وہ شاہی دروازے سے بھگا دیا جاتا ہے"۔

یہ ایک ترکیب ہے جس کے ذریعے بادشاہ ایک ماہر سے ماہر اور باکمال سے باکمال صناع جمع کر سکتے ہیں اور دوسری طرف یہ ایک قسم کی حوصلہ افزائی ہے جس کے کرنے میں اہلِ فن ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے کمالات دکھاتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مروج الذہب میں ایک روایت ہے کہ "چین کے ایک نقّاش نے ریشم کے ایک کپڑے پر خوشہ بنایا اور ایک پرند کو اُس پر جھپٹا مارتا ہُوا دکھایا، دیکھنے والا اس پر بالکل شُبہ نہیں کرتا تھا کہ یہ مصنوعی ہے۔ یہ تصویر شاہی محل کے سامنے عرصے تک آویزاں رہی اور کسی نے اس میں کوئی عیب نہیں نکالا۔ بعد میں ایک بڑا ماہر وہاں سے گزرا، تصویر کو دیکھ کر اس کی بُرائی کرنے لگا۔ چوکیدار اسے بادشاہ کے پاس لے گیا اور نقّاش کو بھی بُلایا گیا۔ دونوں کے رُو بہ رُو پُوچھا گیا کہ عیب کہاں ہے۔ ماہر نے کہا کہ خوشہ پر جب کوئی

پرندہ گرا ہو، تو لازم ہے کہ وہ جھک جائے۔ مگر اس نقاش نے خوشے کو سیدھا بنایا، اس میں جھکاؤ مطلقاً نہیں اور پرندے کو بھی سیدھا دکھایا، یہ اس تصویر کا عیب ہے۔ چناں چہ بنانے والے کو کچھ نہیں ملا۔

اس نمائش کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ہاتھ کا کمال دکھانا چاہتا ہے، فکر سے کام لے اور حتی الامکان لوگوں کو عیب نکالنے کا موقع نہ دے[1]

مسعودی اور قزوینی نے چین کے فنِ تصویر کے متعلق جو رائے قائم کی ہے اس کی تائید ابن بطوطہ کے مشاہدات سے مل سکتی ہے۔ وہ چین کے طول وعرض میں سفر کرنے کے بعد فن تصویر کے متعلق یہ خیالات ظاہر کرتا ہے "کہ فنِ تصویر کی پختگی اور کمال میں کوئی قوم چینیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، نہ رومی نہ ان کے علاوہ اور کوئی۔ کیوں کہ یہ لوگ اس باب میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ ہمارے مشاہدے کی بات ہے کہ چین کا کوئی شہر ہو جب کہ ہم اس میں پھر واپس آتے ہیں تو وہاں ہم اپنی تصویریں شہر کی دیواروں، اور کاغذوں پر بنائی ہوئی دیکھتے ہیں۔ ایک دفعہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پایۂ تخت میں داخل ہوئے اور ہم سب عراقی لباس پہنے ہوئے تھے۔ ہم شام کو دربار سے واپس آئے اور بازار سے گزرے تو اپنی تصویر اور ساتھیوں کی تصویریں سب کاغذوں پر بنی ہوئی پائیں جو دیواروں پر لٹکائی

---

[1] مروج الذہب۔ صـ۱۷۷

گئی تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی تصویر دیکھنے لگے اور اپنی اپنی شبیہ میں کوئی فرق نہیں پایا۔[1]

چین کے ریشم کی صناعت، اسلام سے پہلے عربوں کو معلوم تھی اور اس کی قدر و قیمت سے بہ راہ راست تعلقات قائم ہونے کے بعد واقف ہو گئے تھے۔ اس صناعت کا ذکر بہت سی عربی کتابوں میں جو مختلف زمانے میں تصنیف ہوئیں، ملتا ہے۔ سب سے پہلا عرب جس نے چینی صناعت کا ذکر کیا ہے، وہ نویں صدی عیسوی کے اوّل نصف میں گزرا، اس مصنف کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اعلا مہارت ریشم کی باریکی میں ہے اور سب سے بہتر ریشم وہ ہے جو سب سے زیادہ باریک ہے۔ اُس زمانے کے چینی امرا یہ فخر کرتے تھے کہ گرمی کے زمانے میں اعلا درجے کے ریشمی کپڑے سے لباس تیار کیا جائے۔ اس قسم کا ریشم بہت گراں تھا اور سلیمان سیرافی کے زمانے میں گرانی کی وجہ سے باہر کوئی نہیں لے جاتا تھا۔

سلسلۃ التواریخ کے دوسرے جز میں ابوزید کا ایک طویل بیان ہے جس سے آپ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اس صناعت کی باریکی کس درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ ابوزید کی روایت ہے کہ ایک بڑا تاجر سرکاری گماشتے کے پاس گیا۔ اسے بادشاہ نے شہر خانفو میں بھیجا تھا کہ ضروری مال جو بلادِ عرب سے آیا تھا خریدے۔ اس تاجر کو گماشتے پر ایک رتل ریشمی قمیص کے نیچے

---

[1] ابن بطوطہ ص

نظر آیا۔ تاجر نے خیال کیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو ہی کپڑے اوپر پہنے ہوگا۔ جب گماشتے نے دیکھا کہ تاجر اس کے تِل کو غور سے دیکھ رہا ہے تو پوچھنے لگا "کیوں، تم کو اس قمیص کے نیچے سے تِل دیکھ کر تعجب ہوا؟ پھر ہنس کر قمیص اُلٹی اور کہا گنو تو، دیکھو میرے اوپر کتنے کپڑے ہیں؟ اس نے پانچ کپڑے ایک دوسرے کے اوپر پائے اور ان کے باوجود تِل ان کے نیچے سے نظر آتا تھا۔ مگر یہ بھی خام ریشم تھا اور جو بادشاہ پہنتے تھے وہ اور زیادہ باریک اور لطیف ہوتا تھا۔[1]

سفال سازی کا بیان ابن فقیہ کی کتاب میں ملتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عربوں کو نویں صدی میں اس صناعت کا علم ہو چکا تھا۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ عرب تاجر چین کے برتن عباسیہ کے زمانے میں بغداد لایا کرتے تھے۔ اس دعوے کے متعلق ہمارے پاس بہت سی دلیلیں ہیں اور سب سے زیادہ قوی وہ چینی سفالین کے ٹکڑے ہیں جو عہد ٹانگ کے بنائے ہوئے ہیں اور حال میں کھود کر نکالے گئے۔ اس کے متعلق ہم آیندہ لکھیں گے جب کہ ہم صناعی تعلقات کے موضوع پر بحث کریں گے۔

ابن بطوطہ کے زمانے میں چینی برتن بلاد مغرب جاتے تھے اور بنانے کی ترکیب ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں یوں بیان کی ہے:

"شہر "زیتون" اور "صین کلاں" میں سفالوں کی صناعت ہوتی ہے۔ یہ ایک قسم کی مٹی سے بنائے جاتے ہیں اور اس مٹی میں

---

[1] سلسلۃ التواریخ، ص ۷۰

کوئلہ کی طرح آگ لگ جاتی ہے۔ یہ مراکشی ططفل کی مانند ہے۔ اور رنگ بھی اُسی جیسا ہوتا ہے۔ یہ مٹّی ہاتھیوں پر لاد لاد کر لائی جاتی ہے۔ پھر اس کے کوئلہ کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے ہیں، پھر اس میں آگ دی جاتی ہے اور تین روز تک وہ آگ میں جلتی رہتی ہے اور جب کہ وہ جل کر خاکستر ہو جاتی ہے تو اسے گوندھ کر دھوپ میں سُکھا لیتے ہیں۔ پھر آگ میں دوبارہ پکائی جاتی ہے۔ اہلِ چین اب تک یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ اس مٹّی سے برتن اور سفال بنائے جاتے شروع میں وہ مٹّی کو خمیرہ بناتے ہیں، اچھے برتنوں کی مٹّی کے مہینے بھر تک خمیر میں رہنے کی ضرورت ہے، اور جو کم درجے کے ہیں دس روز تک۔ اس کی قیمت ہمارے مُلک (یعنی مغرب) کے مٹّی کے برتن کی قیمت کے برابر ہے، یعنی بہت ہی ارزاں۔ اس کی دساور ہندستان اور دیگر ممالک جاتی ہے، حتیٰ کہ بلادِ مغرب تک بھی۔ وہ بہت اچھے قسم کے سفال ہوتے ہیں [۵]

چین کی صناعات میں سے جن کا ذکر علمائے اسلام نے کیا ہے، وہ فن بھی ہے جس سے کتاب کی نقل اور حفاظت ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں مگر ابو سلیمان داؤد البناکیتی نے اپنی تاریخ میں جو "تاریخ البناکیتی" کے نام سے علم کی دنیا میں مشہور ہے۔ اس کا حال خوب بیان کیا۔ ابو سلیمان غازاں خاں کا درباری شاعر تھا اور ۷۱۱ھ = ۱۳۱۷ء میں اس نے اپنی تاریخ لکھی

استاد براؤن نے ادبیاتِ ایران کے تیسرے حصے میں اس

---

[۵] ابن بطوطہ۔

امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں اہلِ چین کیوں کر کتابوں کی نقل اور حفاظت کرتے تھے۔ بناکیتی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ معلومات رشید الدین فضل اللہ سے حاصل کی۔ مگر ہمارے خیال میں جو بیان تاریخ البناکیتی میں ملتا ہے۔ جامعۃ التواریخ کے بیان کی نسبت کہیں زیادہ مفصل اور جامع ہے۔ بناکیتی بیان کرتا ہے کہ چینیوں میں کتابوں کی نقل کی عادت ہے۔ اور اب تک یہ دستور رہا ہے کہ وہ پرانی کتابوں کی نقل کرتے ہیں جن کی حفاظت وہ اس طرح کرنی چاہتے ہیں کہ کتب منقولہ کے متن میں کوئی تغیر یا غلطی وقوع ہونے نہ پائے۔ اس کا طریقہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ جب وہ کسی اہم کتاب کی نقل کرنا اور اسے صحیح سالم رکھنا چاہتے ہیں تو ماہر سے ماہر کاتب بلائے جاتے ہیں اور ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ کتاب مذکور کا ورق بہ ورق اور صفحہ بہ صفحہ کا ایک نسخہ خوش خط چوبی تختی پر نقل کر دیں پھر علما کبار جمع ہوتے ہیں اور نہایت اہتمام اور ذمہ داری کے ساتھ اس نسخۂ منقولہ پر نظر ثانی کرتے ہیں، جب کوئی غلطی پاتے ہیں تو اس کی تصیح کی جاتی ہے، اور غیر واضح مقام ہے تو صاف کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غلطی یا تبدیلی سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے اپنے نام تختی کے دوسرے رُخ پر لکھ دیتے ہیں جو اس بات کی شہادت ہے کہ نسخۂ منقولہ صحیح اور خالی از اغلاط ہے۔ پھر ماہر نقاش حاضر کیے جاتے ہیں کہ منقولہ نسخے کو کندہ کریں۔ اس طرح سے کہ عبارات حرفاً حرفاً تختی پر اُبھر آئے۔ جب کہ

اس ترکیب سے کتاب کے تمام صفحات کی نقل اور کندہ گی سے فارغ ہوجاتے ہیں تو تمام تختوں پر علی الترتیب نمبر لگایا جاتا ہے۔ اس کے بعد صندوق ایسی حفاظت سے رکھ دیے جاتے ہیں جیسے سیم وزر۔ پھر صندوق کے مُنہ پر سُرخ لاکھ کی مہر لگادی جاتی ہے۔ پھر ایک معتبر ذمہ دار شخص کی جو علما کی جماعت سے منتخب کیا جاتا ہے۔ تحویل میں صندوق دے دیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک خاص دفتر ہے اور یہ صندوق اس دفتر میں اس طرح رکھ دیے جاتے ہیں کہ جس طرف سُرخ مہر ہے، وہ رُخ اس کی کرسی کے مقابلے میں رہے۔ جب کوئی شخص اس کتاب کا ایک نسخہ چاہتا ہے تو اس کو اوّلاً کمیٹی کے پاس جانا پڑتا ہے۔ وہاں کتاب کی قیمت اور محصول دے کر اجازت لیتا ہے۔ کمیٹی کے حکم سے صندوق کو کھول کر ان تختوں کو نکالتے ہیں اور ان سے کاغذوں پر چھاپتے ہیں۔ جب چھاپنے سے فارغ ہوتے ہیں تو مطبوعہ اوراق کو جمع کرکے وہ درخواست گزار کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چینیوں کی پُرانی کتابوں میں ایسے تغیرات یا تفاوت نہیں ہوتے کہ اس نسخے میں کوئی کلمہ زیادہ ہے اور اس نسخے میں صرف ناقص [۵۱]

علمائے اسلام کو چین کی بعض ادویہ کا علم بھی تھا۔ ان ادویہ میں سے ایک مامیران (MAMIRAN) ہے ابومنصور جو کتاب "الابنیات عن حقائق الادویات" کا مصنف ہے (۱۰۰۰ھ) اس دوا کے خواص بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہ اس کی اصل چین سے ہے۔

---

۵۱ BROWNE LITERARY HISTORY: iii. P. 102

اور دسویں صدی میں جس میں ابو منصور زندہ تھا، یہ دوا اس نام سے ترکستان میں مشہور تھی۔ یہ ایک قسم کی عقاقیر ہے جس کو اطباء عرب "مامیروں" کہتے ہیں۔ جافکی کی روایت پر ابن بیطار نے جس کا ذکر ایک سابق فصل میں ہو چکا ہے۔ یہ ذکر کیا ہے کہ "مامیروں" چین سے آتی ہے اور اس کی خاصیت کور کوم کی خاصیت کی مانند ہے۔ اندلس، بلاد البربر اور یونان میں بھی پیدا ہوتی ہے۔ شیخ داؤد کی روایت ہے کہ اس دوا کی بہترین قسم چین سے آتی ہے، زرد رنگ کی ہے۔ استاد لوفر (LAU FER) کے مطابق ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا تھا کہ مامیروں چین سے آتی ہے اور اس جڑ کی خاصیت کور کرم جیسی ہے۔ حاجی محمد بلاد خطا کے بارے میں بیان کرتا ہے کہ قانصو کے پہاڑوں میں جہاں راوند کی کثرت ہے، ایک قسم کی جڑ ملتی ہے اسے اہلِ چین "مامیروں" کہتے ہیں، وہ بہت گراں دوا ہے، بعض امراض کے لیے بہت مفید ہے، خصوصاً دکھتی آنکھوں کے لیے۔ یہ گلاب کے پانی کے ساتھ پیسی جاتی ہے اور اسے مریض آنکھ پر لگا کر عجیب فائدہ ہوتا ہے۔
یورپ کے بعض علما نے اس دوا کی خاصیت کے متعلق علمائے عرب کی تصدیق کی ہے۔ مثلاً لیون ہارت داؤ ولف[1] سنہ ۱۵۸۳ء میں لکھتا ہے کہ وہ مامیران جس سے آنکھوں کا علاج ہوتا ہے کور کوم کی طرح زرد رنگ کی ہوتی ہے۔ پھر کہتا ہے کہ اس میں شک و شبہ نہیں کہ مامیران آنکھوں کے علاج کے لیے ایک مشہور عقاقیر

---
[1] TEAN HEART RAW WOTF

ہے، بڑی مقدار میں سنگاپور کے راستے سے ہندستان لائی جاتی ہے۔ اہلِ چین بہت امراض کے علاج میں اسے استعمال کرتے تھے، اور خاص کر آنکھوں کے صاف کرنے میں[1]

گلاب چین۔ ابن بیطار نے ایک قسم کے چینی گلاب کا ذکر کیا ہے۔ اور جسے عام طور پر نسرین بولتے ہیں اور فارسی میں گلاب چینی۔ یہ وردالصین کا جو عربی نام ہے ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ ابن بیطار نے ایک اور چینی دوا کا ذکر کیا ہے، جسے "شاہ چین" کہتے ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق یہ ایک چھوٹی سی گولی ہے، رنگ میں کالی، ایک جز کے دودھ سے بنائی جاتی ہے، دردسر کو دور کرتی ہے اور حرارت کم کرتی ہے اور زخم کی جلن اور جلدی سوزش کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کا سفوف لے کے زخم پر لگا دیا جاتا ہے۔ استاد سٹائین معجم فارس میں لفظ "شاہ چین" کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ایک قسم کا نباتی رس ہے جو چین سے آتا ہے۔ دردسر کے لیے بہت مفید ہے[2] سوک (SUK) اطبائے عرب کے نزدیک یہ ایک قسم کی عقاقیر ہے، جو متعدد عناصر نباتی سے تیار کیا جاتا ہے۔ ابن سینا کے قول کے مطابق یہ ایک طبی راز ہے جو صرف چینیوں کو معلوم تھا۔ اس کے لیے املاج استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ اہلِ چین اسے اوملائی (AUMLAI) کہتے ہیں۔ اس بنا پر ہمارا یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ ابن سینا کی کتاب "الشفاء" میں جو لفظ "املاج"

---

[1] SINO IRNICA P. 542

[2] " " P. 552

ہر وہ چینی لفظ "اوملائی" کا بگاڑ ہو۔

ان ادویہ کے علاوہ علمائے عرب چین کی اور نباتات سے بھی واقف تھے جن کی طرف خود اہلِ چین کم توجہ کرتے تھے۔ مثلاً "عَنبا"؛ مصر میں اسے "کانجا" کہتے ہیں۔ یہ ہندستان کا آم ہو جو وہاں کے تمام میووں کا سردار ہو۔ اس میوے کا ذکر ابن بطوطہ کے سفرنامے میں بہت ملتا ہو۔ اہلِ ہند اب تک یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ آم ہندستان اور اس کے قریبی ملکوں کے علاوہ جیساکہ برما اور بحرین ہیں، اور کہیں نہیں ملے گا۔ آم اس وقت مصر میں بھی پایا جاتا ہو مگر اس کی تاریخ پچاس سال سے زیادہ نہیں۔ اس کی ابتدا مصر میں غالباً محمد علی کبیر کے زمانے میں ہوئی۔ اب یہ پھل وہاں کافی شہرت پا گیا ہو۔ مگر وہاں کا پیدا کردہ آم سوائے شربت بنانے کے اور کوئی کام نہیں آتا۔ بازار میں جو اچھے اچھے آم ملتے ہیں وہ ہندستان کی درآمد ہو۔ مگر عجیب بات یہ ہو کہ آم تیرھویں صدی عیسوی میں سرزمینِ چین میں پایا جاتا تھا۔ اس پھل کی ہجرت چین تک غالباً اس صدی سے پہلے کا واقعہ تھا۔ کیوں کہ عرب کے عالم نباتات ابن بیطار نے اپنی کتاب "جامع المفردات" میں یہ ذکر کیا ہو کہ "عنبا" یعنی آم، بلاد ہند اور چین میں پایا جاتا ہو اور اب تک بھی جنوبی چین کے بعض حصوں میں جیسا کہ "کانتون" اور "یونناں" اس پھل کے درخت قلیل تعداد میں نظر آتے ہیں۔

ابن بیطار نے ایک اور چینی نبات کا ذکر کیا ہو جسے "یش" کہتے ہیں۔ وہ ابن شمجون کی سند سے بیان کرتا ہو کہ "بعض اطبا

کا قول ہو کہ بیش چین کے ان حصوں میں پیدا ہوتا ہو جو حدودِ ہند سے ملے ہوئے ہیں۔ اس کا پودا ایک ہاتھ سے بھی زیادہ اونچا ہوتا ہو اور پتیاں ساگ کی طرح کھائی جاتی ہیں[1]۔

سب کو معلوم ہو کہ چین میں پہاڑوں کے سلسلے بہت ہیں۔ اور چین کی حدود پر پہاڑ ہی پہاڑ ہیں اور ایسے اونچے کہ گزرنا مشکل ہوتا ہو، اور کبھی ایسا ہوتا ہو کہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک بے قعر وادی آتی ہو۔ ایک طرف سے دوسری طرف جانا ناممکن ہو جاتا ہو۔ لیکن عقلِ انسانی ان دشواریوں سے بھاگتی نہیں اور نہ ان کے سامنے عاجزی کی گردن جھکاتی ہو۔ بلکہ ان سب صعوبات پر غلبہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرتی ہو۔ اہلِ چین ان ناممکن گزر وادیوں پر معلق پُل بنا کر مواصلات آسان کر دیتے ہیں۔ اس قسم کا پُل عموماً مضبوط رسّی سے بنایا جاتا ہو اور ان رسّیوں کے اوپر ایک بڑا لمبا ٹوکرا باندھا جاتا ہو جس کے اندر آدمی یا جانور بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے ہر ایک طرف ایک رسّی باندھ دی جاتی ہو جو اپنی طرف کے پہاڑ تک کھینچتی ہو، جہاں ستون کھڑا ہو۔ پُل کے دونوں طرف لوگ مقرر ہوتے ہیں تاکہ وہاں سے گزرنے والوں کی مدد کریں۔ یہ اس طرح سے ہوتا ہو کہ ایک شخص مثلاً جنوب کی طرف سے آیا اور شمال کی طرف جانا چاہتا ہو تو اس ٹوکرے میں بیٹھتا ہو اور وہ شخص جو شمال کی طرف ہو وہاں سے ٹوکرے کی رسّی کو کھینچتا ہو، یہاں تک

[1] IERAND: P. 24-6

کہ وہ صحیح سالم دوسری طرف پہنچ جائے۔ جانوروں کے گزروانے میں بھی یہی ترکیب ہے۔

یہ عادت اب تک بھی چین کے بعض سرحدی مقامات میں موجود ہے، خصوصاً "سی چوان اور "یونتان" کے درمیان، مگر مشرق اور مغرب کے علما میں سے سوائے ڈاکٹر سن یات سین کے کسی نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا اور ڈاکٹر سن یات سین نے بھی اس بیسویں صدی میں تب اس کا ذکر کیا، جب کہ وہ حکمت چین کے موضوع پر اپنی کتاب "تین اصول" (THE THREE PRINCIPLES) میں بحث کر رہا تھا۔

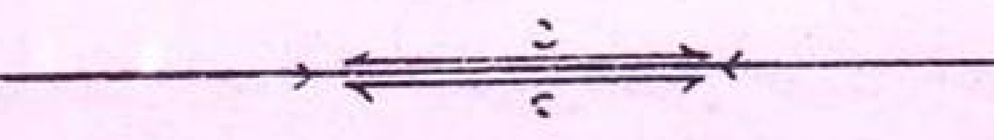
مگر علمائے عرب نے ہزار سال پہلے اس عجیب ترکیب کا تفصیل سے ذکر کیا جو اہلِ چین مشکل پہاڑوں کے درمیان گزرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ غالباً ابو دلف ینبوعی پہلا شخص تھا جس نے اس امر کا ذکر کیا تھا۔ پھر ابن ندیم نے اس سے اپنی الفہرست میں نقل کیا۔ الفہرست کی عبارت ملاحظہ ہو: "بین التبت والصین واد لا یدرک غوره ولا یعرف قعره، مهول موحش من جانب المغربی الی جانب الشرقی نحو خمس مائة ذراع وعليه جسر من عقب عملة حكماء الصين وصناعها وعرضه ذراعان ولا يمكن تجويز الماشية عليه من الدواب وغيرها الا بالشد والجذب فانه لا يتهيأ ولا يستقر عليه البهيمة ولكن الله الكثر الناس يجعل البهيمة والانسان في مثل الزنبيل ويسحبه الرجال الذين قد تعودوا العبور عليه"[1]

---

[1] الفہرست۔ ص ۲۹

(یعنی تبت اور چین کے درمیان ایک ایسی وادی ہے جس کی گہرائی معلوم نہیں اور نہ اس کی تہ، بہت خوف ناک ہے۔ مغربی جانب سے مشرقی جانب جانے میں پانچ سو ہاتھ کی مسافت ہے۔ اس وادی پر ایک پُل ہے جو حکمائے چین اور اس کی سابق کاری گری کا کارنامہ ہے۔ اس کی چوڑائی دو ہاتھ کی ہے، کوئی پاؤں چلنے والا سخت زحمت کے بغیر نہیں گزر سکتا۔ کیوں کہ وہ اس پر قائم نہیں رہ سکتا اور نہ وہ اوپر چلنے کے قابل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے لوگ انسان اور بہائم کو زنبیل کی قسم کی چیزیں بٹھا کر ان لوگوں کی مدد سے رسی کے اوپر تیرواتے ہیں، جن کو اس کے اوپر چلنے کی عادت ہے)۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں نے عربی کتابوں سے اس کے متعلق بہت کافی دلیلیں اور شہادتیں پیش کی ہیں کہ قرون وسطیٰ کے علمائے عرب و اسلام چین کی ہر حالت سے خوب واقف تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ایسی بات بھی معلوم کر لی تھی جس کے متعلق خود عام اہلِ چین کو خبر نہ تھی۔ معلق پُل اس کی مثال ہے۔ اب ہم اس بحث کو چھوڑتے ہیں اور آیندہ باب میں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ چین و عرب کے درمیان تجارتی تعلقات کیا تھے۔



باب چہارم

تجارتی تعلقات

چین و عرب کے درمیان تجارت کے تعلقات جیساکہ ہم نے ایک سابق باب میں بیان کیا ہے، اسلام سے کئی صدی پہلے شروع ہو چکے تھے اور یہ خشکی اور دریائی راستے سے ہوئے تھے، مگر فرق اتنا ضرور تھا کہ خشکی کا راستہ اس زمانے میں زیادہ منظم تھا۔ لیکن تجار عرب کبھی بحری راستے سے کشتیوں میں اپنے مال چین لے جاتے تھے۔ ان باتوں کے متعلق ہم اس کتاب کے آخر میں کافی بحث کر چکے ہیں۔ اس پر اکتفا کرتے ہوئے مزید تکرار کرنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا اس باب کو اُن تجارتی تعلقات کی بحثوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو مشرق اقصیٰ اور بلاد عرب یا عربوں کے مقبوضہ ممالک کے درمیان، زمانۂ اسلام میں واقع ہوئے۔

ابن خردادبہ، سلیمان سیرافی، ابن بطوطہ وغیرہ کی تصانیف سے پتا چلتا ہے کہ چین و عرب کی تجارت آٹھویں صدی عیسوی میں بہت منظم تھی اور نویں صدی کے درمیان سے اس میں بڑی ترقی ہوئی اور اس میں غالباً چودھویں صدی یعنی سلطنت مغول کے چین سے منقرض ہونے کے بعد زوال آیا اور سولھویں یا سترھویں

صدی میں گھٹتے گھٹتے بالکل موقوف ہو گئی۔

جہاں تک تجارتی راستے کا تعلق ہے، زمانۂ اسلام میں بھی قبل اسلام کی طرح خشکی اور بحری دونوں راستے جاری تھے مگر ظہورِ اسلام میں بحری راستہ زیادہ مستعمل تھا۔ بہ خلاف ایام قبل اسلام کے کیوں کہ ان زمانوں میں خشکی کا راستہ زیادہ منظم ہونے کی وجہ سے بحری راستہ کی طرف بہت کم تاجر توجہ کرتے تھے۔ اسی سبب سے اسلام کے علما اکثر بحری راستے کا اہتمام کرتے تھے، اور ان کی کتابوں میں جگہ جگہ ان جزائر کے حالات نظر آتے ہیں جو خلیج فارس اور جنوب چین کے درمیان واقع ہیں۔ مگر برّی راستے کا بیان سوائے ایک دو مصنّفوں کی تصانیف کے بہت کم نظر آتا ہے اور مصنّفوں میں سے ایک ابی دلف ینبوعی ہے اور یاقوت اور قزوینی نے جو کچھ برّی راستے کے متعلق لکھا وہ ابی دلف سے منقول ہے۔ ہم ابی دلف کی طرف رجوع کریں گے جب کہ ہم برّی راستے کی بابت اس باب کے آخر میں کچھ لکھیں گے۔

یہاں ہم کو بحری راستے اور ان بندرگاہوں سے بحث کرنی ہے جو خلیج فارس اور چین کے درمیان واقع ہیں۔ کیوں کہ چین و عرب کے تجارتی تعلقات کا انحصار انھی پر تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بحری تجارت میں عربوں کی پہلی اور اہم بندرگاہ شہر بصرہ تھا۔ یہ خلیفہ ثانی عمرؓ کا بنا کردہ تھا۔ قرونِ وسطیٰ کی بحری تجارت اور آبادی میں سیراف کا ہم سر تھا۔ لیکن زمانے نے سیراف کو اس طریقے سے مٹا دیا کہ اب سوائے کھنڈرات

اور کچھ اس کی جائے وقوع میں نظر نہیں آتا۔ مگر بصرے کی شان تو دیکھیے کہ اب تک وہ عروس دجلہ ہے اور آج دنیا کے اہم تجارتی مراکز میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ تجارتی کشتیاں جو بصرے سے لنگر اٹھا کر چین کی طرف روانہ ہوتی تھیں۔ فطرتی طور سے عمان، مسقط، بحرین، ابلہ اور ہرموز سے گزرتی تھیں۔ جنوب عربستان میں عدن جو ساحل قلزم پر واقع ہے، اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ یہ مصر اور سواحل فارس کی تجارت میں مرکز کا کام دیتا تھا۔ استاد ہیرت (HIRTH) "کوزمو" کی روایت سے یہ بیان کرتا ہے کہ چین کی تجارت عدن کے ساتھ چھٹی صدی عیسوی میں موجود تھی۔ اور سامانوں میں سے جن کا ذکر "کوزمو" نے کیا ریشم بھی تھا، جو پہلے سرندیپ آتا تھا، پھر عدن سے بحر ابیض کے سواحل کو جاتا تھا۔ ابن خرداذبہ نے بھی عدن کا ذکر نہیں چھوڑا۔ اس کا بیان ہے کہ عدن اس زمانے میں بڑی بندرگاہوں میں شمار کیا جاتا تھا، گو وہاں زراعت نہیں ہوتی تھی اور نہ مواشی کی تربیت، مگر عنبر، خوش بودار لکڑی اور مشک پیدا ہوتے تھے۔ سندھ، ہند اور چین کے بضائع وہاں جمع ہوتے تھے[۱] اور یہی بھی ابن خرداذبہ کی تائید کرتا ہے کہ "شہر عدن گو چھوٹا ہے مگر وہ اس وجہ سے مشہور ہے کہ یہ تجارتی کشتیوں کا بندرگاہ ہے جو مال لے کے سندھ، ہندستان اور چین تک جاتی ہیں اور وہاں سے مختلف قسم کے سامان، مثلاً لوہا، مشک، کاغذ، سفال، کافور، دارچینی اور دیگر

---

[۱] ابن خرداذبہ۔ ص ۶۱

اشیا لے کر آتی ہیں [1]

وہ بندرگاہیں جہاں تجارتی کشتیاں چین تک جانے کے راستے میں لنگر انداز ہوتی ہیں، وہ ملابار، سیلان، معبر، سماطرہ، جاوہ اور تونگ کینگ (TONG KING) ہیں۔ اور وہ شہر جو چین میں عرب اور ایران کی تجارت کی منڈیاں تھیں، وہ کانتون، چوان چاؤ، بانگ چاؤ اور ہانگ چاؤ تھے۔

اس بحری راستے پر ایک نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سیلان، چین اور خلیج فارس کے درمیان ایک تجارتی مرکز کی حیثیت سے واقع ہوا ہے۔ یہ مرکزی حیثیت جیسا کہ زمانہ قبل اسلام سیلان کو حاصل تھی، ویسا ہی عصور اسلام میں۔ اس کے متعلق ہمارے پاس "کوزمو" کی شہادت موجود ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں گزرا۔ "کوزمو" کا بیان سیلان کے متعلق استاد ولسن نے اپنی کتاب "خلیج فارس" (THE PERSIAN GULF) میں نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ لوگ جو مال کے تبادلے میں چین اور خلیج فارس کے درمیان چھٹی صدی میں آتے جاتے تھے، ان میں سے عرب، ایرانی اور حبشی سب تھے۔ ان کا مرکز جزیرہ سیلان تھا [2]

اسلامی زمانے کی سب سے قدیم شہادت ابن خرداذبہ کا وہ بیان ہے جو بصرے سے خانفو تک کے بحری راستے سے متعلق ہے۔

---

[1] HIRTH CHOO YUBUO: P. 314

[2] THE PERSIAN GULF: P. 59

اور سلیمان سیرافی کا سلسلۃ التواریخ بھی اس موضوع پر لکھا گیا تھا۔ عربی زبان کی دوسری کتابوں میں جو اس بحری تجارت کا ذکر ملتا ہے، سوائے ایک دو کتاب کے (مثلاً ابن بطوطہ کا سفر نامہ) وہ ان دونوں ہی سے نقل کیا گیا ہے۔ "علمائے اسلام اور چین" کے باب میں ہم نے اس باب کی طرف اشارہ کیا تھا۔ مگر اس بارے میں ابن خرداذبہ اور سلیمان کے اقوال پر مزید توجہ کی ضرورت ہے، ہم کو چاہیے کہ ان دونوں کی طرف پھر رجوع کریں اور غور سے دیکھیں کہ نویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں، جب کہ اہلِ یورپ جہالت کی نیند میں سوئے ہوئے تھے اور ان کو بحری تجارت کی اہمیت اور بین الاقوامی تعلقات میں اس کے لازمی اثرات کا مطلقاً علم نہ تھا۔ ان عرب مصنفوں نے اس بحری راستے اور تجارت کے متعلق کیا لکھا ہے۔

چین تک جانے کا بحری راستہ جیسا کہ ابن خرداذبہ نے ذکر کیا ہے۔ سرندیپ سے ہوکر تیمومتہ سے جاتا ہے (ابن فقیہ، تیمومتہ کو قیومہ لکھتا ہے) ابن خرداذبہ کے قول کے موافق، تیمومتہ میں عود ہندی اور کافور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ وہاں سے قمار جانے میں پانچ روز لگتے تھے۔ اور قمار میں ایک قسم کا عود ہوتا تھا جسے عود قماری کہتے ہیں۔ وہاں چاول بھی پیدا ہوتا ہے۔ قمار سے صنف تک تین روز کا راستہ ہے، وہاں عود صنفی پایا جاتا ہے۔ یہ عود قماری سے بہتر ہے۔ اس وجہ سے کہ بھاری اور سخت ہونے کے سبب پانی پر نہیں تیرتا، بلکہ ڈوب جاتا ہے۔ صنف میں گائے اور

بھینسیں بھی ہوتی تھیں [۱]

صنف سے لوقین (تونگ کینگ) تک جو چین کی پہلی بندرگاہ ہے، دریا اور خشکی میں سو سو فرسخ کی مسافت ہے۔ لوقین میں قیمتی پتھر، ریشم، عمدہ سفال اور چاول مہیا ہوتے ہیں۔ لوقین سے خانفو تک جو چین کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے، دریا سے چار روز اور خشکی میں بیس روز کا راستہ ہے۔ اس میں ہر قسم کے پھل، ترکاری اور غلے اور گنّے ملتے ہیں۔ چین کے ہر بندرگاہ کے پاس ایک بڑا دریا ہے جس میں کشتیاں چلتی ہیں اور دن رات مدّوجزر ہوتے ہیں [۲]

جو کچھ ابن خرداذبہ نے عرب کے ساتھ چین کی تجارت کے متعلق لکھا وہ اپنے علم مجرد سے لکھا جس میں مشاہدہ کو کوئی دخل نہ تھا، برخلاف اس کے سلیمان سیرافی نے اپنے مشاہدے سے لکھا، کیوں کہ اس نے کئی بار چین کا سفر کیا تھا اور سلسلۃ التواریخ کا جزو اوّل اس کے مشاہدات کا نتیجہ ہے جن کو اس نے اپنے بحری اسفار میں حاصل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیج فارس سے ہندستان اور چین کے بحری سفر میں معمولاً تاجروں کی بڑی تعداد شامل ہوتی ہے، جو ہندستان اور عراق یا چین اور عراق کے درمیان آتے جاتے تھے۔ اس کتاب میں بعض اقوال ایسے ہیں جو ان بندرگاہوں کے متعلق ہیں جہاں جہاں ٹھیر کر سامان لدواتے یا اُترواتے تھے۔ سلیمان سیرافی کا عینی مشاہدہ ہے کہ اکثر چینی جہاز بندر سیراف میں سامان لدواتے تھے اور وہ سامان جو بصرے

---

[۱] ابن خرداذبہ صہ ۶۸ [۲] صہ ۶۹

یا عمان میں تھے، وہاں سے پہلے سیراف لاتے تھے، پھر چینی جہازوں میں بھروائے جاتے تھے۔ چینی جہاز اس وجہ سے بصرہ نہیں جاتے تھے کہ اس دریا میں جو سیراف اور بصرہ کے درمیان میں ہے۔ بعض جگہ پانی کی کمی کی وجہ سے بڑے جہاز نہیں گزر سکتے تھے۔ سیراف اور بصرہ کے درمیان کی مسافت سلیمان ایک سو بیس فرسخ بتاتا ہے، جب کہ سیراف سے جہاز بھر کر مسقط کو روانہ ہوتے۔ ان کے درمیان کی مسافت بھی ۱۲۰ فرسخ ہے۔ اس بحر کے مشرقی جانب سیراف اور مسقط کے درمیان سلیمان کے زمانے میں ایک ملک تھا جو سیف بنی الصفاق کہلاتا تھا۔ اور ایک جزیرہ جو ابن کاوان سے موسوم تھا۔ جبال عمان بھی اس میں واقع تھے۔ جبال میں ایک گزرگاہ "دودر" تھی، چھوٹی کشتی وہاں سے گزر سکتی تھی۔ مگر چینی جہاز بڑے اور اونچے ہونے کی وجہ سے نہ جا سکتے تھے۔

پھر صحار عمان آتا ہے، اور وہاں سے ہندستان۔ ہندستان کی مشہور بندرگاہ کولم ملی تھی جہاں چینی جہاز آتے تھے۔ پھر ہرکند، پھر کلاہ بار۔ پھر تیومہ (ابن خرداذبہ میں تیومہ آیا ہے) پھر کندرنج، پھر صنف، پھر صندر فولات، پھر ابواب چین۔ یہ پہاڑوں کے نام ہیں جو سمندر کے درمیان واقع ہیں اور ہردو پہاڑوں کے درمیان ایک گزرگاہ ہے جس میں جہاز گزرتے ہیں۔ اگر خدا کے فضل سے صندر فولات تک جہاز صحیح سالم رہے تو مہینہ بھر میں آسانی کے ساتھ چین پہنچ سکتے ہیں۔ مگر یہ پہاڑ جہاں سے جہازوں کو لامحالہ گزرنا پڑتا، سات روز میں طے ہوتے تھے[1] جب کہ جہاز

(حاشیہ صفحہ ۱۷۲ پر ملاحظہ ہو)

ان ابواب سے گزر کر خلیج میں داخل ہوتے تو میٹھا پانی مل جاتا، اور سیدھے چین کی بندرگاہ میں پہنچ کر لنگر انداز ہوتے، یعنی بندر خانفو پر[1]

جہازوں کی آمد و رفت کے متعلق ماخذوں میں بھی بہت سے بیانات ملتے ہیں۔ "یوان چو" (GUAN CHOO) کی تصنیف سے جو نویں صدی کے شروع میں لکھی گئی اور جس میں "وجرابودھی" کے سفر (۷۱۷ء) سیلان سے چین تک کا ذکر ہے، یہ ثابت ہے کہ ایران کے پاس بھی تجارتی جہاز تھے جو چین کی بندرگاہوں اور سواحل خلیج فارس کے درمیان آیا جایا کرتے تھے۔ کیوں کہ "وجرابودھی" جو ایک بدھ مت کا عالم تھا۔ شمالی ہند سے سیلان پہنچا تو وہاں تیس[۳۰] ایرانی جہاز موجود تھے، جن میں جواہر اور قیمتی پتھروں کی بڑی مقدار لدی ہوئی تھی۔ سیلان میں ایک مہینہ رہ کر یہ عالم ایرانی تجار کے ساتھ پہلے سماٹرہ کے پالم بنگ پہنچا، پھر وہاں سے ۷۲۰ء میں کانتون گیا۔[2]

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر ہند پر اسلام سے قبل ایران کا بحری نفوذ تھا، اسلام کے ظہور کے بعد جب مسلمانوں کی قوت قریبی ممالک کے بحر اور بر پر چھا گئی تو عربوں کی جہاز رانی نے ایک طرف تو ایران کی بحری قوت جو خلیج فارس اور بحر ہند میں پھیلی ہوئی تھی،

(صدا[1] کا حاشیہ ملاحظہ ہو):۔ بعینہ یہی بیان آپ کو ابن فقیہ میں ملیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موخرالذکر نے سلیمان سیرافی سے نقل کیا، جیسا کہ میں نے صفحہ بالا میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[1] سلسلۃ التواریخ صفحہ ۲۰-۲۱۔

[2] HADI HASAN THE HISTORY OF PRSIAN NAUIGATION P.98

سلب کرلی، اور دوسری طرف بحر ابیض میں رومۃ الکبریٰ کا مقابلہ کیا۔
ایران کی بحری قوت فنا ہونے کے بعد، مشرق میں جو طاقت نویں صدی اور چودھویں صدی عیسوی کے درمیان، عربوں کی بحر ہند میں حریف رہی۔ وہ چین ہی تھا جس کے حکمراں "آسمان کے بیٹے" ہوتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ مشرق میں عربوں کا بحری نفوذ اس قدر قوی اور طاقت ور تھا کہ اندلس سے لے کر جاوا تک کوئی ان کا ہم سر نہیں تھا، مگر چین کی جہاز رانی اس زمانے میں عربوں سے ہرگز پیچھے نہ تھی اور چین کا اثر بحر ہند اور خلیج فارس میں عربوں کے اثر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس دعوے کی شہادت عربی کتابیں خود دیتی ہیں۔ سلیمان سیرافی نے یہ ذکر کیا ہے کہ چینی جہاز میں سیراف تک جاکر سامان بھرواتے تھے۔ لیکن اس کی کتاب میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ کوئی عرب جہاز جاوا یا کانتون تک گیا ہو۔ اس کے باوجود ہم کو اس میں شک نہیں کہ سیرافیوں کے جہاز ایک طرف عراق اور ہندستان کے درمیان آتے جاتے تھے اور دوسری طرف خلیج فارس اور بحر احمر کے درمیان۔ ابوزید کے قول کے مطابق سیرافی جہاز بحر احمر کا سفر کرتے تھے مگر جدہ سے آگے نہیں جاتے تھے۔[۱]

خلیج فارس میں چین کے بحری نفوذ کے متعلق جو سب سے قوی دلیل ہمارے پاس ہے وہ چینی پیسوں کا وجود ہے جو نویں صدی عیسوی میں بہ مقام سیراف پایا جاتا تھا۔ اس کے متعلق ابوزید کہتا ہے کہ

---

۱ WILSON: THE PRSIAN GUIF: P. 58

چین کے پیسے تانبے اور دوسرے معدنی عناصر سے ملا کر بنائے جاتے ہیں؛ ان کا ایک پیسہ، ایک درہم کے برابر ہے۔ پیسے کے درمیان ایک بڑا سوراخ ہوتا ہے کہ موٹا تاگا اس کے اندر جا سکے۔ ہزار پیسوں کی قیمت ایک مثقال ذہبی کی ہے اور تاگا اس طرح پیسوں کو باندھتا ہے کہ ہر سو پیسوں کے درمیان ایک گرہ لگ سکتی ہے۔ جب کہ کوئی سودا خرید تا ہے تو قیمت ان پیسوں سے ادا کرتا ہے۔ یہ سیراف میں موجود ہیں جن پر چینی حروف کے نقوش ہیں[۵۱]

اگر ہم مسعودی کی "مروج الذہب و معدن الجوہر" پر ایک نظر ڈالیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسعودی کے بعض اقوال سلیمان سیرافی کی آراء سے متفق ہیں۔ کیوں کہ مسعودی جس کی ملاقات ابوزید سے بصرہ میں ۳۰۳ھ میں ہوئی۔ ایک سمرقندی تاجر کا قصہ بیان کرتا ہے۔ یہ تاجر اپنے ملک سے بہت سامال لے کر خشکی کے راستے سے عراق جا پہنچا، وہاں سے بصرہ گیا، پھر کشتی میں بیٹھ کر بلاد عمان سے ہوتا ہوا کلہ پہنچا۔ یہاں سیرافیوں اور عمانیوں کی کشتیاں پہنچتی ہیں، اور یہاں اہل سیراف اور عمان ان لوگوں سے معاملہ کرتے ہیں، جو چین کے جہازوں میں بیٹھ کر ارض چین سے وارد ہوئے۔ اس سے پہلے کے زمانے میں حالت ایسی نہ تھی، کیوں کہ پہلے تو چینی جہاز سواحل فارس اور بحرین سے ہوتے ہوئے عمان، سیراف، اُبلہ اور بصرہ تک جاتے تھے[۵۲]

---

۵۱ سلسلۃ التواریخ ص ۱۰۱

۵۲ اس کا سبب ص میں دیکھو

مسعودی اس بات میں سلیمان سے متفق ہے کہ چینی کشتیاں بلادِ عمان اور سیراف تک آجاتی تھیں۔ ان دونوں میں جو اختلاف ہے، وہ یہ کہ مسعودی کے مطابق کِلّہ ایک بڑا بندرگاہ بن چکا تھا اور اس کے زمانے میں سواحلِ فارس سیراف اور بصرہ سے کشتیاں آکر وہاں جمع ہو جاتی تھیں۔ سلیمان کے زمانے میں اس کی کوئی تجارتی حیثیت نہ تھی، اور غالباً اس وجہ سے سلیمان نے اس کا بیان چھوڑ دیا۔ بہر حال دونوں کے کلام سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ چین کا بحری نفوذ خلیج فارس میں نویں صدی عیسوی میں کافی پہنچ چکا تھا۔ اس کے جہاز نہ صرف سیراف اور کِلّہ میں لنگر انداز ہوتے بلکہ موافق حالات میں بصرہ تک بھی پہنچ جاتے تھے۔

ان دونوں کے کلام سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس زمانے میں خلیج فارس سے کانتون تک کا بحری سفر چینی جہازوں سے ہوتا تھا۔ کیوں کہ بحرِ ہند میں چین کا یہ امتیاز ابن بطوطہ کے زمانے تک رہا، کیوں کہ یہ سیّاح ملایار کی مشہور بندرگاہ کالی کٹ پہنچا تو معلوم ہُوا کہ سفر کا موسم نہ تھا، اس کو مجبوراً تین مہینے تک وہاں انتظار کرنا پڑا۔ اس واقعہ کے متعلق ابن بطوطہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اقمنا منتظر زمانۂ السفر الی الصین ثلاثۃ اشہر بحر الصین لا یسافر فیہ الا مراکب الصین"[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہاں تین مہینے تک چین جانے کے موسم سفر کا انتظار کرتے رہے۔ چین کے سمندر میں سوائے چینی جہازوں کے اور کوئی جہاز

---

[۱] ابن بطوطہ جلد ۲، صفحہ ۱۸۶ (بولاق)

سفر نہیں کرتا" ان عبارات سے یہ صاف ظاہر ہو کہ بحر ہند کی زمام جہازرانی بالکل چینیوں کے ہاتھ میں تھی اور غیروں کو جو حصہ ملا تھا، وہ بہت ہی کم تھا۔

چینی کشتیاں جو سواحلِ ہند اور فارس کا سفر کرتی تھیں تین قسم کی تھیں۔ بڑی کو "جنک" (GUNK) کہتے، متوسط "زو" TZOU اور چھوٹی کو "ککم"۔ ان تین قسموں کے جہازوں کو ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں یوں بیان کیا ہو: چینی جہازوں کے تین اقسام ہیں، بڑے جہاز میں بارہ بادبان ہوتے ہیں، اور سب سے چھوٹے جہاز میں تین، جو بانس کے چھلکوں سے بنائے جاتے ہیں اور کبھی اتارے نہیں جاتے۔ ہَوا کے زور سے یہ بادبان چلائے جاتے ہیں اور جس بندرگاہ میں جہاز ٹھیرائے جاتے ہیں تو بادبان کو ہَوا کے رُخ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ بڑے جہاز میں ہزار ہزار آدمی رکھے جاتے ہیں چھ سو تو ملّاح اور چار سو لڑنے والے سپاہی، جن پر تیر انداز، اصحاب سپر، اور آتش انداز بھی ہوتے ہیں اور ہر بڑے جہاز کے ساتھ اور تین جاتے ہیں، ان کا نام نصفی، ثلثی اور ربعی ہوتا ہو۔ ایسے جہاز صِرف زیتون اور چین کلاں (اس کو صین الصین بھی کہتے ہیں) میں بنائے جاتے ہیں۔ بنانے کی کیفیت یہ ہو کہ بنانے والے جہاز کے تختوں کو دو دیواریں بنا کر دونوں جانب کو ایک بڑے تخت سے طول وعرض میں کیلے لگا کر جوڑ دیتے ہیں، کیل کی لمبائی کوئی تین ہاتھ کی ہو، جب کہ دونوں دیواریں اس تخت سے ملا کر جوڑ دی جاتی ہیں تو دونوں کے اوپر ایک نیچا فرش بچھاتے ہیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر

اسے دریا میں دھکیل دیتے ہیں۔ ان دونوں دیواروں کے اوپر پارو
لگاتے ہیں۔ بڑے جہاز میں پندرہ آدمی صرف پارو پانو پر کھڑے
ہو کر چلاتے ہیں۔ اس کے چار حصّے ہوتے ہیں، اس میں رہنے
کی جگہ اور پاخانہ بھی ہے۔ پاخانے پر چابی لگی ہوتی ہے، اندر جانے والا
اندر سے بند کر سکتا ہے۔ جہاز والے اپنے اہل و عیال اور نوکرانیاں
بھی رکھتے ہیں۔ جہاز کی وسعت اور بڑائی کا اس سے اندازہ ہو سکتا
ہے کہ کوئی مسافر اپنی جگہ بیٹھ کر دوسروں سے آگاہ نہیں ہوتا جب تک
کسی بندرگاہ میں اُتر کر ملاقات نہ ہو جائے۔ ملّاح اپنے بال بچوں کے
ساتھ رہتے ہیں اور لکڑی کے بنائے ہُوئے حوضوں میں ترکاری
ساگ اور ادرک جیسی چیزیں بو لیتے ہیں۔ جہاز کے کپتان کا کیا
کہنا، وہ تو بڑا امیر ہے، جہاں کہیں اُترتا ہے، تیر انداز اور غلام ننگی
تلوار، ڈھول بجاتے ہُوئے اس کے ساتھ جاتے ہیں اور جب
کسی گھر میں ٹھیرتا ہے تو دروازے کے دونوں طرف جھنڈا کھڑا رہتا ہے۔
جب تک وہ وہاں رہے۔ چینیوں کے پاس بے حد جہاز ہیں ان
کے وکلا، ملک ملک جاتے ہیں۔ دنیا میں کوئی مُلک چینیوں سے
زیادہ مال دار نہیں ہے[1]

ابن بطوطہ کے اس طویل کلام سے ہم کو بہت سی باتیں
معلوم ہوئیں، ایک تو چینی جہازوں کا نظام، ملاحوں کی زندگی،
کپتان کی شان اور چینیوں کی ثروت۔ یہ ابن بطوطہ کا عینی مشاہدہ
ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اور نہ کسی مزید شرح کی حاجت

---

[1] ابن بطوطہ، جلد ۲، صہ ۱۸۷-۱۸۸ (بولاق)

ہے۔ لہذا اب ہم ان بندرگاہوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو عراق اور چین کے درمیان واقع ہیں اور جہاں چینی جہاز جمع ہوتے تھے۔

ان بندرگاہوں میں سے ایک ہرموز ہے، استاد ولسن نے اپنی کتاب "خلیج الفارس" میں ہرموز کی بحث میں ایک طویل باب تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی مزید معلومات چاہے تو اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ ولسن کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس بندرگاہ کے متعلق کچھ کم بحث نہیں کی۔ آپ نے اپنی کتاب "ہند و عرب" کے تعلقات، میں جو اردو زبان میں الہ آباد سے شائع ہوئی ہے، کئی صفحات صرف ہرموز کے لیے مخصوص کیے جن کے ماخذ عربی زبان کی معتبر کتابوں سے ہے، یہ کتاب میرے پاس نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حوالہ نہیں دے سکا۔ ہرموز کی تجارتی اہمیت عبدالرزاق سمرقندی کی کتاب "مطلع السعدین" سے جس کی تصنیف پندرھویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوئی، معلوم کی جاسکتی ہے، مندرجہ ذیل عبدالرزاق کا کلام ہے، غور سے ملاحظہ ہو، " ہرموز خلیج فارس کی ایک بندرگاہ جس کی نظیر روئے ارض میں نہیں ملتی۔ اس کے لیے ایک اور نام "جروم" سے موسوم ہے، جہاں ہفت اقلیم کے تاجر آتے ہیں۔ مصر و شام سے، عراق سے، بلاد فارس سے، خراسان اور ماوراالنہر سے ترکستان، بلاد قفچاق اور قلموک سے، اور تمام ممالکِ شرقیہ سے مثلاً چین، خانبالق۔ یہاں بہت سے لوگ سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔ چین، جاوا، بنگال، سیلان، زرباد، دیبا محل (جزیرہ مالدیپ)،

ملابار، حبشہ، زنجبار، بی جانگر، گل برگہ، گجرات، کانبای، عدن، جدہ اور ینبوع سے بیپاری اپنے مال لے کے آتے ہیں اور بدون کسی دشواری کے نکال دیتے ہیں اور برابر دام اور نوعیت کے مال بدلے میں مل جاتے ہیں۔ سیاحین بھی عالم کے ہر گوشے سے آتے ہیں۔[1]

عربی کتابوں میں سواحل ملابار اور سرندیپ کے متعلق کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ ان علاقوں کی تجارت کے احوال علمائے اسلام کو خوب معلوم تھے اور اس میں ہم شک نہیں کرتے کہ ملابار اور سرندیپ، چین اور عرب کی تجارت میں مرکزی حیثیت سے واقع ہوئے تھے۔ ابن خرداذبہ اور سلیمان سیرافی سے لے کر ابن بطوطہ تک جیسے نام ور علما کے اقوال، ان کی مرکزیت کی شہادت دیتے ہیں۔

ان بندرگاہوں میں سے جہاں چینی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے، مآبر ہے۔ یہ جنوب ہند اور سیلان کے مقابلہ میں واقع ہے۔ مآبر کے چین سے گہرے سیاسی اور تجارتی تعلقات تھے جن کا ذکر مسعودی اور ادریسی کی کتابوں میں آیا ہے۔ مسعودی کا قول ہے "مآبر میں بہت سے شہر ہیں، لمبی چوڑی آبادیاں ہیں، بڑے شان کے سپاہی ہیں۔ ان کے بادشاہ خواجہ سراؤں کو مال گزاری کے جمع کرنے اور ملک کے اہم کاموں پر مقرر کر دیتے ہیں، مآبر مملکت چین کے قریب ہے، دونوں کے درمیان تحفے اور سفرا کا تبادلہ ہوتا ہے۔ چین اور مآبر کے درمیان بڑی بڑی پہاڑیاں حائل ہیں، اہلِ مآبر بڑی شوکت اور قوت والے

---

[1] ELLIOT : IV P. 95

ہیں جب کہ مآبر کا کوئی سفیر ملک چین میں داخل ہوتا ہے، تو چینی اس کو کسی کام میں لگا دیتے ہیں اور ملک میں زیادہ سیر سیاحت کی اجازت نہیں دیتے۔ اس ڈر کی وجہ سے کہ یہ اس کے ملک کے معایب اور اسرار سے واقف نہ ہو جائے۔ اہلِ مآبر ان پر گراں گزرتے ہیں[51]

ادریسی کا بیان ہے کہ "اہلِ مآبر، چینیوں سے زیادہ مشابہ ہیں، ان قوموں کی بہ نسبت جو چین کے آس پاس ہیں بادشاہ مآبر کے ماتحت خوب صورت غلام ہیں، خواجہ سرا ہیں اور سفید خدمت گار ہیں۔ اس کا ملک چین سے تعلق رکھتا ہے، اس میں سفرا اور ہدایا کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اس جزیرے میں بڑے چینی جہاز آتے ہیں اور وہاں سے دوسری جگہ جاتے ہیں[52]

اوپر کے دو بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حیثیت سے چین کا اثر مابر پر ہے۔ ایک تو یہ مآبر کا بادشاہ بعض عادات میں چینی بادشاہ کی تقلید کرتا ہے، مثلاً خواجہ سراؤں کی ضروری خدمات کو مقرر کرنا یہ دستور قدیم ہند میں نہ تھا۔ ثانیاً یہ کہ اہلِ مآبر اپنے سفیر اور ہدیے چین بھیجتے تھے تاکہ ان دونوں کے سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم رہیں اور اخیراً یہ کہ مآبر، چین کی بحری تجارت کا ایک مرکز بن چکا تھا، جہاں چینی کشتیاں آتی تھیں، مال اُتارتی تھیں اور دیگر سامان لدوا کر دوسری جگہ روانہ ہو جاتی تھیں۔

اس بحری راستے میں ایک اور بندرگاہ جو سیلان اور چین

---

[51] مروج الذہب ص۱۰۸

[52] نزہت المشتاق، جلد ۱، ص۶۱

کے درمیان واقع ہے۔ "پالم بنگ" تھا۔ یہ مشرقی سماطرہ کا جزیرہ ہے جسے عرب جزیرۃ الرامنی کے نام سے پکارتے ہیں۔ عربوں نے گوکہ اس جزیرہ کی اہمیت اور اجمالی حالت بیان کی۔ لیکن تجارتی اشیا کے ذکر سے خاموش رہے۔ مگر ایک چینی مصنف نے "جو یو کو" CHOO YO KOO کے نام سے علمی دنیا میں مشہور ہے۔ اپنی کتاب "چو فان چی" یعنی تذکرہ ممالک اجنبیہ میں اس بندرگاہ کے تجارتی حالات نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اس کے قول کے مطابق وہاں کی خاص پیداوار کافور، خوش بو دار لکڑی، لونگ، صندل اور سیب ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ موتی، آب گلاب، ہاتھی دانت، مونگے، عنبر، چشم گربہ صبر وغیرہ پائے جاتے تھے۔ یہ سب ان ممالک سے آتے تھے جو عربوں کے زیرِ حکم تھے۔

اس جزیرہ میں بہت سے اجنبی بھی رہتے تھے جو ایک دوسرے سے تجارت کا تبادلہ کرتے تھے چاندی سونے کے علاوہ چینی کے برتن، سفالیں، کمخاب، زربفت، شکر، لوہا، چاول، راوند اور دارچینی سے بھی تجارت کا تبادلہ ہوتا تھا[1]

رامنی کے بعد جو جزیرہ ہے وہ جاوہ ہے۔ یہ علمائے اسلام کے نزدیک بہت مشہور تھا۔ اس جزیرہ کا تعلق مشرق میں چین کے ساتھ تھا اور مغرب میں عربوں کے ساتھ۔ قزوینی اس کے متعلق یوں کہتا ہے کہ جاوا بحرِ چین کے ساحل پر واقع ہے جو ہندستان سے ملا ہوا ہے۔ ہمارے زمانے میں چین کے تجار صرف یہیں تک آتے

---

[1] CHOO YU KUO P. 91

ہیں اور اس سے دور کے ملک میں پہنچنا۔ بعید مسافت کی وجہ سے ناممکن ہے۔[1] چینی تاجر اس جزیرہ سے عود جاوی، کافور، لونگ اور مصالحے لے جاتے ہیں۔[2]

ابن بطوطہ نے بھی اس جزیرہ کی زیارت کی تھی، اور اس کی بعض پیداوار کا ذکر بھی کیا۔ جن میں سے عود، لونگ، کافور، شجرۃ اللبان (یعنی ربڑ کے درخت) بھی تھے اور اہلِ چین جاوہ سے ابن بطوطہ کے زمانے میں یہ چیزیں منگواتے تھے۔

تذکرہ ممالک اجنبیہ کے مصنف نے اس جزیرہ کے متعلق ایک ایسی بات بیان کی ہے جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتی۔ وہ یہ کہ اہلِ جاوہ صِرف تانبے، چاندی اور ٹین کے سکّے بناتے تھے، ایسے ساٹھ سکّے ایک مثقال ذہب کے برابر ہوتے۔ اور بتیس ایسے سکّے نصف مثقال ذہب۔ استاد ہیرت، جو تذکرہ ممالک اجنبیہ کا مترجم ہے، کراؤ فورڈ کی تاریخ (HISTORY OF CROW FOLD) جلد ۱، صہ ۲۸۱ کی سند سے اس مسئلے پر لکھتا ہے کہ قدیم آثار میں سے جو کثرت کے ساتھ جاوہ میں منکشف ہوئے ہیں مختلف قسم کے سکّے بھی ہیں جو تانبے اور ٹین کے ہوتے ہیں۔ مگر سونے کے سکّے کا کبھی نہیں ملا۔ چاندی کے سکّے ایک دو مرتبہ پائے گئے۔ اس تاریخی روشنی میں استاد ہیرت یہ رائے

---

[1] قزوینی کا یہ قول کہ جاوہ سے دور کے مُلک تک چینی تاجروں کا پہنچنا ناممکن ہے، غیر صحیح ہے، کیوں کہ چین کی کشتیاں نویں صدی عیسوی میں بصرے تک پہنچ جاتی تھیں اس بنا پر یہ غیر معقول ہے کہ قزوینی کے زمانے (یعنی تیرھویں صدی) میں چینی تاجر جاوہ سے زیادہ دور نہ جا سکے ہوں۔ ابن بطوطہ نے قزوینی سے نصف قرن کے بعد جاوہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ قزوینی کے اس قول کی تردید ہے۔ [2] آثار البلاد، صہ ۱۸

ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمان جو پہلے پہلے یہاں آکر ارکانِ دین کو مضبوط کرنے کے بعد حکومت پر قابض ہوئے تو انھوں نے یہاں کے لوگوں کو سونے کے سِکّے کا استعمال کرنا سکھایا، کیوں کہ جتنے سونے کے سکّے جاوا میں منکشف ہوئے ان پر عربی حروف منقوش تھے اور ان سلاطینِ اسلام کے نام، جنھوں نے وہاں کی حکومت کی تھی، پُرانے تانبے کے سکے جو پائے گئے ان میں خیالی تصویریں اور غریب حروف نظر آتے ہیں، جن میں سے بعض ایسے جن کا پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہے۔ اس قسم کے سکے ان بُدھ ملوک کے آثارِ باقیہ ہیں جن کا پایۂ تخت "ماجیباہیت"، تھا، جب کہ مسلمان خدا کے حکم سے یہاں آکر اس زمین کے وارث ہوئے، تو انھوں نے تانبے سے بھی ایک قسم کا سکہ بنایا جو بُدھ عہد کے سکے سے چھوٹا تھا اور اس سکّے کے ساتھ سونے کا سکّہ بھی بنایا۔ ابن بطوطہ کے زمانے میں جزیرۂ جاوہ پر ملک ظاہر کی حکومت تھی، یہ شافعی مذہب تھا، چین کے ساتھ ان کی بڑی تجارت تھی۔

جاوا کے بعد جو سرزمین ہے، اس زمانے میں سب چین ہی کے ماتحت تھی، ان میں جو بندرگاہیں تھیں ان کا ذکر انشاءاللہ تعالیٰ خشکی کے راستے کے بیان کے بعد آئے گا۔

اس سے قبل ہم اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں کہ چین اور عراق کے درمیان خشکی کا راستہ ترکستان اور ماوراءالنہر سے تھا، اور اس راستے میں جو مشہور شہر واقع ہیں وہ کاشغر، فرغانہ، سمرقند، بخارا اور خیوا تھے۔ اسلام سے قبل کا تجارتی مرکز صغد تھا جب کہ

قوتِ اسلام نے ان پر قبضہ کرلیا اور دولتِ صفدیہ فنا ہوگئی تو صغدر کی تجارتی اہمیت بھی کم ہوگئی، کیوں کہ سمرقند اور بخارا نے ماوراالنہر میں ہر اعتبار سے ممتاز حیثیت حاصل کرلی اور صفد ان دونوں کے سامنے کچھ نہ رہا۔

پہلی صدی ہجری کی وسطی ایشیا میں تجارت بھی فتوحاتِ عرب کے ساتھ، ان کے ہاتھ میں آگئی۔ لیکن ماموں خلیفہ عباسی کے بعد جب کہ عربوں کا اثر ان ولایات بعیدہ سے جاتا رہا تو تجارتی نفوذ بھی اوروں کا ہوگیا۔ ماموں کے بعد خراسان اور ماوراالنہر میں عربوں کی صنعت اور انحطاط سے فائدہ اٹھاکر کئی ترکی سرداروں نے اپنے اپنے خاندانوں کی بنیادیں ڈالیں۔ خراسان میں دولت طاہریہ اور ہمدان میں بنی بویہ کی حکومت قائم ہوئی۔ آلِ سامان بخارا اور سمرقند میں اور غزنوی افغانستان میں، اگرچہ ان خاندانوں کی عمر زیادہ دیرپا نہ رہی، مگر وسطی ایشیا میں ان کے ظہور سے تاریخ اسلام کے آثار نظر آتے ہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ خراسان میں ادب کو خوب فروغ ہوا۔ جب کہ بنی طاہر وہاں کے حکمراں رہے، غزنہ تو محمود سبکتگین کے زمانے میں نام ور شعرا اور ادبا کی منزلِ مقصود سمجھا گیا۔ زرا شمال کی طرف آنکھ اٹھاکر دیکھیے تو یہ نظر آتا ہے کہ آلِ سامان نے بھی ادب کو فروغ دینے کے لیے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور جہاں تک تجارت کا تعلق ہے وہاں ایسا فروغ ہوا کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ مملکت سامانیہ میں جو تجارتی سرگرمی تھی، مقدسی کے بیان

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانے کے بغداد اور بصرہ کا مقابلہ کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو:۔

"وہ مال جو ترمذ سے باہر جاتے تھے وہ صابون" اور حلتیت تھے اور بخارا سے باریک کپڑے، سجادے دریاں، تلنبے کی بنائی ہوئی قندیلیں، طبرستان کے کپڑے، زین، چربی، بھیڑوں کے چمڑے، تیل، عطریات اور رمانیہ سے رومال اور دابوسیہ اور ودھا سے کپڑے (ودھاری) جو ایک ہی رنگت کے ہوتے تھے اور جن کو خلفائے بغداد اطلس خراسان کہتے تھے۔ رحیم جان سے جاڑوں کے لال صوفی کپڑے، چمڑے، سجادے، ٹین کے بنائے ہوئے سامان، شال اور کبریت اور خوارزم سے زنانہ لباس، سوہار کے چمڑے، قاقم، لومڑی کے چمڑے، دریائی کتے، خرگوش کے مختلف اقسام، شمع، درخت قان کی چھال، تیر، لمبی ٹوپیاں جو چمڑوں کی ہوتی تھیں۔ مچھلیوں کے تیل اور ان کے دانت، عنبر گھوڑوں کے پکے ہوئے چمڑے، شہد، باز، تلوار، زیرا، عود خالنجی، سلافیہ سے غلام، بلغاریہ سے چوپائے آتے ہیں۔ خوارزم سے مندرجہ ذیل چیزیں باہر جاتی ہیں:۔ انگور، زبیب، اخروٹ، سجادے، سمسم، کمبل، اطلس، تیار کیے ہوئے کپڑے، اوڑھنے کی شالیں، مضبوط کمان، خمیرہ، مکھن، مچھلی اور جوتے اور سمرقند سے کام دار کپڑے، دخیں، خیمے، رکاب، لگام، زین تلنبے کے برتن، دست بند اور اونی کپڑے۔ بناکیت سے ترکستان کی مصنوعات، ساشی سے جلدوں کے زین، کاغذ، خیمے، جانماز، پکے ہوئے

چمڑے، چمڑوں کی ٹوپیاں، سوئیاں، کمان، قینچی۔ سمرقند سے بلاد ترک میں اطلس، لال کپڑے جو ممرجل کہلاتے تھے۔ ریشم، بندوق، اخروٹ اور سینیز کپڑے جاتے تھے۔ فرغانہ اور اسفیاب سے ترک غلام، سفید کپڑے زیرے، تلواریں، تانبے، لوہے کی تجارت ہوتی تھی۔ ترازسے بکریوں کے چمڑے۔ اور شلجی سے چاندی اور مذکورہ شہروں میں ترکستان کے گھوڑے اور گدھے آتے تھے۔ بخارا کا گوشت اور خربوزہ جسے "شق" کہتے ہیں اور دونوں کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور ایسا ہی خوارزم کی کمان۔ ساش کے برتن اور سمرقند کے کاغذ"[۱]

ان اشیا کے نام دیکھ کر ہم کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اصطخری نے جو کچھ ماوراء النہر کی ثروت اور تونگری کے متعلق کہا تھا وہ بالکل درست تھا۔ اصطخری کا قول ہے کہ اہلِ ماوراء النہر بہت ہی مال دار ہیں اور بلادِ غیر کی کسی چیز کے محتاج نہیں۔ اور ماوراء النہر کی نزاہت اور خوب صورتی میں نے کہیں دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ ممالک اسلام میں کوئی شہر بخارا سے زیادہ خوب صورت نظر نہیں آتا۔ کیوں کہ اگر آپ اس کے قلعے پر چڑھ کر چاروں طرف ایک نظر دوڑائیے تو سوائے ہرے بھرے میدانوں کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ وہاں کی عمارات اور محلات دُلھن کے مانند ہیں جو آسمانی رنگ کے آئینہ میں اپنا روئے سیمین دیکھتی ہے[۲]

---

[۱] BERTHOLD TURLKSLAN DOWN TO THE MONGOL INUOSION: P. 235-36

[۲] القائم الاض ص ۲۶۱

ماوراءالنہر کی تونگری اور غیروں سے بے نیازی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کے طول وعرض میں کوئی دس ہزار سرائے جو رباط کہلاتے ہیں موجود تھے، جہاں غریب اور مسافر اتر سکتے ہیں، سواری کے لیے دانہ اور مسافر کے لیے ضروری خوراک سرائے کی طرف سے دی جاتی تھی۔[1]

قزوینی ماوراءالنہر کی رفاہیت اور خوش حالی کی تصدیق ان الفاظ میں کرتا ہے: "ماوراءالنہر سب سے زرخیز اور نفیس ملک ہے۔ جہاں برکت کی کثرت ہے، کوئی ایسی جگہ نہیں جو آبادی سے خالی ہو۔ ہر شہر آباد، زمین مزروعہ اور چراگاہ سرسبز ہے، اس کی ہوا صحت بخش، پانی سب سے میٹھا ہے۔ اس کے مشہور شہر، بخارا، سمرقند، جند اور خجند ہیں۔ وہاں کے باشندے اہلِ خیر و صلاح ہیں۔ دین میں، علم میں اور معاملات میں ماوراءالنہر کے باشندے ہر جگہ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ ایک ہی گھر کے رہنے والے ہیں۔ کوئی مسافر اگر کسی کے گھر میں اُترے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل اپنے گھر میں ہے۔ ہر شخص ہمت و سخاوت میں کوشش کرتا ہے، بغیر کسی تعارف سابق کے اور بغیر توقع کے وہ سخاوت اور مہمان نوازی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتا ہے۔[2] پھر کہتا ہے کہ: "ماوراءالنہر نوح بن اسد کے زمانے میں ہر اعتبار سے ایک زبردست اور طاقت ور ولایت ہے۔ نوح بن اسد اپنے سپہ سالار عبداللہ بن طاہر کو لکھتا ہے جب کہ معتصم انہیں دھمکی دے رہا تھا" اس کو بتادو کہ ماوراءالنہر

---

[1] صفحہ ۲۵۸ [2] آثار البلاد صفحہ ۳۷۴۔

یں تین لاکھ گانو ہیں، کوئی ایسا گانو نہیں ہی جس میں سے صرف ایک سوار اور ایک پیدل (جماعت) مہیا نہ ہو سکے"۔[۵۱] ان باتوں سے ہم ماوراء النہر کے حالات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

آل سامان کے زمانے میں ماوراء النہر میں سیاست اور علم کے علاوہ تجارت اور صنعت کو بھی خوب فروغ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں کی صنعت بڑی حد تک چین کی صنعت سے متاثر ہوئی۔ ابن فقیہ نے نہ صرف ان تاثرات کا ذکر کیا بلکہ دونوں کی صنعت کا مقابلہ کرکے دکھایا ہی۔ عربوں نے جب وہاں کا علاقہ فتح کیا، تو چینی مصنوعات وہاں کے بازاروں میں پائیں۔ یہ خیال کیا جا سکتا ہی کہ ماوراء النہر میں چینی مصنوعات کی درآمد آل سامان کے زمانے میں بہت کم ہو گئی ہو گی جب کہ مقامی دست کاری کی ترقی ہونے لگی۔ یہ ترقی کرتے کرتے اس درجے پر پہنچی کہ ماوراء النہر سے چند سال کے بعد بہت سے مصنوعات چین بھیجے جانے لگے۔ ادریسی اس کے متعلق یوں کہتا ہی کہ "اہلِ ماوراء النہر بہت سی چیزیں چین لے جانے لگے، جن میں سے زرہیں، سپر، تلوار، کپڑے، مشک اور ہاتھ کی بنائی ہوئی دوسری چیزیں ہیں جن کی چینیوں کو ضرورت تھی"۔[۵۲] ماوراء النہر کے مسلمانوں کی صناعت میں چین کا اثر اس قدر ظاہر ہی کہ کوئی دوسری دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں جب کہ عرب اور مسلمان اُن سامانوں کو جن میں کچھ حسن یا کمال صناعت نظر آتا۔ "الصناعت الصینین"

---

۵۱ التقائم الارض۔ ص ۲۵۹

۵۲ نزہتہ المشتاق۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۷

چینی صناعت کہتے ہیں اگرچہ وہ خود ماوراء النہر کی پیدا کردہ ہوں [۱]

ماوراء النہر کی صناعات میں سے جو سب سے زیادہ عالم اسلام میں مشہور تھی، وہ وادی زرخشاں کا ریشم اور فرغانہ کی آہن سازی تھی۔ فرغانہ کی بنائی ہوئی زرہیں اور اسلحہ بغداد کے بازاروں میں خوب بکتے تھے۔ اور صناعات کی ترقی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر اسفارہ میں کوئلوں کی کثرت تھی اور لوہے کے ساز و سامان کے بنانے میں کوئلہ ایک اہم عنصر ہے جس کی مدد سے بلاشک لوہے کی صنعت آسانی کے ساتھ ترقی کر سکتی ہے۔ چناں چہ فرغانہ سے بڑی مقداریں لوہے کا سامان ایک طرف چین جاتا تھا اور دوسری طرف بغداد۔

ماوراء النہر کی صنعت اگرچہ ایک طرف بڑی حد تک چین کی صناعت سے متاثر ہوئی۔ مگر دوسری طرف مصری اثر سے وہ آزاد نہ تھی۔ یہ اثر ان کپڑوں میں صاف ظاہر ہے، جو "دبیقی" اور "اثمونی" کے نام سے پکارے جاتے تھے، درحالاں کہ وہ خوارزم کے تیار کردہ تھے۔

بنی سامان کے دور میں چین اور خراسان کے درمیان جو خشکی کا راستہ تھا، وہ منزل بہ منزل طے ہوا کرتا تھا، ہر ایک منزل پر سرا ہوتی، جسے "رباط" کہتے تھے۔ ان حالات کا بیان ابو دلف ینبوعی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ابو دلف ایک شاہی قافلے کے ساتھ سندابل گیا تھا، جہاں چین کا بادشاہ آیا ہوا تھا۔ اس قافلے کی غرض یہ تھی کہ بادشاہ چین سے درخواست کی جائے کہ ایک چینی شہزادی، شہزادہ نصر بن احمد سامانی کے نکاح میں دے۔ اس میں وہ کام یاب ہوئے۔

---

[۱] BERTHOLD – P. 236

ابودلف اس قافلے کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنی کتاب غرائب البلدان میں ان احوال کو درج کیا، جن کو راستے میں دیکھا تھا اور قزوینی اور یاقوت نے اُسی کے الفاظ نقل کر دیے ہیں۔ "خراسان سے نکل کر پہلا قبیلہ جن کے پاس ہم پہنچے، وہ "خرگاہ" کا ایک قبیلہ تھا، وہاں پہنچنے تک ایک شہر ملا، پھر بیس روز کے امن و سلامت کے سفر کے بعد ہم قبیلہ "طخطاخ" آئے، وہاں کے لوگ بادشاہِ چین کے مطیع اور فرماں بردار تھے، اور خرگاہ کو خراج دیتے تھے۔ پھر ہم قبیلۂ خرخیز (قرقیز) پہنچے، وہاں ان کے معابد تھے، ان میں پڑھے لکھے لوگ بھی تھے، وہ بصیرت والے تھے۔ نماز کے وقت کلام موزوں بولتے تھے، ان کے جھنڈے سبز ہوتے تھے، وہ زحل اور زہرہ کی عبادت کرتے تھے۔ پھر ہم وادی قلیبؔ پہنچے جہاں بعض نسل کے لوگ پائے گئے جو تتابعہ کی اولاد سے تھے اور چین پر حملہ کرنے کے بعد وہاں رہ گئے تھے۔ وہ پُرانی عربی بولتے تھے جسے غیر لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ حمیری حروف میں لکھتے ہیں اور موجودہ عربی حروف سے ناواقف ہیں۔ وہ صنم پرست ہیں، ان کے خاص احکام ہیں، زنا اور فسق سب حرام ہیں۔ ان کے سردار بادشاہ چین کے لیے ہدیہ بھیجتے ہیں۔ پھر ہم ایک جگہ جو "مقام الباب" کہلاتا ہے پہنچے۔ وہ ایک ریگستانی شہر ہے جہاں بادشاہ چین کا حاجب رہتا ہے، ترکی قبائل وغیرہ میں سے چین میں اگر جانا ہوتا ہے تو اس سے اجازت حاصل کرنی ہوتی ہے۔ وہاں سے ہم تین روز متواتر بادشاہ چین کی ضیافت میں چلتے رہے اور ہر ایک فرسخ کی مسافت پر سواری بدلتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم وادی المقام

پہنچے، پھر شہر "سندابل" میں داخل ہوئے۔ یہ چین کا ایک قلعہ ہے جہاں ایک شاہی محل ہے اور جس میں ساٹھ سڑکیں ہیں اور ہر ایک سڑک سیدھی شاہی محل جاتی ہے۔ وہاں بیت المقدس سے بڑا ایک معبد ہے جس میں مورتیں، تصاویر اور اصنام رکھے ہوئے تھے۔"

ابو دلف نے مدّتِ سفر میں کثرت سے غلّے، ترکاریاں اور میوے پائے اور جو کچھ راستے میں کھائے ایک پیسہ دینے کی ضرورت نہ پڑی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں کے لوگ نہایت خوش حال اور کریم تھے۔

آل سامان کے بعد ایک ترکی قبیلے نے جو تاریخ میں "قراخطائی" کے نام سے مشہور ہے ترکستان کی سیادت حاصل کی۔ وہ کہاں سے آئے اور ان کی اصل کیا تھی۔ محققین اب تک ٹھیک نہیں بتا سکے۔ استاد برتولد نے ایک طویل باب اس قبیلے کی تاریخ کے لیے مخصوص کیا۔ مگر خاتمہ بحث میں کوئی قاطع رائے نہیں دے سکا۔ ہم کو ان کی تاریخ سے زیادہ مطلب نہیں، بلکہ اس زمانے کی تجارت سے مطلب ہے۔ "قراخطائی" کی حکومت ترکستان اور ماوراءالنہر میں چنگیز خاں کے ظہور تک رہی۔ اس زمانے میں چین اور ممالک اسلامیہ کی تجارت خشکی کے راستے سے اپنی حالت طبیعی میں رہی اور کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا۔ تا آں کہ قراخطائیوں میں اور خوارزم شاہیوں میں بارھویں صدی میں باہمی مخالفت اور بڑی بڑی جنگیں بھی ہوئیں مگر سنہ ۱۲۰۹ء میں خوارزم اور رؤسائے قراخطائی میں ایک دوستانہ معاہدہ ہوا جس کی وجہ سے تجارتی قافلے پھر ایران سے ترکستان شرقیہ

(چینی ترکستان) جانے لگے۔ اسی طرف کے ایک قافلے کے ساتھ گلستاں اور بوستاں کے مصنف شیخ سعدی شیرازی تھے۔ آپ نے ان ایام میں کاشغر کی زیارت کی اور وہاں کے علما سے اسلام اور تعلیم اسلام کے متعلق تبادلۂ خیالات ہوا۔

تیرھویں صدی کے شروع میں برّی تجارت کو پہلے سے اور بحری تجارت سے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوئی کیوں کہ بحری راستے میں بعض سیاسی حوادث کے سبب سے موانع پیدا ہو گئے تھے، جنکی وجہ سے تجارت کو کافی نقصان ہُوا۔ ان حوادث کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ حاکم ہرموز اور حاکم کیش کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے، اور ہر ایک یہ کوشش کرتا رہا کہ جو تجارتی جہاز ان کی بندرگاہ میں آئیں، تو دوسری بندرگاہ تک جانے سے انھیں روک دیں۔ ایسی حالت میں بحری تجارت میں لامحالہ اضطراب اور نقصان ہُوا۔ پس تاجروں نے جن کے تعلقات ممالک اسلامیہ اور چین اور چین کی تجارت سے تھے، ان ایام میں خشکی کے راستے کو ترجیح دی۔ لہذا برّی تجارت کو اس وقت خوب فروغ ہُوا۔

ماوراءالنہر کی تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی میں وہاں کی تجارت "ریاستی احتکار" (STATE MONOPOLY) کی شکل اختیار کر گئی تھی، جس وقت کہ خوارزم شاہ سے ترکستان اور ماوراءالنہر میں چنگیز خاں برسرِ پیکار ہُوا، اس ریاستی احتکار کے سلسلے میں محمد خوارزم نے ایک تجارتی وفد بہاءالدین الرازی کی زیر قیادت چین بھیجا تھا تاکہ وہاں کی حالت کا مطالعہ کریں۔ اس وفد کے

ساتھ خوارزم شاہ کی مملکت سے ایک تجارتی قافلہ شمال "تیاں شاں" (THIAN SHAN) سے ہوکر مغولستان ہوتا ہُوا چین گیا۔ اس قافلے کی تفصیل جوینی کی کتاب میں ملتی ہے۔ اس قافلے میں تین بڑے رئیس تھے، ایک احمد خجندی تھا، دوسرا ابن امیر الحسن اور تیسرا احمد بلخی۔ یہ لوگ اپنے ساتھ قیمتی تحائف اور زنجانی مصنوعات لے کے چنگیز خاں کی دارالسلطنت "قراقرم" پہنچے۔ چنگیز خاں نے ان کے معاوضے میں سونا چاندی دلوایا۔

جوینی کے اقوال سے یہ پتا چلتا ہے کہ مغول جو اس وقت چنگیز خاں کے ماتحت ایک قوم بن رہی تھی، مسلمانوں کو نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے لیے سفید خیمے نصب کیے جاتے تھے، جہاں وہ ٹھیرتے تھے۔ بعد میں مسلمان جو اس احترام اور تعظیم سے محروم ہُوئے وہ ان بدعنوانیوں کی وجہ سے جن کے مرتکب وہ خود ہُوئے۔

شروع میں چنگیز خاں مسلمانوں کے حقوق کا پائمال کرنے والا نہ تھا اور نہ ان سے کوئی عداوت تھی۔ خوارزم شاہ کا وفد جو بہاءالدین کی زیرِ قیادت قراقروم آیا اس کے احترام اور اکرام کرنے کے علاوہ چنگیز خاں نے اپنی طرف سے بھی ایک وفد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا، اور نسادی کے قول کے مطابق، محمود خوارزمی، علی خواجہ بخاری اور یوسف کنکا اُتراری اس وفد میں شامل تھے اور چنگیز خاں کے نام سے انھوں نے خوارزم شاہ کی خدمت میں بہت سے نفیس اور قیمتی تحفے پیش کیے تھے۔ بعد میں ایک دوستانہ

معاہدہ بھی ہوا تھا لیکن اوترار کے حادثہ نے جو ۱۲۱۸ء میں پیش آیا۔ دوستانہ تعلقات کو نہ صرف ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا، بلکہ اسے مہلک عداوت کی شکل میں تبدیل کر دیا، جس کی وجہ سے نہ صِرف خوارزم شاہ کی حکومت الٹ گئی بلکہ خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ بھی ہوا، یہ ایک تاریخی مصیبت تھی جو اسلام اور تمدن اسلام کے سر پر ٹوٹ پڑی، اب تک ادبا، اور شعرا اس کے مرثیے لکھے جاتے ہیں۔

مگر اس کے باوجود کہ مغول نے ایشیا وسطی پر قبضہ کرنے کے بعد بغداد اور دیگر ممالک اسلامیہ کو تباہ کر دیا تھا۔ خشکی کے راستے کی یہ تجارت چین اور ممالکِ اسلام میں منقطع نہیں ہوئی۔ کیوں کہ رشید الدین فضل اللہ کی کتاب سے ہم یہ پڑھتے ہیں کہ مسلمان تاجران اپنے سازو سامان لے کے خانبالق حاضر ہوتے تھے۔ ان تاجروں کی آمد سے مال گزاری اور خزانے کی آمدنی بڑی حد تک بڑھ جاتی تھی۔ بعد میں جب کہ قبلائی خاں نے "مارکوپولو" کے شہ دینے سے مسلمانوں پر شدت کرنے لگا اور اکل ذبیح اور شریعتِ اسلام کی بجائے قوانین "یساق" یعنی "احکام چنگیزی" ان پر جاری کر دیے گئے، تو مسلم تاجروں نے ایک عرصے تک چین آنا بھی چھوڑ دیا۔ لیکن یہ حکم قلتِ آمدنی اور کساد بازاری کے باعث آخر سات سال کے بعد منسوخ کیا گیا[۱]

ترکستان کے علاوہ ایک اور راستہ ہی جو چین کے پایۂ تخت جاتا ہی۔ یہ رشید الدین فضل اللہ کے مطابق کابُل سے گزرتا ہی اور

---

[۱] HOWORTH: P. 245

پنجاب، دہلی اور بنگال کے راستے تبت میں داخل ہوتا ہے[1]۔ عہد مغول کے بعد جو تجارتی تعلقات تھے، ان کی کچھ تفصیل "خطائی نامہ" میں ملتی ہے، یہ کتاب پندرھویں صدی کے آخر میں فارسی زبان میں لکھی گئی۔ اس کے بعض ابواب ایک فرانسیسی عالم موسیو شیفر نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے اپنی کتاب "چین و مسلمانوں کے تعلقات" LES RELATIONS DLES MUSSALMANS ANEC CHINOIS میں شامل کر دیے ہیں۔ اس میں ایک مسلم تاجر کا قول ملتا ہے کہ "چین جانے کے لیے تین راستے ہیں، ایک تو منغولیا سے، دوسرا ختن اور تیسرا کشمیر سے"۔ تب ہم اس میں شک نہیں کرتے کہ منغولیا کا راستہ وہی تھا جس سے ترکستان اور ماوراء النہر کے تاجر جاتے تھے، اور کشمیر اور ختن کے راستے ان تاجروں کے لیے کھلے تھے جو شمال ہند سے چین جانا چاہتے تھے۔ "خطائی نامہ" میں نے نہیں دیکھا، مگر دوسرے ذریعے سے یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب میں ان اشیا کے نام ملتے ہیں جن کی فروخت پندرھویں صدی میں چین میں ہوتی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ شیر جیسے وحشی جانور بھی تجارتی اشیا میں گنے جاتے تھے اور ایک شیر کے بدلے میں تیس ہزار تھان کپڑے دیے جاتے تھے[2]۔

اب ہم چین میں عربوں کی تجارت کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ قرون وسطی میں عربوں کا تجارتی نفوذ چین میں کہاں تک تھا اور چین کے حکام ان کے ساتھ کیا برتاؤ

---

[1] تمدن عرب، ترجمہ بلگرامی، ص ۵۰۵

[2] ELLIOT UOL I. P. 22

کرتے تھے۔

چین میں عربوں کی تجارت کے متعلق ہمارے پاس بہت سی معلومات ہیں جو عربی اور چینی مصادر سے ہمیں ملی ہیں۔ عربی مصدر سے ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ بڑے بڑے شہر جہاں عربوں کی تجارت ہوتی تھی، لوقین، خانفو، حمدان، سوسہ، صینین الصین، زیتون اور سیلا تھے۔ ان شہروں کے حالات بہت سے عربی علما نے باتفصیل بیان کیے ہیں۔ ایک سابق باب میں ابن خرداذبہ نے لوقین اور خانفو کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ خانفو کا نام چینی کتابوں میں "کوانفو" ہے، یہ موجودہ شہر کانتون کا پرانا نام ہے۔ سلیمان سیرافی کا قول ہے کہ "یہ جہازوں کی بندرگاہ اور تجارت کی جائے اجتماع ہے"[1]۔ ابودلف ینبوعی کہتا ہے "تجارت اور دولت کا شہر 'خانفو' ہے، جس کا طول چالیس فرسخ ہے"[2]۔ اور ادریسی کہتا ہے کہ "یہ چین کی بڑی بندرگاہوں میں سے ہے جہاں ایک طاقت ور حاکم رہتا ہے۔ بہت سے سپاہی اور اسلحہ رکھتا ہے۔ وہاں کے باشندے چاول، ناریل، دودھ اور گنّے وغیرہ کھاتے ہیں"[3]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ وہاں سے نہیں گزرا، کیوں کہ اس نے اپنے سفرنامے میں صراحۃً اس کا ذکر کیا اور نہ اشارۃً۔

بہت سے علما نے شہر حمدان کا ذکر کیا ہے، جن میں ادریسی اور مسعودی بھی ہیں اور ابن بطوطہ نے اس شہر کو "زیتون" کے نام سے

---

[1] انہا مرفا السفن و مجتمع تجارات العرب، سلسلۃ التواریخ جلد ۱، ص ۱۳

[2] ابن ندیم ص ۳۹۱

[3] نزہۃ المشتاق، جلد ۱، ص ۱۴۹

بیان کیا، یہی وہ شہر ہے جہاں ابن بطوطہ سب سے پہلے پہنچا۔ اس نے جو تلفّظ لکھا ہے وہ اصلی کلمے سے بالکل ملتا ہے، اس شہر کا پرانا نام (TCHEE TUNG) ہے جو چوان چاؤ (CHUAN CHOW) کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کو دیکھنے کے بعد ابن بطوطہ کہتا ہے کہ "یہ ایک بڑا شہر ہے، وہاں کمخاب، اطلس، تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کی بندرگاہ دنیا کی بڑی بندرگاہوں میں سے ہے، بلکہ وہ سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ میں نے وہاں سنو سے زیادہ بڑے جہاز جو "جنگ" کہلاتے ہیں، دیکھے، اور چھوٹے جہازوں کا حساب ہی نہیں"۔ یہاں پر ابن بطوطہ کی بہت سے عرب تجار سے ملاقات ہوئی۔ سب دین دار لوگ تھے۔ ان کا ذکر دینی تعلقات میں آجائے گا۔

"سوسہ" جو ادریسی کی کتاب میں آیا ہے، اب تک ہم اس کا اصلی نام معلوم نہیں کر سکے۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے اس سے مراد موجودہ شہر سوچاؤ (SU CHOW) ہے۔ ادریسی کی زبان میں یہ ایک مشہور اور معلوم شہر ہے، جو کثیرۃ التجارات، متصلۃ العمارات اور جامعۃ الخیرات ہے، اس کے رہنے والوں میں مال و دولت کثرت سے ہے اور تجارت کی برکت وہاں بہت ہے، ان کے قرض اور راس المال دنیا کے ہر گوشے میں لگا ہوا ہے اور تمام ممالک سے ان کے تعلقات ہیں۔ اس شہر میں برتن اور سفال ایسے عمدہ بنائے جاتے ہیں کہ خوبی اور مضبوطی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہاں ریشم کا کارخانہ بھی ہے جس سے عمدہ ریشم کے کپڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ اس شہر کے آس پاس بہت سی خلیج ہیں، جن میں تجارتی جہاز جمع ہوتے ہیں۔

عربی کتابوں میں ایک چینی صینین الصین کا ذکر آتا ہے۔ یہ ایک چینی شہر کے لیے ایک غیر چینی نام ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "مہا چین" سے تغیر کر کے آیا ہے۔ صادق اصفہانی متوفی ۱۰۶۱ھ؁ کی کتاب "تحقیق الاعراب" میں یہ ذکر ہے کہ مہا سنسکرت زبان میں "بڑے" کے معنی رکھتا ہے اور پہلوی فارسی بھی انہی معنی میں آتا ہے۔ لہذا عربی میں "چین کبریٰ" ہونا چاہیے ابن بطوطہ کا قول اس نظریے کی تائید کرتا ہے، جب کہ اس نے اپنے سفر نامہ میں یہ لکھا کہ وہ ۲۷ روز میں زیتون سے "چین کلاں" پہنچا اور اسے صین الصین بھی کہتے ہیں۔ (ادریسی اسے صینین الصین لکھتا ہے) ان باتوں سے یہ ظاہر ہے کہ "مہا چین" یا چین کلاں، یا صینین الصین سب ایک ہی شہر کا نام ہے، یہ ابن سعید مغربی کے قول کے مطابق ولایت فوکیں کا دارالسلطنت تھا۔[1]

ابن بطوطہ نے اس شہر کی زیارت کی اور ذکر کرتا ہے کہ یہ چین کے بڑے شہروں میں سے ہے، اس کے بازار بہت خوب صورت ہیں اور سب سے بڑا بازار سوق فخار، یعنی برتنوں اور سفالوں کا بازار ہے۔ وہاں سے سارے چین، ہندستان اور دیگر ممالک اسلام کو سفالین لے جاتے ہیں:۔

وہ شہر جس کا ذکر عربی کتابوں میں بہ کثرت ملتا ہے وہ "سیلا" ہے۔ اس شہر کی تعریف پڑھ کر یہ بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد موجودہ کوریہ ہے جو مشرقی چین کے کنارے پر واقع ہوا ہے۔

---

[1] FERAND- P. 352

قرون وسطی میں عرب اور ایران سے تجارتی جہاز یہاں آتے تھے، اور اس کی تجارتی اہمیت ہم ابن خرداذبہ کے ان قولوں سے بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں: "چین سے جو چیز اس مشرقی شہر میں آتی ہے وہ ریشم، کمخاب، مشک، خوش بُودار لکڑی، زین، سمور، سفال، دارچینی، فرند اور خولنجان ہیں، اور وقواق (جاپان) سے جو چیز آتی ہے وہ سونا، آبنوس ہیں۔ اور ہندستان سے مختلف اقسام کی خوش بُودار لکڑیاں صندلان، کافور، گوزبرہ، لونگ، ناریل، قاقلہ اور کبابہ (CUBEB)[1] اور مخمل اور ہاتھی وغیرہ۔ سرندیپ سے یاقوت، بلّور، موتی، سنباذج جس سے جواہرات ملمع کیے جاتے ہیں۔ کولم ملی سے مرچ اور کلّہ سے شیشہ اور جنوب ہند سے بقّم[2] اور سندھ سے بلی، سرخ رنگ اور بید اور یمن سے موحشات، اور چادر یمنی، عنبر، خچّر وغیرہ۔

یہ تو عربی مصادر سے ہم کو تجارت کے حالات معلوم ہوئے۔ اب ہم چینی مصادر میں اس تجارت کے حالات دیکھنا چاہتے ہیں۔

وہ چینی کتاب جو چین وعرب کی تجارت کے متعلق ہے آٹھویں صدی کی ہے، یعنی سلمان سیرافی سے ایک صدی قبل کی۔ ہم کو اس کتاب میں یہ نظر آتا ہے کہ وہ جہاز جو مال کے نقل میں مشغول اور "بلاد اجنبیہ" سے "خانفو" تک آتے تھے وہ بہت بڑے اور پانی سے اتنے نکلے ہوتے ہیں کہ ان کے اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت ہے[3] "اجنبی کپتان کو جو جہاز لے کے چین کی بندرگاہوں

---

[1] ایک قسم کی دوا　[2] ایک قسم کا سُرخ رنگ

[3] CHOO GUKUO: P. 9

میں آتے، پہنچتے ہی بحری تجارت کے محکمۂ معاینہ میں حاضر ہونا پڑتا ہے تاکہ اپنے نام اور جہاز کی رجسٹری کروادیں۔ کانتون، چوان چاؤ، اور ہانگ چاؤ میں اس ادارے کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت چین آٹھویں صدی میں اس بحری تجارت پر بڑی توجہ کرتی تھی اور کسی جہاز کو جانے کی اجازت دینے یا اس کا سامان کسی چینی بندرگاہ میں اُتارنے سے پہلے کپتان سے یہ مطالبہ کرتی تھی کہ مال کی ایک فہرست ادارہ مذکور کے عامل کے پاس پیش کردیں ان مالوں پر ٹیکس لگانے اور چین کے دریاؤں میں جہاز چلانے کے رسوم وصول ہونے کے بعد اجازت دی جاتی تھی۔ قیمتی اور نادر چیزوں کی برآمد کی ممانعت تھی اور خلاف ورزی کی صورت میں کپتان جیل خانے بھیج دیے جاتے تھے۔

کپتان پر یہ ضروری تھا کہ بندرگاہ کانتون کے پہنچتے ہی تمام مالوں کو عمال معاینہ کے سپرد کردیں تاکہ وہ ان کو سرکاری مخازن میں تجارتی موسم کے آخری جہاز کے پہنچنے تک محفوظ رکھیں۔ آخری جہاز کے پہنچنے پر فہرست مال کے مطابق ٹیکس لیا جاتا تھا جو عام طور پر تیس فی صدی جنساً ہوتا تھا اور باقی تاجروں کو واپس کردیا جاتا تھا۔ سلیمان سیرافی اس نقطہ کے متعلق یوں بیان کرتا ہے:-

"واذا دخل البحریون من البحر قبض الصینیون متاعہم وصیروہ فی البیوت وضمنوہ الدرک الی ستۃ اشہر الی ان یدخل آخر البحریین ثم یوخذ من کل عشرۃ ثلثۃ ویسلم الباقی الی التجار"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کہ ملاح سمندر سے داخل ہوتے تھے،

تو چینی لوگ ان کے مال پر قبضہ کرکے خزانے میں داخل کراتے تھے اور وہاں چھ مہینے تک محفوظ رکھے جاتے تھے، یہاں تک کہ آخری ملّاح آجائے۔ اس کے بعد مال کے ہر دس حصّوں میں سے تین حصّے لیے جاتے تھے اور باقی واپس دیے جاتے تھے۔[۵]

پہلے تو بحری تجارت صرف خانفو میں منحصر تھی، مگر نویں صدی سے کچھ پہلے اس تجارت کا بڑا حصّہ شہر چوان چاؤ میں منتقل ہوا۔ جو موجودہ آموی (AMOY) کے قریب واقع ہے۔ اس سے پہلے جاپان، کوریہ، جاوا اور جزائر ملایا سے اس شہر کا تعلق پیدا ہو چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عرب تاجر جو نویں صدی کے آخر میں یہاں آئے۔ انھوں نے ان ملکوں کی چیزیں بہ کثرت پائیں اور وہ مال بھی یہاں جمع دیکھے جو چین کے کسی دور شہروں کی پیداوار تھے اور شہر کانتون میں ان کا ملنا بہتر نہ تھا۔ عربوں کے آنے کے بعد یہ شہر اوّل درجہ کی بندرگاہ بن گیا۔ عرب اور ایرانی تاجر بہ کثرت آنے لگے اور نویں صدی کے آخر میں تجارت کی غرض سے جو اجنبی یہاں مقیم ہوں ان کی تعداد شہر خانفو کے اجنبیوں سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ان مسلم تاجروں کی وجہ سے یہ شہر "زیتون" کے نام سے عالمِ اسلام میں مشہور ہو گیا اور ابن بطوطہ نے یہی نام اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

نویں صدی کے آخر میں چین کی سیاست میں ایک بڑا حادثہ پیش آیا۔ یہ ایک باغی کا بادشاہ "ہی چونگ" (HI CHONG) پر خروج تھا۔ (۸۷۴ - ۸۸۹ء) جس کی وجہ سے شہر سوچاؤ اور

---

[۵] سلسلۃ التواریخ، ص ۳۶

جانگ چاؤ لوٹ لیے گئے۔ اس بغاوت کا اثر بحری تجارت پر پڑا۔ اور ایک عرصے تک چین و عرب کے درمیان تجارت بند رہی۔ وہ مسلمان تجار جن میں عرب اور ایرانی سب تھے۔ شہر کانتون اور چوان چاؤ چھوڑ کر اپنے مال اور ضروری سامان لیے ہوئے جزائر ملایا میں چلے گئے۔ جہاں سیراف عمان اور چین کی بندرگاہوں سے کشتیاں آیا کرتی تھیں۔

چینی مصادر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض عربوں کی ہوتی تھیں۔ گو کہ سلیمان مسعودی اور ادریسی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں عربی جہازوں کا ذکر نہیں کیا، مگر چینی کتابوں میں ان کا ذکر ملتا ہے، خصوصاً "چوفانچی (CHU FAN CHEH) یعنی تذکرہ ممالک اجنبیہ میں، یہ "جویوکوا" (CHOO YU KUO) کی معتبر تصنیف جو بارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ یہ ولایت فوکیں کی تجارت کا انسپکٹر جنرل تھا۔ چین اور ممالک اسلام کی تجارت کے متعلق جو چیز اس نے خود دیکھی یا معتبر ذرائع سے سُنی۔ سب اس کتاب میں مدوّن کردی اور اپنی کتاب کا نام "تذکرہ ممالک اجنبیہ" رکھا ہے۔ چین و عرب کی تجارت کے متعلق اس کا بیان بہت مستند ہے۔ جس میں نہ صرف جہازوں کا حال ہے بلکہ عربوں کے تجارتی اثرات پر بھی کارآمد باتیں درج ہیں۔ عربوں کی تجارت کانتون اور چوان چاؤ میں اس فتنہ اور فساد کے بعد جس کا ذکر سلسلۃ التواریخ اور تاریخ الکامل میں ملتا ہے، دوبارہ قائم ہوگئی، کیوں کہ تاریخ چین میں ہم پڑھتے ہیں کہ دسویں صدی میں اہلِ چین عرب کے

ساتھ ایسا معاملہ کرنے لگے جیسا کہ اس سے قبل جزائر ملایا، سیام، جاوا، سماطرہ، نیکوبار اور ہندستان کے ساتھ براہ راست معاملہ ہوتا تھا اور ان میں کسی توسط کی ضرورت نہ تھی۔ اور عرب تجار اپنے ملک کی پیداوار کے علاوہ ان ملکوں سے ضروری سامان لاتے تھے جو ان کے راستے میں پڑتے تھے۔ سلسلۃ التواریخ میں ہر کہ بلاد عرب سے اہم درآمد یہ ہیں: ہاتھی دانت، کندر، کافور، تانبے، سیپ اور کرگوں کے سنگھے۔

تاریخ سونگ (SUNG) میں اشیاے تجارت کے نام درج ہیں جو عربوں یا ایرانیوں کے توسط سے دسویں صدی کے آخر میں ہوتی تھی اور وہ یہ ہیں سونے، چاندی، چینی پیسہ، شیشہ، معدنیات، مختلف قسم کے ریشم اور کپڑے، چینی برتن، سفال، خوش بودار لکڑیاں، عطریات، سیپ، کرگوں کے سینگ، عقیق، بلور، ہاتھی دانت، مونگے، عنبر، موتی، آبنوس وغیرہ۔

حکومتِ چین کو اس بحری تجارت کا بڑا اہتمام تھا۔ چین اور عرب کے درمیان آمد و رفت کے ساتھ اس تجارت کی اہمیت بھی زیادہ ہوتی گئی یہاں تک کہ دسویں صدی میں حکومتِ چین نے اس تجارت پر ہاتھ ڈال کر اسے ایک قسم کا سرکاری اجارہ بنایا اور اس کی ترقی اور فروغ دینے کے لیے بادشاہ چین نے کمیشن مقرر کر کے باہر بھیجا، اور وہ اپنے ساتھ شاہی پیغام لیے تھے جن پر بادشاہ کی مہر تھی اور اجنبیوں میں جو سواحل بحر جنوب میں (NAN HAI) مقیم تھے، چین آنے کی ترغیب دینے کے لیے بہت سے رُپے لیے

ہوئے وہاں گئے۔ جو چین آنا چاہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی مدت میں بندرگاہوں کے سرکاری خزانے ہاتھی دانت، موتی، لاجورد، خوش بودار لکڑیاں اور بحر ہند اور خلیج فارس کے جملہ بضائع سے بھر گئے۔ ان مالوں کو چینی بازاروں میں رواج دینے کے لیے خریداروں کو اس کی اجازت دی گئی کہ چاندی اور سونے کے علاوہ، وہ چین کی خاص پیداوار مثلاً چینی کپڑے، ریشم، چاول وغیرہ سے مبادلہ کرسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہو کہ خارجی تجارت اس زمانے میں حکومت چین کی آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہوگیا تھا اور اس کی اہمیت کا آپ ان تدابیر سے اندازہ کرسکتے ہیں جن سے حکومتِ چین اس تجارت کی تنظیم کرتی تھی۔

پہلے ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ تجارتی نگرانی شہر کانتون میں آٹھویں صدی کے شروع سے قائم ہوچکی تھی۔ نہ صرف چینی کتابوں میں اس کی تفصیل ملتی ہو، بلکہ سلیمان سیرافی نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔ بعد میں یہ ادارہ کسٹم ہاؤس کی صورت اختیار کرگیا (۶۹/۱)، یہ بحری تجارت کے فروغ اور بلاد خارجیہ کے ساتھ باہمی تعلقات کے قائم ہونے سے ہوا۔ کسٹم ہاؤس کی بناڈالنے کے چند سال بعد، حکومت نے اپنے اجارے کا اعلان کیا اور اس اعلان کے مطابق اجنبیوں کے ساتھ شخصی اور انفرادی معاملہ موجب سزا قرار پایا۔ ایسے اشخاص دور دست جزائر میں جلاوطن کردیے جاتے تھے۔

"جو یوکوا" کا قول ہو کہ یہ نظام چند سال کے بعد دیگر بندرگاہوں میں بھی جاری ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کیانگ سو

(KIANG SU) کے دارالسلطنت میں صدر محکمۂ محصول کی بنا پڑی۔ اور یہ فرمان تمام شہروں میں جاری کیا گیا کہ عطریات اور بڑی قیمت کی اشیا جو کم آتی ہیں، پہنچتے ہی سرکاری مخازن میں رکھ دینا چاہیے، سرکاری مخازن کانتون، چوان چاؤ، یانگ چاؤ اور تونگ کینگ میں قائم تھے۔ ۹۹۹ء میں کسٹم ہاؤس کی ایک شاخ بندرگاہ ہانگ چاؤ (HANG CHOW) میں (جسے ابن بطوطہ "خنسا" لکھتا ہے) اور دوسری شہر مینگ چاؤ (MING CHOW) میں قائم ہوئی اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اجنبی تجار کے مطالبہ پر کیا گیا تھا تاکہ ان کو سہولت اور آرام پہنچائے [1] سونگ تائی چونگ (SUNG TAI CHONG) (۹۶۰ - ۹۹۷ء) کے زمانے میں اس کے حاکم کو چینی زبان میں ناظر تجارت بحری کہتے تھے۔ اس کا کام یہ تھا کہ لدے ہوئے مال کی تفتیش کرے، ان پر ٹیکس لگائے جو دس فی صدی تک ہوتا تھا۔[2]

مذکورہ بالا شہر مثلاً کانتون (CANTON) جو کوانگ تونگ میں ہے اور مینگ چاؤ (MNIG CHOW) وہانگ چاؤ HANG CHOW) جو ولایت چیکیانگ (CKEKIANG) میں ہیں۔ اور چوان چاؤ (CHUAN CHOW) جو ولایت فوکیں FUKIEN) میں ہے، سب سمندر کے کنارے واقع ہیں۔ ان کی طبیعی حالت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ تجارتی جہاز ان کے ساحلوں پر لنگر انداز ہوں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے آخر میں کسٹم ڈیوٹی میں نویں صدی کے بہ نسبت بیس فی صدی کی کمی ہو گئی۔

[2] CHOO YU KUO: P. 20

شروع میں کسٹم ہاؤس صرف کانتون میں تھا لیکن بعد میں جب تجارت بڑھی تو یہ ایک ہی ادارہ بحری تجارت کی نگرانی کے لیے کافی نہ ہوا اور یہ طے پایا کہ تمام بندرگاہوں میں مستقل کسٹم ہاؤس کا قیام کیا جائے اور وہاں خاص خاص عامل مقرر کیے جائیں، جو کانتون کے کسٹم ہاؤس سے الگ اور خود مختار ہوں۔ جہازوں کے وارد ہونے پر عمال اوپر چڑھتے اور یہ دیکھتے تھے کہ ان میں کیا کیا مال ہے اور تجار سے ان کی قیمت دریافت کرتے تھے اور تخمینہ کرنے کے بعد کسٹم ڈیوٹی لگاتے تھے جو دس فی صدی کے اصول پر تھی۔ موتی، کافور اور دیگر نفیس مال کا محصول دس فی صدی جنس میں وصول کیا جاتا تھا، اور اس کے بعد اجنبی تاجر بلا تعرض چین کے بازاروں میں اپنے مال فروخت کر سکتے تھے۔

"چو یو کوا" کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی نگرانی بہت ہی سخت تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی تاجر محصول کے ادا کرنے سے قبل کوئی سامان بازار لے جائے تو معلوم ہونے پر اس کا سارا مال ضبط ہو جانے کا امکان تھا اور اس کے علاوہ تاجر کو قانونی سزا دی جاتی تھی [۱]

یہ سخت نگرانی صرف آنے والے جہازوں پر نہ تھی بلکہ جانے والوں پر بھی عائد تھی، مگر چینی جہازوں تک محدود تھی۔ ان کی ہر چیز کا نام لکھا جاتا تھا۔ کتنے آدمی ہیں کتنے اور قسم کے مال ہیں۔ یہ سب لکھ کر کسٹم ہاؤس کے دفتر میں محفوظ کیے جاتے تھے اور

---

[۱] CHOO YU KUO: P.21

جہازوں کی واپسی ہونے پر اگر کوئی چیز کم یا مفقود پائی جاوے تو مالکوں سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ اور اگر ان کے پاس کوئی معقول بیان نہیں تو ان کو حسب جرم سزائیں دی جاتی تھیں۔

یہ نگرانی ابن بطوطہ کے زمانے تک رہی (نہیں، بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ یہ پرتگال کی بحری قوت کے بحری ہند میں آجانے تک رہی) ابن بطوطہ اس بحری نگرانی کے متعلق یوں بیان کرتا ہے:-

"چینیوں کی عادت ہے کہ اگر ان کا کوئی جہاز سفر کے لیے تیار ہے، تو "صاحب البحر" (یعنی نگراں) اپنے منشیوں کو لے کے اوپر چڑھتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ اس میں تیر انداز کتنے ہیں، نوکر کتنے ہیں اور ملّاح کتنے ہیں۔ تب جہاز کو جانے دیتا ہے۔ اس جہاز کی واپسی پر نگراں اور منشی پھر اس پر چڑھتے ہیں اور لکھی ہوئی فہرست سے مقابلہ کرتے ہیں اور ان لوگوں میں جن کے نام لکھے تھے کوئی مفقود پایا، تو کپتان سے پوچھتے تھے، یا تو وہ اس کی موت کی گواہی پیش کریں، یا اس کے بھاگنے کی یا اور کوئی معقول بات۔ اگر کپتان یہ پیش نہیں کر سکتے، تو مواخذہ کیا جاتا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر وہ کپتان سے پوچھ پوچھ کر جملہ سامان کے نام لکھ لیتے ہیں پھر آدمی جہاز سے ایک ایک کرکے اُتار دیا جاتا ہے اور نگراں وہاں بیٹھ کر یہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ کیا کیا لیے ہوئے ہیں اور اگر ان کے پاس سے کوئی چھپی ہوئی چیز ملتی ہے تو جہاز کا سارا مال ضبط کر لیا جاتا ہے۔"[1]

بارھویں صدی میں جہاز رانی کو قطب نما کے استعمال سے خوب

---

[1] ابن بطوطہ: ص

ترقی ہوئی۔ یہ بحری آلہ چینیوں کو زمانۂ قدیم سے معلوم تھا۔ جو ٹسناک ٹنگ یعنی "وہ سوئی جو قطب جنوب کی طرف اشارہ کرتی ہے" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عربوں نے چینیوں سے اس سوی کا استعمال کس طرح سیکھا، اس کا بیان کتاب میں کسی دوسری جگہ آپ کو ملے گا۔ جب کہ ہم ان تعلقات کے نتائج پر بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس سوئی کے استعمال سے بحری سفر بے حد آسان ہو گیا۔ فطرتاً اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چین و عرب کے تجارتی تعلقات اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ یہ آمدنی کے بڑھنے میں صاف ظاہر ہے۔ 'جو یو کوا' کی روایت ہے کہ ۱۱۷۵ء اور بعد میں بڑھ کر ۵۰۰،۰۰۰ مثقال ذہب تک پہنچ گئی۔ اور جو اجناس کی صورت میں وصول ہوئی وہ اس حساب میں داخل نہیں ہے۔

جس طرح مسلمان تاجروں کو آزاد قیام کی اجازت تھی، اسی طرح ان کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک آنے جانے کی اجازت بھی تھی اور ان کو فتنہ و فساد سے بچانے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے، حکومت چین نے ایک خاص قانون نافذ کیا تھا، جس کے رُو سے تمام مسافروں کو ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لیے دو پروانے لینے کی ضرورت تھی۔ ایک پروانہ مسافر کے لیے اور دوسرا پروانہ اس کے مال کے لیے۔ اس قانون کے ساتھ ایک اور قانون تھا جس کے ذریعے سے مسافرخانوں اور ہوٹلوں کی سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حکومت چین کو مسافروں کے امن اور سلامتی کا بڑا خیال تھا، اور راستے کی حفاظت سے کبھی غافل نہ رہی۔

یہ سب باتیں عربی کتابوں سے آپ کو مل سکتی ہیں۔

سلیمان سیرافی نے اپنی کتاب سلسلۃ التواریخ میں، مسافروں اور ان کے مالوں کی رجسٹری کے متعلق یوں لکھا ہے کہ "کوئی مسافر اگر ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانا چاہے، تو اس کو دو پروانے لینے کی ضرورت تھی، ایک پروانہ بادشاہ سے اور دوسرا تجارتی کارندے سے۔ وہ پروانہ جو بادشاہ سے لیا جاتا تھا، وہ راستے میں مسافر اور اس کے ساتھیوں کی حفاظت کے واسطے تھا۔ اس میں مسافر کے نام، اس کی عمر، اس کے خاندان، اس کے اقربا اور اصدقا جین میں اور اس طریقے سے اس کے ساتھیوں کے نام، عمر وغیرہ سب لکھے جاتے تھے۔ اور اگر وہ عرب یا اور کوئی اجنبی ملک کے ہوں، تو پروانے میں ضرور ایسی بات لکھنا ہوتی تھی جس سے اس شخص کی شناخت ہو سکے۔ اور وہ پروانہ جو تجارتی عامل سے لیا جاتا وہ مال کے واسطے تھا۔ اس میں ہر چیز کا نام لکھا ہوتا تھا۔ راستے میں ان دونوں پروانوں کے دیکھنے والے موجود رہتے۔ اگر کوئی مسافر ان کے یہاں پہنچے تو وہ اپنے دفتر میں یہ نوٹ کر لیتے کہ فلاں شخص فلاں مہینے، فلاں روز اور فلاں وقت اور اس کے ساتھ فلاں و فلاں اور فلاں چیز لے کر یہاں پہنچا۔ یہ انتظام صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ مسافروں کے مال و جان ہر طرح سے محفوظ رہیں۔ اگر اس کی کوئی چیز گم ہوئی اور یا وہ خود مر گیا تو یہ معلوم ہو جاتا کہ کیوں کر گم ہوئی اور کہاں، یا کیوں کر مرے اور کس وقت۔ مسافر کے مر جانے کی صورت میں اس کے تمام مال و جائداد اس کے

قریبی وارث کو جس کا نام پروانے میں لکھا ہوُا تھا واپس دی جاتی تھی۔[1]

یہ نظام تقریباً موجودہ پاسپورٹ کے نظام سے ملتا ہے جس کے ذریعے سے مسافر کی جان و مال کی حفاظت اس مُلک میں کی جاتی ہے جس میں وہ سفر کرتا ہے۔

یہ تو مسافروں کی جان و مال کے متعلق ہے۔ چین میں تجارت کے متعلق ایک اور بات ہے جس کا عرب مصنفوں نے ذکر کیا ہے۔ وہاں قرض کا ایسا طریقہ تھا جس کے ذریعے سے بہت کم ایسا ہوتا کہ مقروض قرض کا انکار کریں۔ کیوں کہ حکومت انھیں مالی جرمانے کے علاوہ سخت جسمانی سزا بھی دیتی تھی اور قرض کا نظام بھی اس طرح کا تھا کہ مقروض کو انکار کرنے کی گنجائش نہ رہتی تھی۔ سلسلۃ التواریخ میں قرض کے اقرار کے متعلق یوں بیان کیا ہے کہ کوئی تاجر دوسرے تاجر سے کچھ قرض لینا چاہے تو دو قرض نامے لکھے جاتے تھے۔ ایک تو مقرض کو لکھنا پڑتا تھا اور دوسرا مقروض کو۔ اوّل قرض نامے میں یہ لکھا تھا کہ فلاں شخص کو میں نے اتنی رقم فلاں روز اور مقام پر قرض دی۔ اور دوسرے قرض نامے میں یہ لکھنا ضروری تھا کہ فلاں شخص سے میں نے اتنی رقم قرض لی ...... اور ہر شخص اپنے قرض نامے میں اپنے دست خط کرتا تھا اور دونوں قرض ناموں کو جمع کر کے ایک دوسرے کے کنارے ملاتے تھے، اور اس جگہ پر جہاں دونوں قرض ناموں کے کنارے ملے ہوئے ہیں۔ اس طریقے سے کچھ لکھے جاتے تھے کہ نصف عبارت ایک قرض نامے پر اور دوسری

---

[1] سلسلۃ التواریخ صہ۳۴

نصف دوسرے قرض نامے پر آجائے۔ اس سے فارغ ہو کر مقرض کا لکھا ہُوا قرض نامہ مقروض کے حوالے کردیتے ہیں اگر مقروض انکار کرنا چاہتا تو مقرض مقروض کا لکھا ہُوا قرض نامہ قاضی کے سامنے پیش کرتا تھا اور مقروض کو ہرگز انکار کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ کیوں کہ اس میں اس کے دست خط موجود ہوتے۔ اس پر بھی اگر وہ انکار پر مصر ہو تو اس سے گواہی طلب کی جاتی۔ جھوٹ ثابت ہونے پر اس کے بیس بید لگائے جاتے اور اس کے علاوہ دو لاکھ پیسوں کا جرمانہ۔ یعنی تقریباً دو ہزار دینار، مگر بیس بید ہی سے اس کی جان نکل جاتی تھی۔ یہی وجہ ہو کہ چین میں قرض کے انکار کرنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ایک جان کے تلف کے خوف سے اور دوسرا مال کی بربادی کے ڈر سے۔ سلیمان سیرافی کہتا ہو کہ میں نے کسی مقروض کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ وہاں کوئی شخص دوسرے کا حق ہضم نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ان کو شاہد یا قسم کھانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔[1]

جہاں تک مسافر خانوں اور ہوٹلوں کی نگرانی کا تعلق ہو، اس میں وہ اخلاقی اغراض بھی ملحوظ رکھے جاتے۔ جن کی طرف موجودہ دنیا کی حکومتیں بہت ہی کم توجہ کرتی ہیں۔ اس نگرانی سے تاجروں کو اخلاقی فساد سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں حکومت کی تدبیر جیسا کہ ابن بطوطہ کے سفرنامے میں آیا ہو، وہ یہ ہو "کوئی مسلم تاجر اگر وہ چین کے کسی شہر میں پہنچے تو اس کو اختیار دیا جاتا ہو کہ یا تو وہ کسی مسلم تاجر کے گھر میں ٹھیرے جو وہاں کی اقامت اختیار کرچکا ہو

---

[1] سلسلۃ التواریخ، صـ ۴۵

یا کسی ہوٹل میں۔ اگر وہ کسی مسلم تاجر کے گھر میں ٹھیر گیا تو اس کے مال اور سامان کی جانچ کی جاتی ہو اور تاجر مقیم اس کی ضمانت کرتا ہو اور وہ اپنی طرف سے براہ احسان اس نو وارد کا خرچ اٹھاتا ہو۔ پھر وہ وہاں سے کسی اور جگہ جانا چاہتا ہو تو اس کے مال اور سامان کی جانچ پھر کی جاتی ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز کھوئی ہوئی پائی تو تاجر مقیم پر جس نے اس کی ضمانت کی تھی، جرمانہ کیا جاتا ہو۔ اگر وہ کسی ہوٹل میں ٹھیرے تو سارا اسباب ہوٹل کے مالک کے سپرد ہوتا ہو اور وہ ہی ضامن ہو اور وہ اس کے لیے ضروریات اور لوازمات خرید کر حساب کرتا ہو۔ اور اس طریق سے مسافر کو فساد سے محفوظ رکھا جاتا ہو۔ اہل چین کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ممالک اسلام میں یہ سنایا جائے کہ مسلمانوں نے یہاں آکر اپنے ڑپی پیسے فضول ضائع کیے[1]

ملک چین میں سفر کے بارے میں ابن بطوطہ لکھتا ہو کہ ملک چین پُرامن ملک ہو، مسافروں کے لیے بہت ہی اچھا انتظام ہو۔ اگر کوئی تنہا نو نو مہینے تک سفر کرتا رہے، اور وہ اپنے ساتھ بے حد دولت لیے ہوئے ہو تب بھی اس کو کوئی اندیشہ نہیں کیوں کہ ہوٹلوں کی نگرانی مسافرین کے ایک شہر سے دوسرے شہر تک مال و جان کی کفیل ہو۔ ترتیب یہ ہو کہ ہر ایک منزل پر ہوٹل ہوتا ہو، اس میں ایک افسر رہتا ہو اور اس کے ساتھ پیادہ اور سوار کی ایک جماعت ہوتی ہو۔ ہر رات کو یہ افسر اپنے منشی لیے ہوئے ہوٹل میں آتا ہو

---

[1] ابن بطوطہ، جلد ۲، صد ۲۵۱ (بولاق)

اور وہ تمام مسافرین کے نام جو وہاں رات گزارتے ہیں لکھ لیتے ہیں
رخصت ہوتے وقت ہوٹل پر قفل لگایا جاتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو
پھر آتا ہے۔ ایک ایک مسافر کے نام حاضری کی طرح پکارتے ہیں اور
ان کے متعلق تمام تفاصیل لکھ کر ان کو دوسری منزل پر سپاہی کے
ساتھ بھیج دیتے ہیں اور اس منزل کے افسر سے ایک برات نامہ
لے کے آتے ہیں کہ تمام مسافرین مع جمیع لوازمات امن و سلامتی کے
ساتھ پہنچ گئے۔ اگر منزل کا کوئی افسر یہ نہیں کرتا تو اس سے بازپرس
کی جاتی ہے۔ ہر منزل میں یہی ہوتا ہے۔ ان ہوٹلوں میں مسافروں
کی تمام ضروریات مل سکتی ہیں۔

ابن بطوطہ کے زمانے میں، چین کے تجارتی معاملات اور
بازاروں کے کام میں بنک نوٹ کا رواج تھا، جس کو ابن بطوطہ
"دراہم الکاغذ" کہتا ہے۔ ہر ایک قطعہ ہتھیلی کے برابر ہوتا جس پر بادشاہ
کی مہر لگی رہتی تھی۔ اگر پھٹ جائے تو سکہ خانہ جا کر اسے بدلوا لیتے
تھے۔ اس کام کے لیے خاص لوگ بادشاہ کی طرف سے مقرر ہیں اور
ان کی خاص تنخواہیں ہوتی ہیں اور بادشاہ کی طرف سے اس سکہ خانہ
پر ایک امیر مقرر ہے۔ اس زمانے میں چین میں بنک نوٹ کا اعتبار
سونے چاندی سے زیادہ ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ کی عینی شہادت ہے کہ جب
کوئی چاندی کے سکے یا اشرفی لے کر بازار میں کچھ چیز خریدنا چاہے تو
لوگ نہ صرف نہیں لیتے بلکہ اس کی طرف دیکھتے بھی نہیں! [1]

---

[1] ابن بطوطہ، جلد ۲، ص۱۳۹، (بولاق)

باب پنجم

دینی تعلّقات

اجنبی ادیان چین میں آنے سے پہلے، اہلِ چین کا مذہب دوسری دوسری قدیم قوموں کی طرح اوہام اور خرافات پر مبنی تھا۔ وہ شروع میں ایک خالق خدا کے جس کا تصرّف موجودات اور کائنات میں ہو معتقد نہ تھے بلکہ اجسام سماویہ اور مظاہر طبیعہ کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے معبود متعدد تھے اور ہر ایک کی عبادت بھی مختلف تھی۔

زمانۂ خرافات کے بعد سرزمینِ چین میں لوٹز (LAO TZC) کانفوشیوس (CONFUCIUS) مونشیوس (MONCIUS) اور مائی ٹز (MAITZE) جیسے حکما کا ظہور ہوا۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی ایک ایسا دینی نظام نہیں پیش کیا جو عوام چین کو ایک ہی مذہبی مسلک میں جوڑ سکے۔ یہ تو ضرور ان کے کلام سے پتا چلتا ہو کہ وہ ایک ذات ماوراء الطبیعہ کی عقیدت رکھتے تھے۔ مثلاً لوٹز کا فلسفہ "دَو (DAO) یعنی الوہیت پر مبنی ہو، جس کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ کوئی صورت نہیں، اور نہ کوئی آواز ہو، ہمیشہ رہنے والی ہو اور کبھی فنا ہوتی نہیں۔ اس کا وجود تمام چیزوں سے پہلے ہو، یہ جملہ موجودات کی اصل اور ان کی روح رواں ہو۔ لوٹز کی

یہ تعریف ایک حد تک ہمارے (اسلامی) عقیدے سے جو صفات الٰہی کے متعلق ہیں، مشابہ ہے۔ کانفوشیوس کی عقیدت میں "آسمان" سلطانِ مطلق ہے۔ انسان سنگین جرم کے ارتکاب سے اس کے غیظ و غضب کی آگ بھڑکاتا ہے تو اس کے عذاب سے نجات ملنے کی کوئی امید نہیں ہوتی۔ کانفوشیوس کا ایک مقولہ "کیوں کر دعا مقبول ہو۔ جب کہ آسمان کی آتشِ غضب بھڑکا دی گئی"۔ اس عقیدت کا رکن اول ہے۔

کانفوسیوس کے علاوہ مونسیوس بھی "آسمان" کا عقیدہ رکھتا تھا۔ وہ کانفوسیوس کا پیرو تھا۔ خیالات اور فلسفی مسائل میں بھی اس کا ہم نوا تھا۔

ان تین بزرگوں کے علاوہ ایک حکیم "مائی ٹز" نامی گزرا ہے۔ اس کے مذہب کے دو ارکان ہیں: باہمی محبت اور برادری، وہ صلح و سلامتی کا دلدادہ تھا اور جنگ و جدال سے نہایت نفور۔ اس کی محبت کے اصول تقریباً وہی ہیں جو عیسائیوں کے ہیں اور اصولِ برادری اخوتِ اسلامیہ کے مبادی سے ملتے ہیں۔ مگر اس نے کوئی عملی نظام نہیں وضع کیا جس کے ذریعے سے اس محبت اور برادری کا اظہار کیا جائے۔ اس کے کلام میں تلاش کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ باتیں جو مائی ٹز کے مذہب میں باہمی محبت کے عوامل، اور برادری کے ارکان ہو سکتی ہیں، وہ جنگ و جدال سے پرہیز کرنا، لوٹ مار، چوری اور حسد سے باز رہنا ہے۔ ان کے علاوہ اس کے مذہب میں کوئی عملی بات نہیں نظر آتی۔

چین کے یہ تمام ادیان قدیم دو اہم باتوں میں اسلام سے مختلف ہیں۔ عقیدۃً یہ حشر و نشر اور حیات بعد الموت پر اعتقاد نہیں رکھتے ہیں اور عملاً ان ادیان نے کوئی نظام عبادات پیش نہیں کیا، جس کی وجہ سے ان کے مقبول اور معقول مبادی صرف نظریات میں محدود رہ گئے اور عملی جامہ نہیں پہن سکے۔ غالباً یہی ایک راز ہے جس نے اہلِ چین کو اب تک ان کے پرانے عقائد پر قائم رکھا اور باوجود اس کے کہ بدھ مذہب نے ہندستان سے آکر چین کے ادبیات اور فلسفے پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اکثر چینی اس کے معتقد ہیں پھر بھی ان کے پرانے عقائد ویسے ہی باقی رہے اور ان میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں ہوا۔ چین کے مذہبی آدمی آج کل کچھ ایسا مذہب رکھتے ہیں جو ان تمام عقائد اور مبادی کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ہر مذہب کا کچھ جز موجود ہے۔ وہ کبھی کانفوسیوس کی یاد کرتا ہے اور اس کے معبد میں جاکر نذر چڑھاتا اور منت مانتا ہے، کبھی "طریقت" لوٹز پر عمل کرتا ہے۔ اور کبھی "مائی ٹز" کی محبت اور برادری کا نعرہ لگاتا ہے اور عقائد کے باوجود وہ گوتم بدھ کی مورت پوجتا ہے اور عیسائی نام اختیار کرکے وہ گرجا جاکر توارت اور انجیل بھی پڑھتا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ چین کے مذہبی لوگوں کی حالت یہی ہوتی ہے۔

یہ تو چین کے اپنے ادیان کا حال ہے، لیکن اسلام سے پہلے بہت سے اجنبی ادیان بھی چین میں داخل ہوئے جن میں بدھ کے علاوہ مانویت، مجوسیت اور نسطوریت بھی تھے۔ مانویت کا داخلہ ترکستان کے راستے سے ساتویں صدی میں ہوا۔ اہلِ ترکستان اسلام سے

قبل اس مذہب کے عقائد اختیار کر چکے تھے اور وہاں سے شمال چین میں منتشر ہوئے۔ شمال چین کے بڑے شہروں میں آٹھویں صدی کے نصف اوّل میں اس مذہب کے پیرووں کے بہت سے معابد تعمیر ہوئے۔ خصوصاً ہانان اور سانسی کے دو صوبوں میں۔ اس مذہب کے معتقدین کی کثرت کا آپ اس بات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ بادشاہ ووچونگ (WO CHONG) کے عہد میں (۸۴۱-۸۴۶ء) جب کہ وہ مذہب لوٹنز کا دامن پکڑ کر اس کا حامی بن بیٹھا، تو دوسرے مذاہب پر سختی شروع کی اور ان کے معابد کو توڑنے کا حکم دیا، اس حکم کی تعمیل میں صرف پایۂ تخت چین میں کوئی ۷۲ مانوی راہبات قتل کی گئیں[۱] اس وقت سے اس مذہب کا زور جاتا رہا اور چند سال کے بعد وہ چین سے غائب ہو گیا۔

مذہب مجوسی جس کی طرف سلیمان سیرافی اور مسعودی نے اشارہ کیا تھا۔ اسلام سے کوئی ایک سو سال پہلے چین میں داخل ہوا، مگر اس کی اشاعت کسی وسیع دائرے تک نہیں ہو سکی، عربوں کے ایران کو فتح کرنے اور دولت کسریٰ کو گرا دینے کے بعد، یزدگرد نے مشرق کی طرف بھاگ کر چین میں پناہ لی۔ وہ مجوسیت کا پیرو تھا، وہاں پہنچ کر مجوسیوں کے لیے ایک مندر بنایا، بعد میں وسطی ایشیا سے کچھ مجوسی علما بلائے گئے۔ انھوں نے شمالی چین میں ایک حد تک دعوت اور تبلیغ کی کوشش کی مگر وہ چینیوں میں غیر مقبول

---

[۱] YUNG TUNG CHIANG OUTLINE OF CICILIZATON : P.269

ثابت ہوئی، جو لوگ اس مذہب میں داخل ہوئے وہ بہت ہی تھوڑے تھے جو ذکر کے قابل نہیں مگر وہ بھی ووچونگ کے عہد میں فنا ہو کر ان کے آثار مٹ گئے۔

چانگ آن (CHANG AN) کے ایک تاریخی کتبے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نسطوریت کا چین میں داخلہ ۶۳۵ء میں ہوا۔[1] اور پہلا شخص جس نے چین آکر اس مذہب کی طرف دعوت دینی شروع کی، وہ اولوپن (OLOPEN) تھا۔ چینی تاریخ میں اس کا ذکر ہے کہ وہ چانگ آن آیا اور نسطورین کے لیے ایک گرجا بھی بنایا جس میں اکیس راہب رہتے تھے اور اولوپن اس کا سردار تھا۔ یہ مذہب بعد میں چین کے دیگر مقامات میں بھی پھیلا اور وہاں ان کے معتقدین کے لیے معابد بنائے گئے، ان کے اس مذہبی کارنامے کا ان کتبوں سے پتا لگا سکتے ہیں جو معابد کی دیواروں پر لگا دیے گئے تھے اور وہ عبارات جو ان کتبوں میں کندہ تھی وہ تاریخ چین میں نقل کر کے محفوظ کر لی گئی ہیں۔[2]

بعض عربی کتابوں میں بھی نسطوری مذہب کے چین جانے کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً ابن ندیم اپنی کتاب "الفہرست" میں یہ روایت کرتا ہے کہ جاثلیق نے چھ نسطوری علما کو دعوت و تبلیغ کے لیے چین بھیجا

---

[1] HIRTH CHINA AND THE ROMAN RIENT: P. 287

[2] OUTLINE OF THE CHINESE CIVILIZATION: P. 267

تھا۔ ان میں سے پانچ تو وہاں انتقال کر گئے اور ایک روم واپس آیا۔[1] یہ سنہ ۳۷۶ء کا واقعہ تھا۔

یہ مذہب روئے زمین میں جڑ پکڑ چکا تھا، بہت ہی ممکن تھا کہ یہ چینیوں کی زندگی میں بڑا اثر کرتا اگر اس کے چین میں رہنے کی مدت اور زیادہ ہوتی۔ مگر مشیت اللہ اس مذہب کے موافق نہ تھی کہ وہ مشرق میں پھیل جائے، نویں صدی عیسوی کے آخر میں اس کے علما نکال کر ان کے معابد بھی تڑوا دیے گئے۔ راہب نجرانؔ کے قصے سے جو الفہرست میں درج ہے اس بات کی شہادت ملتی ہے۔

اجنبی ادیان کے ذکر میں ہم نے کچھ طوالت سے کام لیا۔ حالاں کہ اس باب کا محورِ بحث چین اور دین اسلام ہے، دیگر مذاہب مطلوب تحقیق نہیں۔ مگر ایسا کرنے کی ضرورت یہ تھی کہ بعض تاریخی غلطیاں جو چین میں اسلام کے داخلے کے متعلق تھیں صاف نہیں ہو سکتیں جب کہ اور مذاہب کے ساتھ جو غرب ایشیا کی پیداوار ہیں، اور جن کا داخلہ چین میں اسلام سے کچھ پہلے ہوا، مقابلہ نہ کیا جائے۔ چین کی تاریخ میں یہ بیان ملتا ہے کہ اسلام کا داخلہ خاندان صوی SUi YNASTY کے بادشاہ کائی وانگ (KAi WANG) کے زمانے میں ہوا۔ اس کے معنی یہ ہوے کہ چین میں اسلام کی آمد سنہ ۵۸۹ء اور سنہ ۶۰۵ء کے درمیان ہوئی۔ یہ ناممکن سی بات ہے کیونکہ آنحضرت نے سنہ ۶۱۰ء سے پہلے پیغمبری کا اعلان بھی نہیں کیا، پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اسلام نبوت سے قبل چین پہنچ جائے۔

---

[1] ابن ندیم، ص ۴۹۱

میری رائے میں اس قول کے قائل نے اس نقطے کے سمجھنے میں غلطی کی، اس نے غالباً مجوسیت کا جس کا داخلہ چین میں چھٹی صدی کے آخر میں ہوا، دین اسلام سے التباس کر دیا۔ اس حجت کی بنا پر کہ یہ ایک دین ہی جو "غرب" سے آیا ہی اور یہاں انھوں نے غالباً "غرب" کو "عرب" سمجھا وہ اس غلطی میں پڑے تو ایسا پڑے کہ یہ احساس بھی نہ رہا کہ چھٹی صدی کے آخر میں اسلام کا وجود تھا بھی یا نہیں۔ اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ اس رائے پر مصر ہیں کہ اسلام ۵۸۹ء اور ۶۰۵ء کے درمیان چین پہنچا، وہ تاریخ اور واقع کے خلاف بیان دے رہے ہیں، مگر یہ واقع کے مخالف نہیں جب کہ ہم یہ کہیں کہ وہ دین جو کائی وانگ کے عہد میں (۵۸۹-۶۰۵ء) آیا، وہ دین اسلام نہیں تھا بلکہ مجوسیت تھا۔ یہ "غرب" سے آیا، یعنی غرب ایشیا سے جس سے مراد ایران ہی، نہ کہ بلادِ عرب۔ اس عقلی دلیل کے علاوہ ہمارے پاس نقلی دلیل بھی ہی جو ہمارے اس نظریے کی تائید کرتی ہی۔ "دیوان لغات چین"[۱] میں "موفوٹش" کے تحت میں یہ ذکر آیا ہی کہ موفوٹش مجوسی مذہب کا ایک دینی ترانہ ہی جو ان کے معابد اور مذہبی عیدوں کے مراسم میں گایا جاتا ہی۔ یہ مذہب "کائی وانگ" کے عہد میں آیا۔ یہاں "عہد کائی وانگ" کا ذکر اس بات کی قطعی دلیل ہی کہ وہ لوگ جو یہ دعوا یا اعتقاد کرتے ہیں کہ اسلام "کائی وانگ" کے عہد میں آیا ہی، اس تاریخی واقعے سے غلط نتیجہ نکالتے ہیں۔

---

[۱] G. SECTION: P. 23

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کا چین آنا دو طریقے سے ہوا۔ خشکی کے راستے سے اور بحری راستے سے "سیاسی تعلقات" کے باب میں ہم نے یہ بیان کیا کہ پہلا مسلم عرب جس نے خشکی کے راستے سے ایک وفد ۱۵؍۷۱۵ء ۹۶ھ کے آخر میں بادشاہ چین کے پاس بھیجا تھا، وہ قتیبہ بن مسلم تھا اور اس نے اس وفد کے ذریعے سے تین باتیں بادشاہ چین کے سامنے پیش کیں یا تو اسلام قبول کرنا یا جزیہ ادا کرنا، ان دو صورتوں کے انکار کی صورت میں جنگ۔ اس واقعہ میں سب مورخین متفق ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کرتا۔ یہی خشکی کے راستے سے دینی تعلقات کی ابتدا ہے۔

بحری راستے سے چین میں اسلام کے آنے کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہے، آمد کے سن میں اور اس شخص کے بارے میں بھی جو سب سے پہلے پیغام اسلام لے کر جنوب چین کی بندرگاہ کانتون پہنچا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ چین نے عرب قبل الاسلام کے متعلق ان تجار کے توسط سے جو عراق اور جانگ آنگ CHANG AN کے درمیان یا خلیج فارس اور کانتون کے درمیان آتے جاتے تھے، بہت کچھ سنا ہوگا جس طرح اہل عرب نے بلاد چین کے متعلق[1]۔ اس واقفیت کی وجہ سے اہلِ چین ان تغیرات اور حوادث سے غافل نہ تھے جو ساتویں صدی عیسوی کے شروع ہی میں جزیرۃ العرب

---

[1] CH. CHUFFER: RELATION DES MUNALMAUS ANEC BE CHINOIS: P. 2

میں ظہور پزیر ہوئے۔ غار حرا میں نورِ ہدایت کا اشراق اور کوہ فاراں پر کلمۂ حق کا اعلان، یہ سب کچھ چینیوں کو معلوم تھا۔ چناں چہ چین کی کتب قدیم میں جو اس صدی سے متعلق ہیں، ان حوادث اور انقلابات کے بہت سے حوالے ملتے ہیں۔ استاد برٹش نائڈر (BROTSCH NEIDER) کی رائے ہے[1] کہ وہ اقوال جو چین کی قدیم تصانیف میں ممالک اجنبیہ کے متعلق لکھے گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح اور درست وہ اقوال ہیں جو عرب اور احوال عرب کے متعلق لکھے گئے۔ پھر کہتا ہے کہ قارئین ضرور خوش ہوں گے اگر وہ تاریخ تانگ (TANG) تاریخ سونگ (SUNG) اور تاریخ یونگ (YUANG) کے وہ ابواب پڑھیں جو "عرب" کے عنوانوں سے لکھے گئے، کیوں کہ اہلِ چین اس زمانے میں خلافت کے احوال سے خوب واقف تھے، جسے وہ اپنی کتابوں میں مملکت تاشی (TASHI) کہتے تھے۔

چین کی کتابوں میں جو "تاشی" کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد "عرب" ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس لفظ کی اصلیت کیا ہے اور کس زبان سے لیا گیا؟ اس کے متعلق استاد نیوماں (NEUMANN) کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے جب کہ وہ یہ کہتا ہے کہ: "یہ یقین ہے کہ عرب دساتیر (DASATIR) میں اور ان کتابوں میں جو زردشت کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ "تازی" کے نام سے مشہور ہیں"۔ اور اب

---

[1] یہ سفارت روسیہ مقیم پیکن کا طبیب تھا، اس نے اپنے قیام چین کے زمانے میں ایک اہم کتاب انگریزی زبان میں لکھی جو (ANCIENT CHINESE KNOWLEDGE OF THE ARABS) کے نام سے ۱۸۷۱ء پہلی دفعہ لندن میں شائع ہوئی۔

بھی "تازی" کا لفظ فارسی زبان میں "عرب" کے معنی دیتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ قدیم چینیوں نے جن کے تعلقات ایران سے بہت عہد قدیم سے تھے۔ اس ایرانی اصطلاح کو اپنی کتابوں میں داخل کر دیا اور بجائے "عرب" کے "تاشی" ان کو کہنے لگے۔

یہ کسی پر مخفی نہیں کہ عرب چھٹی صدی کے آخر میں آنحضرت کے ظہور کے بعد سے ترقی اور تہذیب کے میدان میں عملی حصّہ لینے لگے جس کی وجہ سے عہد تانگ (TANG) کی تاریخ میں ان کے متعلق جگہ جگہ ذکر ملتا ہے، اتفاق کی بات یہ ہے کہ جن دنوں خاندان تانگ کی مشرق ایشیا کے ایک بڑے اور وسیع ملک پر حکومت تھی۔ (۶۱۸ء ۔ ۹۰۷ء)، تو غرب ایشیا پر عربوں کی حکومت رہی۔ ساتویں اور آٹھویں صدی میں دونوں کی قوت شباب پر تھی اور دونوں ایک دوسرے کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ان زمانوں میں عربوں نے جو چین کے متعلق لکھا، وہ آپ ایک سابق فصل میں پڑھ چکے ہیں، یہاں کچھ اور جو دینی تعلقات سے متعلق ہے، چینی مصادر سے بیان کرتا ہوں۔

عربوں کی حالت عہد تانگ کی کئی کتابوں میں ملتی ہے "چیو تانگ شو" یعنی تاریخ تانگ قدیم اور "شین تانگ شو" یعنی تاریخ تانگ جدید اور "تھونگ جیانگ" یعنی تاریخ چین عام میں خاص ابواب قائم کیے گئے جن میں صرف عربوں کے احوال درج ہیں۔ ذیل کی سطور میں کچھ ان کتابوں کے اقتباسات ہیں جن سے آپ یہ اندازہ کریں کہ بلاد عرب اسلام، اور اسلام کی اشاعت کے متعلق قدیم چینیوں

کی معلومات کیا تھی۔

"تاریخ تانگ قدیم" میں ذکر ہے کہ" بلاد عرب ایران کے مغرب میں واقع ہے۔ وہاں قبیلہ قریش سے دو شاخیں نکلیں۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم۔ بنو ہاشم سے آنحضرت پیدا ہوئے، یہ بڑا بہادر، بصیرت والا اور علم والا تھا، لوگوں نے اسی کو بادشاہ منتخب کیا، جو لوگ مطیع نہیں ہوئے ان سے جنگ کی اور یثرب میں اس کی حکومت اور سیادت قائم ہو گئی"۔

تاریخ تانگ جدید میں لکھا ہے کہ" بلاد عرب میں وہ سرزمین شامل ہے جس پر پہلے ایرانیوں کی حکومت تھی[1]۔ وہاں کے لوگوں کی اونچی اونچی ناکیں اور لمبی سیاہ ڈاڑھی ہوتی ہے، تلوار باندھتے ہیں، جن کی زنجیریں چاندی کی ہوتی ہیں۔ شراب نہیں پیتے اور نہ باجا بجاتے ہیں۔ ان کی عورتیں گوری ہوتی ہیں، گھر سے نکلتے وقت چادر اوڑھ لیتی ہیں۔ بلاد عرب میں ایک بڑا معبد ہے، جس میں ان کے بادشاہ (خلیفہ) ہر ساتویں روز تقریر کرتے ہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اگر وہ مارے گئے تو سیدھے جنت جائیں گے۔ اور اگر وہ دشمنوں پر غالب آئے تو بڑا خوش قسمت سمجھیں گے۔

سرزمین عرب پتھریلی ہے، کاشت کاری کے قابل نہیں، وہاں کے باشندے اکثر چرواہے ہوتے ہیں، باقی شکار کھیلتے ہیں۔ وہ گوشت اور دودھ پر گزارتے ہیں، وہاں کے عمدہ گھوڑے روزانہ چار سو میل

---

[1] یہ یمن کی طرف اشارہ ہے۔

طے کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس اونٹوں کی کثرت ہے۔[1]

تاریخ چین میں ذکر ملتا ہے کہ " وہاں ایک حاکم بنی امیہ سے معاویہ نام ہوا اس نے اپنے نفوذ بلاد حیرہ تک پھیلایا اور اس خاندان کا چودھواں امیر مروان ہے۔[2] اس نے اپنے بھائی کو قتل کر کے خلافت پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانے میں ابو مسلم خراسانی نے عبداللہ ابن عباس کے ساتھ اتفاق کر کے بنی امیہ کو گرانے کی کوشش کی اور اعلان کیا کہ جو شخص ان کی جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے، چاہئے کہ کالے لباس پہنے۔ ان سے پہلے کے لوگ اصحاب ملابس بیضا کے نام سے مشہور تھے۔ ابو مسلم نے ایک بڑی جماعت جمع کر لی اور بنی امیہ کے آخری وارث مروان کو قتل کر ڈالا۔ اس خاندان کا خاتمہ ہونے کے بعد ابو عباس جو بنی ہاشم سے تھا بادشاہ منتخب ہوا۔ اس کی وفات ہونے پر ابو جعفر منصور جانشین ہوئے۔[3]

ان باتوں سے یہ ثابت ہے کہ اہلِ چین ساتویں صدی میں عربوں کے احوال سے غافل نہ تھے۔ اسلام جو اب بجلی کی طرح قریب کے ممالک میں پھیل رہا ہے، بنی امیہ کے زمانے میں ایشیائے وسطی اور ہندستان پہنچ گیا۔ مگر جہاں تک بحری راستے سے چین پہنچنے کا تعلق

---

[1] CHANG SHIN ONG: ANCIENT CHINAS RELATIONS WITH THE ARABS. P. 45. BRETSCHNEIDER. P. 7

[2] اس سے مراد مروان ثانی معلوم ہوتا ہے۔

[3] BRETSCHNEIDER: P. 9. THE OLD TANG CHN: CH P. 198: THE NEW TANG SHE: CHOP: 221

ہے اس میں جیسا کہ اس فصل کے شروع میں میں نے اشارہ کیا تھا مختلف آرا اور متضاد روایات ہیں۔ خصوصاً آمد کے سال اور اس شخص کے متعلق جو سب سے پہلے پیغامِ اسلام لے کر چین کی بندرگاہ کانتون پہنچا۔ "جیو تانگ شو" یعنی تاریخ تانگ قدیم میں یہ ذکر ہے کہ بادشاہ "یون خوی" (YUAN KHUI) کے دوسرے سال میں (۶۵۱ء میں) عربوں کا ایک وفد پائے تخت چین پہنچا، اور بادشاہ چین سے بیان کیا کہ ان کے حکمراں "امیر المومنین" کے لقب سے معروف ہیں۔ اور ان کی حکومت کی بنیاد پڑے کوئی ۳۴ سال گزر چکے ہیں اور اب تیسرا بادشاہ تختِ حکومت پر ہے۔[1] یہی ماخذ ایک دوسرے عربی وفد کا ذکر کرتا ہے جو چار سال کے بعد ۶۵۵ء میں آیا۔ "تاریخ تانگ جدید" میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، اس کی تائید اور ایک کتاب "تھونگ دیان" (THONG DIAN) کرتی ہے۔ اس کتاب کے باب عرب کے بیان میں یہ آیا ہے کہ "یون خوی" کے عہد میں ایک عربی وفد آیا۔ وفد نے بادشاہ کے سامنے اپنے ملک کے متعلق یوں بیان کیا کہ "ہمارا ملک ایران کے مغرب میں واقع ہوا ہے، ہم نے اس کو شکست دی اور بلاد شام بھی فتح کر لیے۔ ہمارے پاس ۴۲۰۰۰ جاں نثار سپاہی ہیں اور جہاں ہم رخ کرتے ہیں کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ ہماری حکومت قائم ہوئے کوئی ۳۴ سال گزر چکے ہیں اور اس وقت

---

[1] THE OLD TANG CHI: P. 195

تیسرا حکمراں تخت پر بیٹھا ہے۔[۵۱]

"مین شو" (MIN SHU) یعنی تذکرہ ولایت فوکین میں یہ ذکر ہے کہ مشرق "چوان چاؤ" (CHUAN CHOW) میں ایک پہاڑ ہے جہاں دو شیخ مدفون ہیں۔ یہ مدینہ سے آئے تھے اور یہاں انتقال کر گئے، یہ اس شہر کے مسلمانوں کے اجداد ہیں" شہر چوان چاؤ کے مسلمانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ "آنحضرت صلعم کی پیدائش عہد کائی وانگ کے شروع میں ہوئی۔ مدینہ میں آپ کی حکومت بیس سال سے زیادہ رہی۔ آپ صاحب کتاب ہیں، نیکی سے محبت ہے، بدی سے نفرت ہے، خدا کے حکم سے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دین اسلام پھیلاتے ہیں۔ آپ کے بہت سے اصحاب تھے جن میں سے چار چین "عہد ووٹہ" WU TEH کے زمانے میں (۶۱۸ - ۶۲۶) بھیجے گئے تھے، ایک نے تو تبلیغ کی غرض سے شہر کانتون میں قیام اختیار کر لیا۔ دوسرا شہر یانگ چاؤ (YANG CHOW) گیا جہاں وہ اسلام پھیلاتا رہا، اور تیسرا چوتھا چوان چاؤ آئے جہاں ان کی وفات ہوئی اور اس پہاڑ پر مدفون ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ اہلِ چوان چاؤ کے کفار میں بھی یہ روایت جاری ہے کہ وہ دونوں مقبرے دو عرب شیخوں کے ہیں جو عہد تانگ میں چین تشریف لائے اور وہاں انتقال کر گئے۔ چوان چاؤ میں ایک بہت ہی پرانی مسجد ہے جس کی تاریخ ٹھیک

---

[۵۱] THE AN IENT HINAS RELATION WITH THE ARA S: P. 53

طور سے معلوم نہیں ہو سکتی۔[1]

تاریخ منگ (MNIG) کی سند سے استاد ہیرت جو "چو فانچی" کے مترجم ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں یہ بحث کرتے ہیں کہ اسلام ۶۱۸ اور ۶۲۶ء کے درمیان چین میں داخل ہوا کیوں کہ چار صحابہ ان زمانوں میں وہاں آکر آباد ہوئے۔ ایک "کانتون" میں، دوسرا "یانگ چاؤ" میں اور باقی دو "چوان چاؤ" میں۔[3]

"ہوی ہوی یوان لائی"[2] یعنی "سلمانانِ چین کی اصلیت" کا مؤلف یہ بیان کرتا ہے کہ اسلام چین میں ۶۲۸ء میں پہنچا۔ اس کی آمد کا سبب یہ تھا کہ بادشاہ چینگ کوان (CHENG KUAN) نے خواب میں دیکھا کہ ایک عجیب الشکل جانور اس پر حملہ کر رہا ہے، اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اتنے میں ایک سفید عمامہ والے شیخ نے آکر اُسے بچایا۔ اور عجیب بات یہ کہ وہ جانور اس ضعیف شیخ سے ڈر کر بھاگ گیا۔ جب کہ صبح ہوئی تو وزیر سے پوچھا گیا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔ ایک بڑے عالم نے کہا کہ سفید عمامے والا شیخ وہ "عرب قوم" ہے جو غرب میں رہتے ہیں۔ ان کی بڑی شوکت اور قوت ہے۔ وہ غریب جانور جو حضور پر حملہ کر رہا تھا، وہ کوئی مخالف عنصر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بغاوت ہونے والی ہے۔

---

[1] ANCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS. P. 84

[2] HUI HUI YUAN LAI.

[3] HIRTH CHOO YU KUO. P. 15

جس کا قلع قمع عرب کی قوت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

یہ سُن کر بادشاہ نے ایک سفیر خاص بلادِ عرب بھیجا اور ان کے بادشاہ سے یہ التجا کی کہ عرب فوج کی ضروری تعداد روانہ فرمائیں چنانچہ تین ہزار عرب سپاہی آکر تین ہزار چینی سپاہی سے تبادلہ ہُوا۔ یہ تین ہزار عرب چینی مسلمانوں کے آبا و اجداد ہوئے۔ اس کتاب کا بیان ہے کہ وفد میں جو چینی وفد کی رد زیارت کے لیے، عربستان سے آئے تھے، ایک کا نام "قیس" تھا، دوسرے کا نام "اویس" اور تیسرا "وقاص"۔ پہلے دو ہوا کی تاثیر سے راستے میں انتقال کر گئے۔ مگر وقاص کو اللہ تعالیٰ نے صحیح و سالم رکھا اور وہ چین پہنچ کر بادشاہ کے بڑے معزز اور مکرم مہمان ہوئے۔ وقاص نے بادشاہ چین سے کہا کہ وہ مقدس کتاب جو ان میں اب رائج ہے "فرقان" کہلاتی ہے۔

"سی لائی چون پوہ"[1] یعنی "ایک عربی نسل کی آمد" کا مؤلف "مسلمانانِ چین کی اصلیت" کے مؤلف سے بالکل متفق ہے اور مذکورہ روایت پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ "وقاص بخارا اور حامی (HAMI) (قومل) کے راستے سے چین پہنچے اور بحری راستے سے تین مرتبہ عربستان واپس گئے۔ پہلی مرتبہ بعض دینی کتابوں کے واسطے اور دوسری دفعہ قرآن کریم کا ایک نسخہ لانے اور دینی امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لینے کے واسطے۔ آنحضرت نے لکھا "جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ان سے لے لو اور باقی آیات جواب تک نازل نہیں ہوئی ہیں، نازل ہونے پر بھیج دوں گا" اور تیسری مرتبہ آنحضرت کی عیادت

---

[1] SI LAI CHUN POH

کے واسطے جب کہ اس نے سُنا کہ آنحضرت صاحب فراش ہیں اس مرتبہ جب وہ چین واپس آئے تو قرآن شریف کا ایک مکمل نسخہ لے کے آئے جو تیس جزوں میں ہے، جس میں ایک سو چودہ سورتیں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں۔ یہ کانتون میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ اب تک ان کا مقبرہ وہاں باقی ہے۔

"عرب اور چین قدیم کے تعلقات" کے مصنف چانگ شن لانگ (CHANG SHIN LONG) نے اپنی کتاب میں، پادری آرچ ماندریت بالادیوس (ARCH MANDRITE BALLADUIS) کی سند پر ایک قدیم تحریر جسے پادری موصوف نے پیکن میں ۱۸۶۸ء میں دریافت کیا تھا، نقل کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ پہلے عربی میں تھی پھر چینی زبان میں ترجمہ ہوئی۔ جو نسخہ پادری موصوف کے ہاتھ میں آیا، وہ چینی زبان تھا۔ اس سے ایک انگریزی عالم مورگان (E. D. MORGAN) انگلیزی میں ترجمہ کر کے "دی فونیکس (THE FHONIX) کے مارچ نمبر (۱۸۷۲ء) میں شائع کیا۔ پروفیسر چانگ شن لانگ کو اصلی نسخہ نہیں ملا، اور جو کچھ اس کی کتاب میں موجود ہے وہ رسالہ "دی فونیکس" سے منقول ہے۔ اس کا مضمون تقریباً یہ ہے۔

"عہد جینگ کوان (CHING KUAN) کے چھٹے سال (۶۳۲ء) ابن حمزہ جو آنحضرت کے ماموں ہوتے ہیں قرآن شریف کا ایک نسخہ اپنے ساتھ لیے ہوئے چین تشریف لائے۔ ان کے ساتھ تین ہزار کا لشکر بھی تھا۔ یہ بہت متدین، صاحب اخلاق

تھے۔ بادشاہ تانگ تائی چونگ (TANG TAi CHONG) انھیں دیکھ کر بہت خوش ہُوا، ان کے ساتھیوں کی بڑی اکرام وتعظیم کی اور ان کو شہر چانگ آن (CHANG AN) میں مہمان کی حیثیت سے رکھا اور ان کے لیے ایک مسجد بھی بنائی گئی۔ ان کے اتباع زیادہ ہوتے گئے اور دعوت کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا حتیٰ کہ دو اور مسجدوں کی بنا پڑی، ایک ٹانکیں میں اور دوسری کانتوں میں۔ اس کے بعد ابن حمزہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ارکان اسلام اور احکام دین کے متعلق غور کیا کہ کیا قوانین اور کیا نظام ہونا چاہیے۔ پھر انھوں نے رجال دین تین درجوں میں مرتب کیا۔ (۱) امام (۲) خطیب (۳) اور موذن، ان کے فرائض میں مبادی دین کی تبلیغ کرنا اور لوگوں کو خیر و فلاح کی طرف بُلانا، احکامِ دین کی پابندی کی تحریص اور جو دین کا احترام نہیں کرتا اس کو وعید دلانا تھا۔

انھوں نے آداب عامہ کے لیے چودہ دفعات مقرر کیں:۔

(۱) آداب نکاح (۲) غیر مسلم سے مسلمہ کی شادی کو ممنوع قرار دینا۔ یہ گناہ کبیر تھا جس کی سزا قتل تھی۔ ایسی شادی کرانے والوں اور حکام کو بھی گنہ گار قرار دیا گیا تھا۔ (۳) آداب میت (۴) دفن میت کے طریقے (۵) جنازہ نکالنے کا نظام (۶) میت کے لیے قرآن شریف کا پڑھوانا اور یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا (۷) رذائل سے اجتناب اور غسل بالفضائل کا وجوب، کیوں کہ روزِ حشر اب بعید نہیں، گو انسان کی زندگی دراز کیوں نہ ہو۔ وہاں اللہ تعالیٰ نیک عمل کا ثواب اور بدی کی سزا دے گا جو بہت ہی سخت ہے جس

سے کوئی مفر نہیں۔ (۸) شراب اور تمباکو کی ممانعت، کیوں کہ تمباکو پھیپھڑوں کو ضرر پہنچاتا ہے اور شراب خودکشی کرواتی ہے (۹) لواطت اور قماربازی کی ممانعت۔ کیوں کہ لواطت سے شرم و حیا کی چادر اُڑ جاتی ہے اور قماربازی ایک ایسا بدفعل ہے جو انسان کو اخلاقی افلاس کے گڑھے میں گراتا ہے۔ (۱۰) سود کی ممانعت، کیوں کہ شریف لوگوں کو اس سے سخت نفرت ہے کہ وہ اپنے بھائی کا خون چوسیں۔ (۱۱) ثروت اور مالیت کے مطابق زکات اور صدقات کا جمع کرنا۔ جو فقیر ہے اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی کمائی اور کسب معیشت میں ہمت کی جائے گی۔ (۱۲) مدارس کی تاسیس اور مبادی اسلام کی اشاعت (۱۳) جماعتی نظام کی حفاظت کے لیے عیدوں کے آداب کا مقرر کرنا (۱۴) رجال دین کو اپنے فرائض کے انجام دینے میں مجبور کرنا اور معابد و مساجد اگر ان کا کوئی حصّہ منہدم ہو گیا تو چندے سے اس کی درستی۔"

یہ ہیں وہ بیانات جن کو ہم نے چینی مصادر میں بحری راستے سے اسلام کے داخلے کے متعلق پایا اور اختصاراً مگر اہم نقطے لے کر یہاں نقل کر دیے۔ اب ہم ان پر تحلیلی اور تنقیدی بحث کرنا چاہتے ہیں اور یہ دیکھیں گے کہ ان میں سے کون سا قول زیادہ صحیح ثابت ہو سکتا ہے۔

اوپر کے اقوال پر ایک نظر ڈالنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ چین کے مورخین دو اہم باتوں میں ایک دوسرے سے متفق نہیں۔ ایک چین میں اسلام کا داخلہ بحری راستے سے کس سال میں ہوا اور

دوسرا یہ کہ وہ کون تھا جو سب سے پہلے اسلام کا پیغام لے کر سرزمینِ چین جا پہنچا۔

"جیوتانگ شو" "شن تانگ شو" اور "تھونگ دیان" کے مطابق اسلام کا داخلہ ۶۵۱ء میں تھا اور "مینگ شو" اور "مینگ شی" دونوں یہ دعوا کرتی ہیں کہ ۶۱۸ و ۶۲۶ کے درمیان اسلام چین میں پہنچا۔ مگر وہ دینی رسالہ جسے پادری آرچ یا ندریت بالا دیوس نے پیکین میں انکشاف کیا۔ یہ بیان کرتا ہے کہ اسلام کی آمد ۶۳۲ء میں ہوئی۔ "مسلمانانِ چین کی اصلیت کا مؤلف لکھتا ہے کہ ۶۲۸ء میں اسلام چین پہنچا، اور "عربی نسل کی آمد" کا مولف اس سے متفق ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس نے اس مسئلے میں جو کچھ کہا وہ "مسلمانان چین کی اصلیت" کی سند پر کہا۔ اور بعض مورخین کی رائے ہے کہ اسلام کا آنا خاندان "صوی" کے فرماں روا کائی وانگ (KAI WANG) کے زمانے میں یعنی ۵۸۹ء اور ۶۰۰ء کے درمیان ہوا۔ یہ قول صاف غلط ہے جس کے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ آنحضرت صلعم پانچ سال کے بعد مبعوث ہوئے۔ اور وہ بیان جو "مینگ شو" (MING SHU) یعنی تذکرہ ولایت فوکین (FUKIEN) اور "منگ شی" (MING SHI) یعنی تاریخ مینگ میں درج ہے۔ وہ محققین کے نزدیک مقبول نہیں اس بنا پر کہ ۶۱۸ء اور ۶۲۶ء کے درمیان کا زمانہ وہ تھا جس میں آنحضرت صلعم کفار قریش کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں مشغول تھے اور دعوت اسلام جزیرۃ العرب کے باہر چھٹے

سال ہجری سے قبل نہیں بھیجی گئی۔ اور چھٹا سال ہجری ۶۲۷ء کے موافق ہوتا ہے۔

یہ کسی پر مخفی نہیں کہ چھٹے سال ہجری کی دعوت، ایران، مملکت، بزنطینی اور حبشہ تک محدود تھی، چین کو دعوت نہیں بھیجی گئی۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ سنہ وفود میں جو نواں سال ہجری (۶۳۰ء) کا واقعہ ہے، چین کا وفد مکّہ میں آیا ہوگا، مگر سیرت ابن ہشام میں جس نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، کہیں چینی وفد کا ذکر نہیں ملتا۔ اس عدم ذکر سے یہ صاف ظاہر ہے کہ چین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قبول اسلام کی دعوت نہیں دی گئی۔

پھر "تذکرہ ولایت فوکیں" میں ایک بین غلطی ہے جس میں ادنا شبہ نہیں ہوسکتا۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی ولادت "کائی وانگ" کے عہد، یعنی ۵۸۹ء میں ہوئی[1]۔ اس کے مقابلے میں اس بات کا خیال کیجیے کہ بعض کتابوں میں یہ دعوا ہے کہ اسلام کا داخلہ چین میں اسی زمانے میں ہوا[2] جس پر ہنسی آتی ہے۔

جہاں تک اس دینی رسالے کا تعلق ہے جسے پادری آرچ ماندرت بالادیوس نے انکشاف کیا، ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے اقوال کہاں تک صحیح ہیں کیوں کہ اس میں یہ ذکر آیا ہے کہ ابن حمزہ جو

---

[1] آنحضرت صلعم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی۔

[2] KIN CHIH TANG: STUDIES ON THE HISTORY OF ISLAN IN CHINA: P. 43

آنحضرت کے ماموں ہوتے ہیں، تین ہزار لشکر لے کر سنہ ۶۳۲ء میں چین پہنچے۔ یہ وہی سال ہے جس میں آنحضرت صلعم کا انتقال ہُوا اور خلافت ابوبکرؓ کا آغاز ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ عربوں کا سیاسی نفوذ ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں سوائے شام اور عراق کے اور ممالک میں نہیں پہنچا اور لشکروں کے ساتھ ابن حمزہ کا چین جانے کا مطلب یہ ہے کہ عربوں کا سیاسی نفوذ خلافت ابوبکر کے زمانے میں چین پر بھی چھاگیا۔ ایسی بات غالباً کوئی قبول نہیں کرے گا۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ تاریخ عرب میں کوئی سپہ سالار ابن حمزہ کے نام کا آنحضرت صلعم کے زمانے میں نہیں ملتا اور نہ ابوبکر صدیق کے زمانے میں یہ بات بھی غلط معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کا کوئی ماموں تھا، ممکن ہے کہ یہ کسی صحابی کا نام ہو۔ مگر صحابہ کے تذکرے اور تاریخ میں ایسا نام بھی نہیں ملتا۔ پھر یہ کہ قرآن شریف کا ایک مکمل نسخہ جس کا جمع عثمانؓ کے زمانے میں ہُوا، چین لے جانا ان غلط بیانات میں سے ہے جس کی تصدیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پھر وہ قوانین اور آداب اسلامیہ جو اس مرسوم میں وارد ہُوئے ہیں، بہت ہی زمانے کے بعد کے فقہا نے مرتب کیے ہُوے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم کو یہ اعتقاد ہے کہ یہ مرسوم ہرگز ابوبکر صدیقؓ کے زمانے کا نہیں۔

اب ہم کو "مسلمانانِ چین کی اصلیت" کا قول لینا چاہیے۔ غور کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کی صحت بھی مشکوک ہے، دلائل تو بہت سے ہیں، صرف چند اہم یہاں ذکر کرتا ہوں۔

اوّلاً یہ کہ بادشاہ کے خواب میں ہم کو سوائے اوہام خرافات جو چینیوں کے سر پر سوار تھے اور وہ زمانۂ قدیم سے ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس خواب کی حقیقت بالکل اس خواب جیسی جس کو ہان منگ ٹی (HAN MING TI) نے پانچ صدی پہلے ایک رات میں دیکھا تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے خواب میں ایک سنہری مجسمہ جس کی پیشانی سے نور چمک رہا تھا، دیکھا۔ اس خواب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہان منگ ٹی نے ایک سفیر کو ہندستان بھیجا جو وہاں سے گوتم بدھ کی مورتی لے کر واپس آیا اور وہ اسی کو خدا سمجھ کر پوجنے لگا اور اب چین میں اس مذہب کے پیرو بہت سے ہیں جو تمام چین میں پھیلے ہوئے ہیں۔

"مسلمانانِ چین کی اصلیت" کے مولف نے اس خواب کے سنہری مجسمے کو ایک "سفید پگڑی والا شیخ" کی صورت میں تبدیل کر کے ایک ایسا قصہ گھڑا جس کے ثبوت میں نہ کوئی عقلی دلیل مل سکتی ہے اور نہ نقلی۔

ثانیاً:۔ یہ کہ یہ کتاب جس کا نام اب "مسلمانانِ چین کی اصلیت" کے نام سے مشہور ہے، ۱۶۶۲ء میں لکھی گئی۔ یہ "تاریخ تانگ قدیم اور جدید" کی نسبت چھ سو سال بعد کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کی اشاعت جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں ذکر آیا ہے پہلی دفعہ مسلم لشکروں میں ہوئی۔ کتاب کے مقدمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاندان مانچو (MANCHU DYNAST) کا دوسرا فرماں روا "کانگ ھسی (KANG HSI) ۱۶۹۷ء میں جب کہ منغولیہ میں قبیلہ "قرطان" پر فوج کشی کر کے واپس آرہا تھا تو صوبہ "کانتون" سے اس کا گزر

ہوُا۔ وہاں کے مسلم حاکم "ما" (MA) کے محل پر ٹھیرا۔ ان دونوں کے درمیان مختلف مذاہب کے متعلق گفتگو ہوئی۔ بادشاہ کانگ ہسی نے مسلم حاکم 'فا' سے پوُچھا کیا تم کو چین میں مسلمانوں کی آمد کی تاریخ سے واقفیت ہے؟ اس نے جواب دیا "نہیں" کہا میرے پاس ایک کتاب ہے جس میں وہ ضروری باتیں ہیں جن کا تم کو جاننا چاہیے۔ حاکم نے کہا، میں تو امی ہوں پڑھنا نہیں جانتا۔ مگر میں نہایت شکر گزار ہوں گا اور اسے میں اوروں کو دکھادوں گا جو پڑھ سکتے ہیں اور ان سے اس کتاب کے مضامین دریافت کرلوں گا۔[۵۱]

اس کتاب کے ملنے پر مسلم حاکم 'فا' نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ ہر ایک سپاہی کے لیے ایک نسخہ نقل کرکے دے دیں۔ اس طریقے سے یہ کتاب فوج میں شائع ہو کر مشہور ہوئی۔[۵۲] اس کتاب کے مؤلف جیساکہ مقدمہ میں ثابت ہے "زبجیلی" نام طبقۂ علما میں غیر معروف ہیں۔ اس سے "ایک غربی نسل کی آمد" کے مؤلف بایونجو (BAO YUN CHOO) نے سارے اقوال ۱۸۶۶ء میں ایک نقل کیے اور بعد میں جو لوگ آئے چین میں اسلام کے داخلے کے متعلق ان دونوں کے اقوال بغیر کسی تحقیق و تدقیق کے اختیار کرتے رہے۔ اب تک بھی چین کے بہت سے بڑے علما اس رائے پر اصرار کرتے ہیں اور ایک قدم پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے۔

---

۵۱ مسلمانانِ چین کی اصلیت۔ صہ ۴۴

۵۲ THE ANCIENT CHINAS RELATIONSWITH THE ARABS: P.95

ثالثاً:۔ اس مؤلف نے یہ بھی ذکر کیا کہ بادشاہ نے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر سُننے کے بعد اپنی طرف سے ایک وفد بلادِ عرب بھیجا، اور آنحضرت صلعم سے یہ درخواست کی کہ چند مبلغین چین روانہ فرمادیں۔ یہ سب جھوٹ ہے کیوں کہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہوتا، اور اگر واقعی کوئی وفد چین سے بلادِ عرب گیا ہوتا، تو احادیث میں یا کم سے کم تاریخ اسلام اور عرب میں اس کا ذکر ضرور آجاتا۔

اخیراً: "سعد وقاص" نام کے صحابی سے مراد اگر سعد بن ابی وقاص ہے جو قادسیہ کا سپہ سالار اور فاتح تھا، تو بھی واقع کے خلاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کیوں کہ عربی مصادر سے ہمیں قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ سعد ابن ابی وقاص ہرگز ہرگز چین نہیں گئے۔ ان کی زندگی تاریخ اسلام میں بہت ہی روشن اور کسی سے مخفی نہیں۔ وہ جنگ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے، مجلس شوریٰ کا ایک رکن جنگ قادسیہ کے بطل تھے اور جب کہ علیؓ اور امیر معاویہ کے درمیان جنگ ہوئی، تو وہ اس میں شریک نہیں ہوئے اور واقدی کے بیان کے مطابق ۵۴ھ میں بمقام عقیق جو مدینہ شریف کے باہر کوئی دس میل کے فاصلے پر ایک محلہ تھا، اسّی سال کی عمر میں انتقال کرگئے اور مروان الحکم نے ان کے جنازے کی نماز پڑھی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ صاحب الاستیعاب اور اسدالغابہ سب اس پر متفق ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چینی مصدر میں جو "سعد وقاص" کا ذکر ہے وہ سعد بن ابی وقاص نہیں۔ بلکہ کوئی اور ہوگا۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانان چین ضرور یہ دریافت کریں گے کہ اگر سعد بن ابی وقاص چین تشریف نہیں لے گئے، تو وہ مقبرہ، جو شہر "کانتون" کے باہر ہے، کس کا ہے؟ مسلمانانِ چین سب کے سب اب تک یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ مسجد جو اس وقت کانتون میں "وائ شین زی" یعنی جامع الذکری للنبی صلعم کے نام سے مشہور ہے، سعد بن ابی وقاص کی بناکردہ ہے۔ انھوں نے اسے کانتون کے پہنچنے پر دعوت اور تبلیغ کی غرض سے بنایا، وہاں ان کا انتقال ہوا اور دفن کیے گئے۔ مقبرے پر ایک پرانے کتبے میں یہ عبارت کندہ کی گئی ہے۔

"یہ ایک زعیم کا مقبرہ ہے، وقاص نام اور "تیان فان"[1] کے رہنے والے تھے۔ آنحضرت کے ماموں تھے۔ اس کو حکم ہوا کہ چین میں قرآن کا پیغام پہنچائے۔ وہ خاندان تانگ کے عہد "چینگ کوان" (CHING KUAN) کا چھٹا سال (سنہ ۶۳۲ء) شہر چانگ آن (CHANG AN) پہنچا اور اسی کے واسطے وہاں پہلی بیت اللہ کی بنیاد پڑی اور اس کو مسلمانوں اور دین حنیف کے اتباع سے آباد کیا۔ انھوں نے وہاں تعلیم قرآن اور دعوت دین پھیلانے کی کوشش کی۔ بہت سے لوگ اس کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ کثرتِ اتباع کی وجہ سے اسلام کی شان بڑھی۔ چند سال کے بعد بادشاہ "تانگ تائ چونگ" نے اور دو مسجدیں بنانے کا حکم دیا، ایک ٹانکین میں اور دوسری کانتون میں۔ ان کی تعمیر کی غرض مسلمانوں کو آباد کرنا ہے۔ اس

---

[1] "تیان فان" سے مراد بلاد عرب ہے۔

کے بعد وقاص نے کانتون سے جہاز پر بیٹھ کر عربستان کا رُخ کیا۔ جب کہ مقام "چین شی"[1] پہنچے تو ان کو خیال ہوا کہ چین میں دعوت وارشاد کے لیے ان کو مامور کیا تھا، اور اب کسی طلب کے بغیر کیوں واپس جارہے ہیں، آدھے راستے سے دوبارہ چین کی طرف واپس ہوئے، مگر جہاز میں انتقال ہوگیا اور ان کی نعش مبارک بندرگاہ کانتون کے پہنچنے پر سالم تھی اور اس کے باہر دفن کی گئی۔[2]

جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ان عبارات کی صحت جو اوپر مذکور ہیں ماننے کے لیے تیار نہیں، ہمارے پاس بہت سے ایسے دلائل ہیں جو ان کی عدم صحت پر شہادت دیتی ہیں۔

اوّلاً:۔ ہم کو اصلی عبارت نہیں ملتی جو پہلے مسلم مبلغ کے مقبرے کے کتبے میں کندہ کی گئی "عرب سے قدیم چین کے تعلقات" میں جو عبارات ہیں وہ ایک اور کتاب سے جو "علوم اسلام قیم" کے نام سے موسوم ہے منقول ہیں۔ موخر الذکر کتاب ۱۸۵۲ء میں لکھی گئی۔ اور وقاص کے متعلق جو عبارات ہیں وہ بہت ہی مشکوک ہیں کیوں کہ مؤلف نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ کتبہ کس سال نصب کیا گیا۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے "علوم اسلام قیم" کے مصنف نے اس امر میں کسی سے سند نہیں لی اور نہ ان عبارات کی اصلیت اس کے

---

[1] چینی مصدر کے مطابق یہ سواحل ہند کی کوئی بندرگاہ ہے۔ مکہ تک جانے میں کوئی ۱۸ اسٹیشن ہیں۔

[2] THE AUCIENT CHINAS RELATION WITH THE BALS. P.98

پاس ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں ایک ایسے کتبے کا ذکر بھی کیا ہے جو آنحضرت صلعم کے مقبرے کی طرف منسوب ہے۔ اس کتبے میں وہ یہ لکھتا ہے کہ "صوی وین تی" نے ایک سفیر آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا اور آپ کو مشرق اقصیٰ آنے کی دعوت دی، آپ نے معذرت پیش کی۔ مگر سعد بن ابی وقاص کو چین روانہ کیا، ان کے ساتھ سو عرب تھے اور ایک سال کے بعد یہ لوگ واپس آ گئے[لہ]۔

ہم یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ مقبرہ نبی صلعم کا کوئی کتبہ چینی زبان میں لکھا ہوا تھا اور نہ ہم کو کسی عربی کتبہ کا علم ہے جس میں مندرجہ بالا عبارات ہیں۔ جن کی سند پر "علوم اسلام قیم" کا مصنف اپنی کتاب کے مقدمہ میں سعد بن ابی وقاص کے چین کی آمد ثابت کرتا ہے۔ پھر "چین" کا لفظ جو ان عبارات میں موجود ہے، ہم کو اس کے اعتقاد کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے کہ مؤلف مذکور فارسی ثقافت سے متاثر ہوا تھا، اور اس ثقافت کا اثر عہد مغول میں چین پر بہت کافی تھا۔ اس بنا پر ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مؤلف مذکور نے اگر حسن عقیدت کی بنا پر ان اقوال کو اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا، تو اس میں کوئی شک نہ ہوگا کہ اس نے ان علما سے نقل کیا جو عہد مغول میں گزرے۔ اسی عہد میں بہت سے فارسی الفاظ چینی مسلمانوں کی سوسائٹی میں رواج پا گئے تھے۔ مثال کے طور پر ہم "پیغمبر"، "چین" "فرقان"

[لہ] THE ANCIENT CHINAS RELATIONS... P. 98

وغیرہ پیش کر سکتے ہیں۔[1]

ثانیاً:۔ کتبہ مذکورہ میں یہ ذکر ہے کہ سعد بن ابی وقاص پہلے پائے تخت چین چانگ آن (CHANG AN) پہنچے اور وہاں ایک مسجد کی بادشاہِ وقت کی اجازت سے تعمیر ہوئی۔ پھر دو اور مسجدوں کی، ایک شہر نانکین میں اور دوسری کانتون میں۔ لیکن اس کتبہ میں جو چانگ آن کی مسجد میں ہے اور جس میں ۷۴۲ء کی تاریخ اب تک صاف نظر آتی ہے، سعد بن ابی وقاص کا ذکر نہیں ملتا جیسا کہ آپ عنقریب دیکھیں گے۔ چین کے تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ چانگ آن کا کتبہ، چین میں اسلام کے داخلے کے متعلق سب سے قدیم شہادت ہے۔ اس کتبہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر "تیان پاؤ" (TIAN PAO) کے پہلے سال کے تیسرے مہینے میں شروع ہوئی (۷۴۱ء) اور دوسرے سال آٹھویں مہینے اور بیسویں روز میں مکمل ہوئی۔ اس وقت اس مسجد کے امام 'بدرالدین' مقرر ہوئے۔ اس کتبہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ مسجد سعد بن ابی وقاص کی تعمیر کردہ نہ تھی اور نہ ۷۴۰ء سے قبل کے اسلامی آثار میں تھی۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ تینوں مسجدیں چانگ آن، نانکین اور کانتون، ایک ہی شخص کی بنائی ہوئی ہیں تو لازم ہے کہ ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ کانتون کی مسجد چانگ آن کی مسجد سے بعد کی تعمیر کردہ ہے اور اس کے بانی جو کانتون میں انتقال کر کے وہیں دفن ہوئے۔ سعد بن ابی وقاص ہرگز نہ تھے بلکہ اور کوئی

---

[1] صفحہ ۳۸۶ - ۳۸۷ میں آپ کو بہت سے فارسی الفاظ ملیں گے جو چین میں مروج پا چکے ہیں۔

عالم تھا جس کا تعلق زمانۂ نبی سے نہیں اور نہ زمانۂ خلفاے راشدین سے ہی۔ اس کا نام مجہول ہی اور غالباً مجہول رہے گا۔

ثالثاً:۔ کتبہ مسجد چانگ آن کے علاوہ تمام قدیم اسلامی کتبات میں سعد بن ابی وقاص کا نام نہیں ملتا۔ مثلاً وہ کتبہ جو مسجد "چوان چاؤ" (CHUAN CHOW) میں ہی۔ یہ سنہ ۱۱۳۱ء میں نصب کیا گیا۔ اس میں ظہور اسلام اور اس کی اشاعت جانبِ مشرق کا ذکر ہی۔ مگر سعد بن ابی وقاص کا نام کہیں نہیں، اور وہ کتبہ جو مسجد "ہانگ چاؤ" (HANG CHOW) میں ہی۔ یہ مسجد علاء الدین کی سنہ ۱۳۱۴ء اور سنہ ۱۳۲۰ء کے درمیان بنائی ہوئی ہی۔ یہ بھی سعد بن ابی وقاص کے متعلق خاموش ہی۔

پھر اس بات پر غور کیجیے کہ مسجد کانتون کی جو جامع الذکری للنبی کے نام سے اب مشہور ہی، کہ بار ترمیم ہوئی۔ اور ایک مرتبہ سنہ ۱۳۵۱ء میں جب کہ حاجی حسن وہاں کے امام تھے۔ اس ترمیم کی تاریخ اور یادداشت کے لیے ایک پتھر کا کتبہ نصب کیا گیا۔ لیکن اس میں سعد بن ابی وقاص کا کوئی ذکر نہیں۔

غرض کہ تمام تاریخی کتبات اور قدیم آثار جو "مسلمانانِ چین کی اصلیت" "علوم اسلام تیم" اور "ایک عربی نسل کی آمد" سے کئی سو برس پہلے پتھروں پر کندہ کیے گئے یا اوراق میں محفوظ کر دیے گئے۔ سعد بن ابی وقاص کے متعلق بالکل خاموش تھے۔ ان میں ہم کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں ملتا جو سعد بن ابی وقاص کے چین کے سفر کے متعلق ہو۔ مگر اس کا ذکر غالباً اول مرتبہ "مسلمانانِ چین کی

اصلیت" میں جس کی تصنیف سنہ ۱۶۶۲ء میں ہوئی، آیا ہی، مگر بدوں کسی سند کے، پھر اس کتاب میں بہت سے ایسے اقوال ملتے ہیں جو خرافات سے مشابہ ہیں، مثلاً وہ یہ کہتا ہی کہ سعد بن ابی وقاص سے جب حقیقت اسلام کے متعلق پوچھا گیا تو وہ چینی اشعار میں جواب دیتے تھے!

ان دلائل اور براہین کی بنا پر جن کا اوپر ہم نے بیان کیا ہی، ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کانتون میں جو مقبرہ ہی وہ سعد بن ابی وقاص فاتح قادسیہ کا نہیں ہی، مگر ممکن ہی کہ یہ ایک ایسے شخص کا ہو جو ان کے ہم نام تھا اور ساتویں صدی کے آخر میں یا آٹھویں صدی کے شروع میں چین گیا۔ مگر قارئین کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عربوں میں ایسا نام بہت ہی کم بلکہ نادر ہی جس کے اجزا میں "وقاص" کا لفظ بھی ہو۔ تاریخ عرب اور اسلام میں سوائے فاتح قادسیہ کے کسی اور نام میں "وقاص" کا لفظ میرے علم ناقص میں نہیں آیا۔ بہر حال، اس مقبرے کے متعلق اتنا ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص عرب زعما میں سے تھا جو چین میں آکر آباد ہوا اور معلوم ہوتا ہی کہ بادشاہ چین اس کی بڑی عزت کرتے تھے اور اس کے وقت کے مسلمان اس کی رہبری مانتے تھے، اس واسطے اس کے مرنے کے بعد بھی وہ اس کے مقبرے کا احترام کرتے ہیں لیکن وہ کون تھا، حقیقی نام کیا تھا، تاریخ نے اب تک ہمیں نہیں بتایا اور اس زعیم کا نام غالباً ہمیشہ کے لیے مجہول رہے گا۔ ایام مستقبل میں معلوم ہو جانے کی امید بہت کم ہی۔

. . . .

اسلام کی آمد کے بارے میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بحری راستے سے اسلام کا چین آنا، اس کے خشکی کے راستے سے آنے کی نسبت پہلے ہوگا۔ کیوں کہ بحری تجارت جیساکہ ہم تجارتی تعلقات کے باب میں ثابت کر چکے ہیں۔ آنحضرت کے ظہور سے پہلے شروع ہو چکی تھی اور یہ تجارتی تعلقات اسلام کو چینی بندرگاہوں کے لانے میں بہت ہی ممد ہو سکتے تھے۔ اور اسلامی وفد جو سرکاری طور پر چین پہنچے، چینی مصادر کے مطابق ۶۵۱ء میں آئے۔ یہ ضرور ہے کہ بحری کتابوں سے اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مگر وہ بیان جو کہ "تاریخ تانگ قدیم اور جدید" دونوں میں پایا جاتا ہے۔ تاریخی حقائق کے مخالف نہیں ہے۔ ان دونوں مصادر کے مطابق عربی وفد عہد "یونخوی" (YUN KHUI) کے دوسرے سال یعنی ۶۵۱ء میں چین پہنچے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یونخوی کے دوسرے سال، یا ۶۵۱ عیسوی ہجری کے تیئسویں سال (۳۰ھ) کے مطابق ہے۔ اس وقت ٹھیک عثمانؓ تخت خلافت پر تھے[1] اور اسلامی قوت ایشیا وسطی اور سندھ تک بھی پہنچ چکی تھی[2]۔ پھر وہ احوال جو بلاد عرب کے متعلق وفد نے بادشاہ چین کے سامنے بیان کیا، ان میں کم سے کم اسی فی صدی کی صحت ہے اور

---

[1] عثمانؓ ۲۴ھ خلیفہ منتخب ہوئے۔

[2] AMEER ALI A SHORT HISTORY OF THE SARACENS. P. 49
EIBBE. THE ARAB CONGNEN OF CENTRL ASIA. P. 15

"امیر المومنین" کا لفظ کچھ بگڑی صورت میں پہلی دفعہ چینی کتابوں میں ذکر ہوا ہے۔ وفد کے ارکان نے یوں بیان کیا ہے کہ ان کا بادشاہ "امیر المومنین" کہلاتا ہے اور حکومت قائم ہوئے کوئی ۳۴ سال ہوئے ہیں اور اب تیسرا حکمران تختِ حکومت پر ہے[۵۱]۔ اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ تیسرے حکمران سے مراد عثمانؓ تھے۔ مگر یہ قول کہ ان کی حکومت قائم ہوئے اب ۳۴ سال ہو رہے ہیں، یا تو "تاریخ تانگ" میں طباعت کی غلطی ہوئی، کیوں کہ "یونخوی" کے دوسرے سال (۶۵۱ء) ۳۰ھ کے موافق ہوتا ہے، نہ کہ ۳۴ھ کے، یا مترجم نے جس کے توسط سے بادشاہ چین اور وفد عرب کے درمیان تبادلہ خیالات ہوتا تھا، ترجمہ کرتے وقت کچھ غلطی کی، کیوں کہ وہ لفظ جو "تیس" کا مطلب ادا کرتا ہے چینی زبان میں اس کی آواز "شان شیہ" کی ہوتی ہے، اگر اس موقع پر مترجم نے اس لفظ کے آخر جز میں کچھ لکنت یا تکرار کی، تو کوئی عجب نہیں کہ یہ "شان شیہ شی" کی صورت اختیار کرے جس کا مفہوم چوتیس (۳۴) ہو جاتا ہے۔

"تاریخ تانگ قدیم اور جدید" کی سند پر جس کی تحقیق استاد برتش نائدر نے نہایت محنت سے کی تھی، بحری راستے سے اسلام کے چین آنے کے متعلق ہم نہایت وثوق کے ساتھ یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ سرکاری طور پر اس کا داخلہ ۶۵۱ء میں (۳۰ھ) ہوا۔ اور ہم نہایت اصرار کے ساتھ اس رائے کو قائم رکھنا چاہتے ہیں،

---

۵۱ BRETSCHNEIDER - P. 8

ANCIENT CHINAS RELAHIONS WITH THE ARABS - P. 9, 46

جب تک مخالفین کوئی ایسی جدید تاریخی شہادت پیش نہ کریں جو ہماری شہادت سے زیادہ قوی اور معقول ہو۔ اور یہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ۶۵۱ء کے وفد کا ان قدیم مساجد سے کوئی تعلق نہیں جو کانتون، نانکین اور جانگ آن میں ہیں، کیوں کہ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب مساجد زمانہ خلفاء راشدین کے آثار نہیں، بلکہ ان سے بعد کے ہیں۔

ہماری اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بحری راستے سے اسلام کا داخلہ، خشکی راستے کی نسبت کوئی ۶۶ یا ۶۷ سال پیش تر تھا کیوں کہ کاشغر کی فتح ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں ہوئی۔ یہ خشکی کے راستے سے اسلام کے آنے کی ابتدا ہے، مگر بحری راستے سے اس کا آنا ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں شروع ہو چکا تھا۔

یہاں ہم ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس طرح ۶۵۱ء چین میں اسلام کا آغاز ہوتا ہے، اس طرح وہ سفارات کا بھی آغاز ہے، چین اور بلاد عرب اور ممالک اسلام کے درمیان بہت سے سفارات کے تبادلے ہوئے تھے، جو پندرھویں صدی عیسوی تک ہوتے رہے۔ ان سفارات کے بیان کے لیے ایک خاص باب ہے جو آگے آئے گا۔

. . . .

جہاں تک چین کی بندرگاہوں میں اسلام کی اشاعت اور پھیلاؤ کا تعلق ہے یہ قرون اولیٰ کی تجارت کی بدولت ہوا، جو چین آکر ایک مدت معلوم تک قیام کرتے تھے اور جب موقع ملتا اپنے وطن عزیز کی طرف پھر واپس ہوتے تھے۔ ان تجار میں سے بعض ایسے بھی

تھے جو وہاں آباد ہو کر آخر زندگی تک رہے۔ اگرچہ تاریخ ہم کو یہ نہیں بتا سکتی کہ ۶۵۱ء اور ۸۵۱ء میں ان تجار کی دینی زندگی کیا تھی اور تبلیغ و دعوت کے میدان میں کیا کام کیا، مگر عربوں کے مقابر اور جامع الذکری للنبی جواب تک کانتون میں ہیں۔ زبان حال سے یہ شہادت دیتے ہیں کہ ان ایام میں وہاں مسلمانوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی اور یہ جامع قدیم اگرچہ ہم اس کے بانی مبانی اور تاریخ تاسیس کے دریافت کرنے میں ناکام ہوئے اور یہ بتانا اب مشکل ہو کہ یہ مسجد، جامع جانگ آن سے زیادہ قدیم ہو، یا جامع جانگ آن اس سے، مگر یہ خیال کیا جا سکتا ہو کہ اس کے سنۂ بنا غالباً جامع جانگ آن کی تاریخ تاسیس سے زیادہ دور نہیں، خواہ اس کی تعمیر پہلے ہوئی ہو یا بعد۔

نویں صدی کے نصف اول میں جب کہ سلیمان تاجر سیرافی کسب مال اور عربی تجارت کے بازار کھلوانے کے لیے وہاں گیا۔ تو بہت سے مسلمان وہاں موجود پائے۔ اور قابلِ ذکر بات یہ ہو کہ حکمراں چین کی طرف سے ان پر ایک قاضی بھی مقرر تھا جو ان کے مقدمے فیصل کرتا اور عیدوں اور اپنے مراسم کے موقع پر امام اور خطیب بھی وہی ہوتا تھا۔ خطبے میں خلیفۃ المسلمین کے لیے دعا ہوتی تھی[1]۔ اس بیان سے یہ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ نویں صدی میں وہاں کے مسلمانوں کی دینی زندگی بالکل منظم تھی، ایسی جیسے اور ممالک اسلامیہ میں۔

---

[1] سلسلۃ التواریخ صہ ۱۴

جامع کانتون کی عمارات سے یہ صاف ظاہر ہو کہ اس کے بانی نے اسے چینی مندر کے طرز پر بنایا تھا۔ وہ مینارہ جو اس وقت مسجد کے ایک کنارے سر بہ فلک نظر آتا ہو، بے شک عربی فن کا نمونہ ہو، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی بنا مسجد کے ساتھ ایک ہی وقت میں نہیں ہوئی۔ "دلیل کانتون" کے مصنف ڈاکٹر (DR. KARE) کی رائے ہو کہ یہ غالباً سنہ ۹۰۰ء کا بنا ہوا ہو۔ یہ وہی حصہ تھا کہ جب سنہ ۱۳۱۳ء میں آگ کے شعلوں نے اس جامع کو گھیر لیا تو یہ محفوظ رہا۔[1]

امیر محمود حاکم کانتون کے حکم سے سنہ ۱۳۴۹ء اور سنہ ۱۳۹۱ء میں اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور بعد میں حاجی حسن کو وہاں امام مقرر کیا گیا۔ اور ان لوگوں میں سے جنھوں نے ان دینی مساعی میں حصہ لیا۔ ایک ترکی سردار (سی دیش) بھی تھا، یہ کانتون کے امرا میں سے تھا، اس تعمیر جدید کی یاد میں ایک کتبہ نصب کیا گیا جو اب تک اس مسجد میں نظر آتا ہو۔ اس کتبہ کی عبارات "عرب سے چین قدیم کے تعلقات" اور "تاریخ اسلام در چین کی تحقیقات" میں نقل ہوئی ہیں۔[2]

خاندان مینگ (MING TYRAETY) کے عہد حکومت میں کانتون کے ایک دولت مند مسلم کے اخراجات سے اس کی جامع کی اصلاح سنہ ۱۴۶۱ء میں ہوئی اور اسی سال ایک عربی وفد

---

[1] BROONHAEL: ISLAM IN CHINA. P. 110

[2] ANCIENT CHINAS RELATIONS WITH THE ARABS. P. 89

STUDIES ON THE HISTORY OF ISLAM IN CHINA. P. 53

عبداللہ کی زیرِ قیادت چین پہنچا اور بادشاہ چین سے ملاقات کرنے اور اپنے ضروری مہمات کے ادا کرنے کے بعد کانتون واپس اور اس مسجد کے ایک زاویے میں سکونت پزیر ہوا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں کے رہبر بنے۔

کانتون کے شمالی دروازے کے باہر کوئی نصف میل کے فاصلے پر عربوں کا ایک قبرستان ہے جس میں چالیس سے زیادہ قبریں اب تک موجود ہیں۔ ان کا طرز بالکل عربی ہے، ان قبروں کی طرح جیسی اور ممالک اسلامیہ میں نظر آتی ہیں۔ ان پر ہلالی شکل کے گنبد بھی بنے ہیں اور کتبے جن میں مرنے والوں کے نام اور تاریخ وفات درج ہیں۔ یہ لوگ اپنے زمانے میں بڑے رتبے کے لوگ تھے اور اسلام کی آب رو خیال کیے جاتے تھے۔ ان مقبروں میں سے ایک جو زیادہ ممتاز و ذی شان نظر آتا ہے۔ سعد بن ابی وقاص کی طرف منسوب ہے، وہ حقیقت میں جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے کسی اور ممتاز عرب کا ہے۔

یہیں حاجی محمود بن حاجی محمد افندی رومی بھی مدفون ہے۔ اس کے کتبے میں یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ سعد بن ابی وقاص کے مقبرے کی زیارت کے لیے ۲۰ ذی القعد ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ء) میں یہاں آئے، اس زیارت کے بعد یہیں مر گئے[۱]

ہائی نان (HAI NAN) خاندان تانگ کے عہد میں اسلام کی اشاعت صرف شہر کانتون میں منحصر نہ تھی، اس کا اثر دیگر مقامات

---

[۱] BROOMHALL: ISLAM IN CHINA. P. 113

میں بھی پہنچ چکا تھا۔ ان میں سے ایک جزیرہ ہائی نان ہے، یہ صوبہ کوانگ تونگ (KWONG TUNG) کے بالکل بالمقابل واقع ہے۔ اس جزیرہ کی تاریخ یہ ہے کہ یہ کوئی دو سو سال قبل مسیح سے چینیوں کے ہاتھ میں آچکا تھا، مگر انھوں نے تجارتی اور سیاسی حیثیت سے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ چھٹی صدی عیسوی میں اسے تین دائروں میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ۷۸۹ء میں وہاں فوجی چوکیاں قائم کی گئیں۔

اہل جزیرہ "ہائی نان" کی عادات اور لب و لہجہ، اندرونی چین سے کچھ مختلف ہیں بلکہ "کوانگ تونگ" کے باشندوں سے بھی جو ان کے ہم سایہ ہوتے ہیں۔ اس جزیرے کے باشندے نہایت راست باز اور وفادار لوگ ہوتے ہیں۔ ہر وقت کاموں میں لگے رہتے اور ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرلیتے ہیں۔ اکثر باشندے مچھلیوں کے شکار پر گزارتے ہیں، اگرچہ ان میں کوئی تونگر نہیں ملتے، مگر وہ نہایت اعتدال پسند اور مصارف میں نہایت کفایت شعار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کوئی فقیر نظر نہیں آتا اور نہایت تنگی کے زمانے میں بھی کوئی بھیک مانگنے والا نہیں ملے گا۔[لے]

یہ نیک خصلتیں اور خوبیاں جو اہل ہائی نان میں پائی گئی ہیں وہ بے شک اسلام کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ اسلام تجار عرب کے توسط سے "عہد تانگ" کے زمانے میں وہاں پہنچ چکا تھا اور چین کے کتب قدیمہ میں اس کی شہادت مل سکتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ساتویں

لے ENCY BRIT ART: HAI-NAN

اور آٹھویں صدی کے تجار عرب وہاں پہنچ کر بعض اوقات بحری قزاقوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جاتے تھے۔

چینی کتابوں میں ان قزاقوں کے نام بھی آتے ہیں جن میں سے ایک "جن وو چین" (GIN WU CHEN) مشہور تھا، یہ جن چاؤ (GIN CHOW) (موجودہ غائی ہین) (GAI HIEN) کا رہنے والا تھا، اس کے پاس بڑی ثروت تھی اور اس جزیرہ کا سب سے مالدار شخص تھا اس کے پاس ہاتھی دانت اور کرگدن کے سینگوں، اور دیگر قیمتی مال کے خزینے تھے۔ ماخذ مذکور بیان کرتا ہے کہ "یہ ثروت تجار عرب کی ثروت تھی، ان سے لوٹ مار کر حاصل کی گئی تھی۔ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہاں کے لوگ فن سحر کے بھی ماہر ہوتے تھے۔ تجار عرب اور مسلم بیوپاری جو کشتی میں بیٹھ کر وہاں پہنچ جاتے تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ طوفان کی وجہ سے گم راہ ہو کر ساحل "جن چاؤ" میں پناہ لیتے۔ ایسا موقع غنیمت سمجھ کر وہاں کے قزاق مثلاً "جن وو چین" قریب کے پہاڑ پر چڑھ کر کچھ ایسا منتر پڑھتے کہ کشتی باہر نہیں جا سکتی تھی۔ پھر وہ آکر تاجروں کا مال لوٹ لیتے۔ اس طرح سے وہ بڑے مالدار بن جاتے تھے [۱]

"عرب سے چین قدیم کے تعلقات" کا مؤلف ایک اور مقام میں "تذکرہ جنگ، تانگ تائی ہاؤ بر شرق" کی روایت سے یہ بیان کرتا ہے کہ "تیان پاؤ" (TIAN PAO) کے زمانے میں

---

[۱] ANCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS - P. 99

"ہانگ یوفانگ" وہاں کا ایک بڑا بحری قزاق تھا۔ اس کی عادت یہ تھی کہ ہر سال ایرانیوں کی تین کشتیوں کو لوٹ لیتا تھا، مال و متاع نوکر اور چاکر سب لے کر شمال کے گانؤ میں پناہ لیتا تھا جو شہر سے کوئی تین روز کی مسافت تھی۔[1]

ان اقوال سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عرب اور ایرانی مسلم تجار، عہد تانگ (TANG) میں وہاں پہنچ جاتے تھے۔ اگرچہ بسا اوقات غرقی لوٹ مار وغیرہ کے مصائب میں مبتلا ہو جاتے مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہاں ان کا وجود اہل ہائی نان پر ضرور کوئی نمایاں اثر چھوڑ گیا ہوگا۔

"جو یوگوا" کے "تذکرے ممالک اجنبیہ" میں بیان ہے کہ اہل چین نے "غائی چاؤ" (GAI CHOW) کے مشرق میں ایک مسلم ناخدا کے لیے ایک معبد بنایا اور وہ جاکر دعا مانگتے ہیں اور چین کے ملاحین جب کہ وہاں سے گزرتے ہیں تو اس معبد میں جاکر کچھ نذریں پیش کرتے ہیں اور خیر و سلامتی کے طالب ہوتے ہیں۔ اس معبد کو چینی زبان میں "بیچو تو کان میو" یعنی "معبد ناخدائے اجنبی" کہتے ہیں۔ استاد ہیرت جو "تذکرہ ممالک اجنبیہ" کا مترجم ہے، یہ بیان کرتا ہے کہ کانتون کے سرکاری کاغذات میں ہائی نان کے متعلق ایک معبد کا ذکر ملتا ہے جو چوانیگ میو (CHOO YING MIOU) کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں معبود "بیچو" یعنی ملاحوں کا سردار تھا۔

---

[1] AUCIENT CHINAS RELATON WITH THE ARAB. P.96

وہاں کے باشندوں میں یہ معبد، "معبد معبود اجنبی" کے نام سے مشہور ہے، اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ سوّر کا گوشت اس معبد میں لے جانا ممنوع ہے۔[۱] چوں کہ سوّر کے گوشت سے مسلم اور غیر مسلم کا فرق ظاہر ہوتا ہے اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ کپتان ضرور کوئی مسلم ہوگا۔ اور اسی بنا پر سوّر کا گوشت وہاں ممنوع قرار دیا گیا حالاں کہ دیگر معابد میں اس مکروہ شے سے مطلق اجتناب نہ تھا۔

"عرب سے چین قدیم کے تعلقات" کا مؤلف یہ روایت کرتا ہے کہ یہ معبد "غائی چاؤ" کے باہر کوئی ۳۵ میل پر واقع ہوا جہاں ایک جھیل ہے، جو جھیل نینو فر کہلاتی ہے۔ اس معبد میں جس ہستی کی تقدیس کی جاتی ہے وہ ایک اجنبی بزرگ ہے۔ ۱۲۷۰ء میں اسے بندرگاہ کے دیوتا کا درجہ دیا گیا۔ نذر چڑھانے میں سوّر کا گوشت ممنوع ہے۔ چین کے ملاح جو آتے جاتے ہیں، وہاں جا کر منّت مانتے ہیں۔ یہ "معبد کپتان اجنبی" کے نام سے وہاں مشہور ہے

ہم نے کسی سابق باب میں یہ اشارہ کیا تھا کہ اہلِ چین سلف صالح کی ارواح پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کو یہ یقین ہے کہ آبا و اجداد کی ارواح آفات کے دفع کرنے اور فلاح و بہبودی کے انعام کرنے میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔ وہ ان کے لیے معابد اور مندر بناتے ہیں اور ان میں قربانیاں اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ ایسے عقیدے کی بنا پر آپ کو تعجب نہ کرنا چاہیے کہ کفار چین ایک عربی کپتان کے لیے بھی معبد بنا کر اس کی روح سے فیض حاصل کرتے تھے اور قربانیاں

---

[۱] HIRTH: CHOO IUKUO: P. 188

چڑھاکر اس سے نیک توفیق اور سلامت جان کی دُعا مانگتے تھے۔

ان قربانیوں اور نذروں میں سوٴر کے گوشت کی ممانعت تھی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ سوٴر کا گوشت زمانۂ قدیم سے چین میں مسلم اور غیر مسلم کی حد فاصل رہا ہے۔ مسلمان کو اس خبیث شی سے ایسی نفرت ہے کہ اگر سامنے نظر آئے، تو دُور بھاگتے ہیں، یہ چین کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ باہر کے مسلمانوں کی طبیعت میں اس خبیث چیز سے سخت نفرت پائی جاتی ہے۔ ابن بطوطہ نے چین پہنچ کر جب کہ یہ چیز دیکھی تو واپس آنے پر اپنے سفر نامے میں اس کا ذکر اس طرح کیا کہ الفاظ تک میں کراہیت کی بُو پھیل گئی۔

آج ہم شہر "غائی چاؤ" میں ایک ایسے خاندان سے ملتے ہیں جو اجنبی الاصل ہے۔ وہاں کے لوگوں میں روایت ہے کہ ان کے آبا و اجداد عہد سونگ (SUNG) (۹۶۰-۱۲۷۶ء) یا عہد یوان (YUAN) (۱۲۷۷-۱۳۶۷ء) کے زمانے میں خلیج فارس سے آکر سواحل ہائی نان پر آباد ہوئے، جو لوگ اس وقت مقام سوسانیہ میں رہتے ہیں وہ انھی کی اولاد ہیں۔ وہ "ابی فلاں" سے خطاب کرتے ہیں، وہ اپنے آبا اور اجداد کی یاد میں سوٴر کا گوشت ممنوع قرار دیتے ہیں۔ ان کے لیے خاص مندر ہے جس میں وہ عبادت اور دُعا مانگتے ہیں۔ ان کی جسمانی ہیئت اور آواز بھی تقریباً عربوں سے مشابہ ہے۔ یہ لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں او[ر ا]س کا عشر بھی نکالتے ہیں ان میں بعض جاگیردار ہیں۔ عرصہ دراز کے خلط ملط سے مقامی عادات سے وہ ضرور متاثر ہوئے، مگر شادی بیاہ میں وہ اپنے قبیلے سے اجتناب

نہیں کرتے۔ ہاں محرم سے شادی نہیں کرتے۔ غیر قبیلے کے لوگ بھی
ان میں شادی نہیں کرتے اور نہ وہ غیر قبیلے میں۔ گویا کہ اس طریقے
سے وہ اپنے قبیلے کا خون محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ عام طور
پر ساحلی مقامات پر رہتے ہیں۔ ان کے مکانات کوئی عالی شان
اور اونچی کوٹھیاں نہیں بلکہ معمولی جھونپڑیاں ہیں اور جو پانی سے
کچھ دوُر رہتے ہیں، ان کے مکانات بھی معمولی ہیں ان کے امرا
میں زخارف اور زیبائش کا چرچا نہیں، صرف اس موقع پر قانع
ہوتے ہیں کہ مکان مضبوط ہو۔ شہر غائی چاؤ (GAI CHOW)
میں چھ بولیاں بولی جاتی ہیں۔ ان میں ایک اجنبی جو اہل سوسانیہ
کی زبان ہو۔ ان کی لسانی اصوات جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، عربی
اصوات سے مشابہ ہیں[1]

شہر غائی چاؤ میں اس وقت چار مسجدیں ہیں۔ دو ہزار سے
کچھ زیادہ مسلم گھرانے ہیں۔ اکثر اجنبی الاصل ہیں یا عرب ملّاحوں
کی اولاد ہیں یا ایرانی تاجروں کی، جو مختلف زمانوں میں وہاں آباد
ہوئے اور ہم اس میں شک نہیں کرتے کہ عرب خون اب تک ان
میں پایا جاتا ہو۔ ان کے آبا و اجداد یا تو سواحل عمان سے آئے تھے
یا حضرموت اور یمن سے۔ ان دنوں بندرگاہ (SAIGON) میں
بھی کثرت سے یمانی پائے جاتے ہیں۔ ان سے ہمارے ایک بھائی
کی ملاقات بھی ہوئی جب کہ تعلیم کے واسطے مصر آتے وقت وہ

---

[1] AUCIENT CHINAS RELATIONS WITH THE ARABS - P. 100

بیان کرتے ہیں کہ عربی کرم اور مہمان نوازی جو سارے عرب میں مشہور ہے، وہاں کی نو آبادیوں میں محفوظ ہے اور وہ لوگ ان سے بڑی محبت اور کرم سے پیش آئے۔

چوان چاؤ:۔ ظن غالب یہ ہے کہ اسلام عہد تانگ میں شہر چوان چاؤ یانگ چاؤ اور ہانگ چاؤ میں پہنچ چکا تھا۔ کیوں کہ یہ سب چین کی مشہور بندرگاہیں تھیں، جن کے دروازے آٹھویں صدی عیسوی سے تجار عرب اور ایران کے لیے کھل گئے تھے۔ مگر ہم اس کے متعلق کچھ تفصیل نہیں دے سکتے، کیوں کہ چینی مصادر میں ان شہروں کی اسلامی تحریکوں کے متعلق بہت کم ذکر ملتا ہے۔ "تذکرہ ولایت فوکین" اور "تاریخ مینگ" کا یہ بیان کہ اسلام دسویں سال ہجری میں چوان چاؤ اور یانگ چاؤ پہنچ چکا تھا۔ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ بلاد عرب میں اسلام کی عام اشاعت اور سواحلِ ہند تک پہنچنے سے پہلے، اسلام کا چین پہنچ جانا اگرچہ ناممکن نہ تھا مگر جب تک کوئی دلیل اور حجت یقینی نہ مل جائے اس بات کا قرینہ نہیں پایا جاتا۔ اس کے باوجود ہم یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ ان بندرگاہوں میں اسلام کا پہنچنا عہد تانگ کے آخر ایام میں ضرور ہوا ہوگا کیوں کہ تاریخ سونگ (SUNG) سے اس بات کی تصدیق ملتی ہے کہ عہد سونگ میں (۹۶۶-۱۲۷۶ء) بندرگاہ چوان چاؤ میں مسلمانوں کی تعداد کافی تھی۔ "تذکرہ چوان چاؤ" میں ایک مشہور عرب لیڈر کا ذکر ہے، جس کا "ابوالشوفین" نام تھا۔ اس کے آبا و اجداد تجارت کے واسطے چین آکر شہر کانتون میں آباد ہوئے۔

بارھویں صدی میں اس کے والد چوان چاؤ میں منتقل ہو گئے۔

تذکرے میں لکھا ہے کہ ابو الشوقین نے اپنے بھائی کے ساتھ سواحل فوکین پر امن قائم کرنے اور تجار عرب و ایران کے مال و جان کی حفاظت کے لیے چینی افسروں کی خوب مدد کی تھی۔ ان دنوں میں سواحل فوکین پر بحری قزاقوں کا ہنگامہ تھا۔ تجار کے جان و مال بڑے خطرے میں تھا، مگر ان دونوں بھائیوں کی مدد سے چینی حکام وہاں پھر امن و نظام قائم کر سکے۔ اس خدمت کے صلہ میں ابو الشوقین کو انسپکٹر جنرل کے درجے پر ترقی دی گئی پھر کوانغ تونگ اور فوکین دو صوبوں کا امین امور بحریہ مقرر ہوا۔ جہازوں کی آمد و رفت اس کی نگرانی میں تھی۔

تذکرہ ممالک اجنبیہ میں ایک اور مسلم کا ذکر ملتا ہے جس نے چوان چاؤ میں اقامت اختیار کر لی۔ بیان اس طرح سے ہے کہ یہ ایک اجنبی تاجر سیرانی کے لقب سے وہاں معروف اور مشہور ہے، اس کی اصل عرب ہے، چوان چاؤ کے جنوب میں سکونت پذیر ہے۔ وہ بڑا مالدار ہے مگر اس کا ہاتھ کھلا ہے۔ خیراتی کاموں پر خوب خرچ کرتا ہے، جو ان کی قوم کی خاص خصلت ہے۔ اس نے بہت سی زمین خرید کر اپنے ہم وطنوں کے قبرستان کے لیے وقف کر دی اور جو اس دیار غریب میں مر جاتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیجیے کہ اسلام کے چوان چاؤ پہنچنے کے متعلق چینی کتابوں میں کچھ نہیں ملا، تب بھی "جامع طاہر" کا وجود جس کی بنا ۱۱۳۱ء میں پڑی تھی، اس بات کی شہادت کے

لیے کافی ہے کہ بارھویں صدی میں وہاں کثرت سے مسلمان آباد ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ان کے لیے ایک مسجد بنانے کی ضرورت ہوئی۔

یہ مسجد چوان چاؤ شہر کے جنوبی جانب واقع ہے، جہاں اس زمانے میں عرب اور ایرانی تجار کے محلات تھے۔ اس مسجد میں ایک کتبہ جو ایک نام ور عالم "وو کان" کا لکھا ہوا ہے۔ "عرب سے چین قدیم کے تعلقات"، کے مؤلف نے نقل کیا ہے۔" وو کان"، عہد یوان (YUAN) کے" کی چینگ (KI CHENG) کے زمانے میں (۱۳۴۱ - ۱۳۶۷) گزرا ہے۔ اس نے ایک کتاب "تحقیق بلدان" کے موضوع پر، بیس اجزا میں چھوڑی۔ اس عالم نے ایک اپنی کتاب میں احوالِ عرب کے بیان کے بعد یہ لکھا ہے کہ ایک شخص نجیب مظہرالدین نامی، تجارت کے قصد سے سیراف سے ۱۱۲۱ء میں چوان چاؤ آیا اور اس کے جنوبی جانب ایک مسجد کی بنا ڈالی اور بہت سی زمین خرید کر اس پر وقف کر دی اور غازیوں سے اسے آباد کیا۔ متولی احمد اپنے زمانے میں اس مسجد کی خدمات سے قاصر رہا، اپنے واجبات اور فرائض سے غافل ہو کر اسے ویران چھوڑ دیا۔ ۱۳۵۰ء میں جب کہ فوکین کا رئیس چوان چاؤ تشریف لایا، تو شیخ الاسلام برہان الدین خطیب شرف الدین اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے پاس بُلا کر دریافت کیا کہ کن باتوں کی تم کو شکایت ہے؟ انھوں نے مسجد کی ویرانی اور شعائر دین کے عدم اہتمام کا ذکر کیا۔ اس اثنا میں ایک ترکی ہمردار تارو خواجہ طرفان سے یہاں آیا اور غالباً ان میں اور فوکین کے رئیس میں سابقہ معرفت

تھی ۔ ان کے درمیان تبادلہ خیالات ہوا ، آخر یہ مقرر ہوا کہ مسجد مذکور کی اصلاح کی جائے اور تاروخواجہ کی ذمہ داری پر اس نیک کام کی تفویض ہوئی ۔ اس خبر نے عوام و خواص میں پیامِ عید کا کام کیا ۔ وہاں ایک بڑا رئیس شخص تھا ، انھوں نے مسجد کی اصلاح کے لیے سارے اخراجات اپنے سر لیے ۔

" وو کان " اس کتبے کے آخر میں یہ بیان کرتا ہو کہ برہان الدین بڑا عالم شخص تھا ۔ اس وقت اگرچہ اس کی عمر ایک سو بیس[۱۲] سے زائد ہو چکی تھی ، مگر نہایت قوی اور کاموں میں اوسط عمر کے لوگوں کا مقابلہ کرتا تھا ۔ وہ بہت ہی خلیق اور وہاں کی بہت ہی محبوب ہستی تھی ، وہ اس مسجد کے مذہبی رئیس تھے اور متولی احمد تھا ۔

ابن بطوطہ جب چین گیا ، سب سے پہلے چوان چاؤ (زیتون) پہنچا اور اس مسجد کی زیارت کی ، وہاں اس کی تاج الدین الاردویلی ، کمال الدین عبداللہ الاصفہانی اور برہان الدین کازِرونی جیسے اکابر سے ملاقات ہوئی ۔ ابن بطوطہ کے قول کے مطابق کمال الدین عبداللہ شیخ الاسلام تھے ۔ شرف التبریزی وہاں کے بڑے تاجر اور برہان الدین بڑے فاضل ۔ مسجد کی اصلاح ابن بطوطہ کے واپس آنے کے بعد ہوئی ۔

ان شہروں میں سے جہاں اسلام کا داخلہ عہد تانگ میں ہوا ہو چیانگ آن بھی ہو ، یہ اس وقت کا پایۂ تخت تھا ۔ کتب چین کے علاوہ تاریخ عرب بھی اس کی شاہد ہو کہ اسلام آٹھویں صدی کے شروع میں وہاں پہنچ گیا ۔ یہ ناقابلِ انکار واقع ہو کہ ۱۵ سنہ ء ۔

سنہ ۹۶ھ میں قتیبہ بن مسلم نے ایک وفد ہبیرہ ابن شمرج کی زیر ریاست بادشاہ چین کے پاس بھیجا تھا جس کا تفصیلی ذکر سیاسی تعلقات کے باب میں آچکا ہے۔ یہاں دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چینی کتابوں میں ایک عربی وفد کا ذکر آیا ہے کہ سرکاری طور پر سنہ ۶۵۱ء میں چانگ آن وارد ہوا، اور بادشاہ چین سے یہ بیان کیا کہ ان کی حکومت چونتیس سال قبل قائم ہوئی اور اب تیسرا بادشاہ تخت حکومت پر ہے۔ "تاریخ تانگ جدید" میں ایک اور عربی وفد کا ذکر کیا گیا ہے جو سنہ ۷۱۲ء میں پائے تخت چین میں وارد ہوا۔ وفد اپنے ساتھ بادشاہ چین کے لیے گھوڑے، اور خوب صورت زین کے ہدیے لایا۔ جب کہ بادشاہ کے سامنے آیا، تو اسے سجدہ کرنے سے انکار کیا، یہ عذر پیش کر کے کہ ان کے ملک میں سجدہ صرف ذات خدا کے لیے کیا جاتا ہے، نہ کہ ایک مخلوق انسانی کے لیے گو اس کا درجہ بڑا کیوں نہ ہو۔ صاحب قوانین چاہتے تھے کہ اس بدتمیزی کے بدلے میں وفد کو قتل کر دیا جائے۔ مگر ایک وزیر نے سامنے آ کر سفارش کی کہ دول کے سرکاری آداب ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ہمارے یہاں ہمارے آداب ہیں، اور ان کے وہاں ان کے۔ اور اس اختلاف آداب کی وجہ سے وہ سجدے سے انکار کرتے ہیں نہ کہ ذات بادشاہ کی توہین۔ اس بنا پر انھوں نے ایسا جرم نہیں کیا جس کی وجہ سے ملک چین میں وہ قتل کے مستحق ہوں۔[1]

---

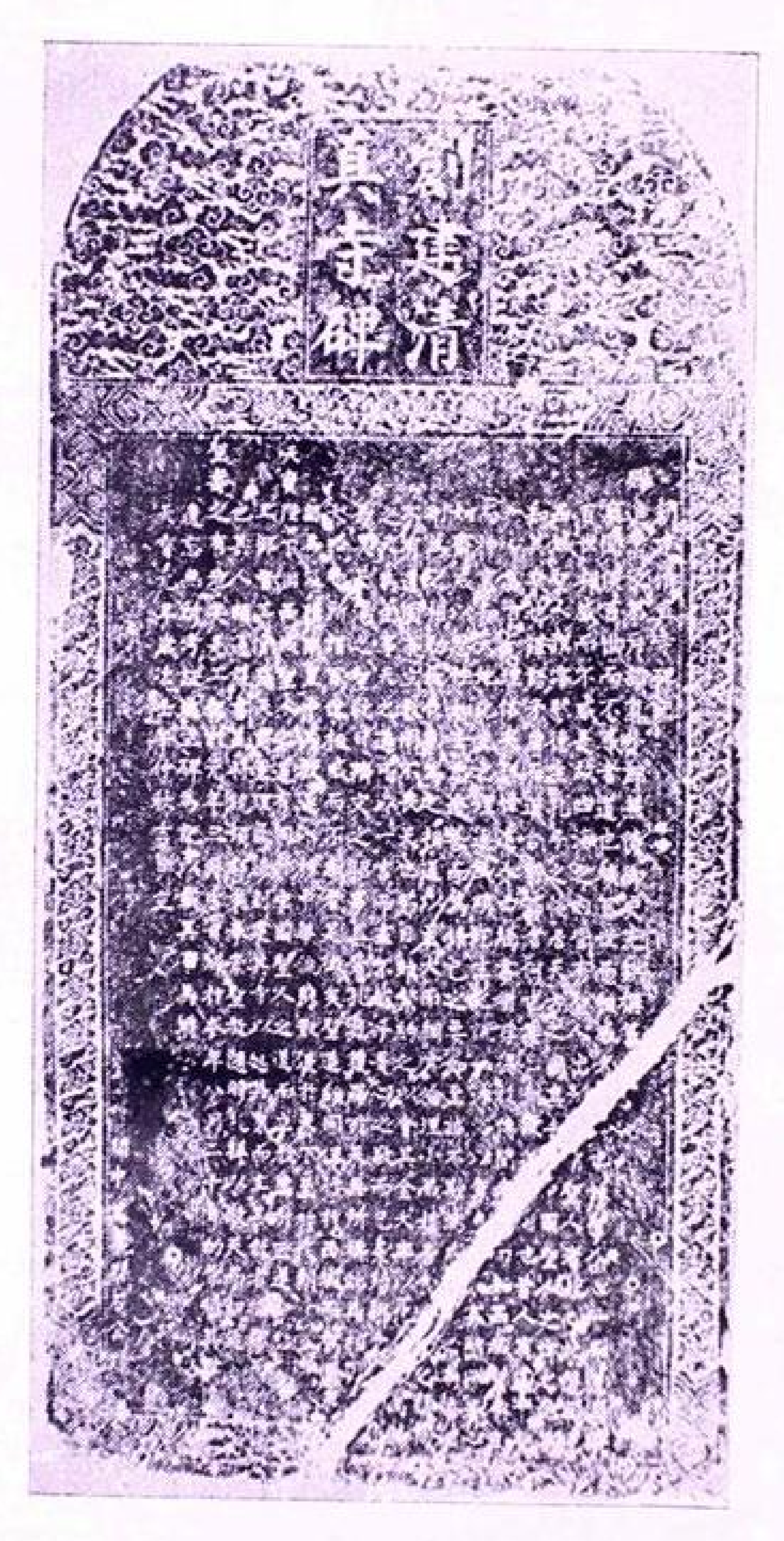
[1] ANCIENT CHINA'S RELATION WITH THE ARABS P.46. BROO HALL: P.18. BRETSCHNEIDER. P. 8

محققین تاریخ چین کی رائے ہے کہ وہ عربی وفد جس کا ورود "تاریخ تانگ جدید" کے مطابق سنہ ۷۱۳ء میں ہوا۔ وہی وفد تھا جسے قتیبہ بن مسلم نے ترکستان سے بھیجا تھا۔ کیوں کہ "تاریخ تانگ جدید" اس وفد کا سن ورود "کائی یوان" کا شروع عہد بتاتی ہے۔ اس کا عہدِ حکمرانی سنہ ۷۱۳ء سے سنہ ۷۲۱ء تک تھا۔ پس "کائی یوان" کے عہد شروع سے یہ مراد ضروری نہیں کہ سنہ ۷۱۳ء ہی ہو، جس سال سے اس کا عہد شروع ہوتا ہے، یہ کیوں ممکن نہیں کہ اس سے مراد اس عہد کے پہلے تین سال ہوں۔ کیوں کہ چینیوں میں یہ عادت ہے کہ اگر یہ کہیں کہ یہ کام فلاں مہینے کے شروع میں ہو جائے گا، تو اس سے مراد پہلے دس روز ہیں۔ اور اگر "ماہ کا وسط" کہیں، تو درمیانی دس روز، وعلیٰ ہذا القیاس "آخر ماہ" کا مفہوم ہوتا ہے۔

یہ رائے علمائے تاریخ کے نزدیک قابلِ قبول معلوم ہوتی ہے کیوں کہ دونوں مصدروں چینی اور عربی میں اس وفد کے متعلق صرف دو سال کا فرق نظر آیا۔ ایسے تاریخی معاملے میں جس پر اب بارہ سو سال گزر چکے ہیں۔ دونوں مصدروں کا یہ خفیف اختلاف قابلِ گرفت نہیں ہو سکتا۔

غرض اتنا تو ضرور ثابت ہے کہ ان وفود کے آنے سے اسلام کا پیغام آٹھویں صدی عیسوی میں حکمراں چین کے کانوں تک پہنچ چکا تھا۔ اگر بالفرض یہ کہیں کہ ان وفود کا وجود نہ تھا، تب بھی وہ مسجد جس کی بنا سنہ ۷۴۲ء میں پڑی۔ اس امر کی شاہد عادل ہے کہ

متعلق صفحہ ۲۶۲



کہا جاتا ہو کہ یہ چین کے اسلامی کتبات میں سب سے پرانا کتبہ ہو جو سنہ ۷۴۲ء
میں مسجد سیغان کی تعمیر کے اتمام پر بطور یادگار نصب کیا گیا جو اب تک
اس مسجد میں موجود ہو

مسلمان شہر چانگ آن میں ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں پہنچ گئے۔ ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے اس کی سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے لیے ایک مسجد بنائی جائے جہاں وہ جمع ہوکر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے علاوہ، مذہبی امور کے متعلق ایک دوسرے سے مشورہ بھی کرسکیں۔

مسجد کے اندر ایک بہت پرانا کتبہ ہے جس پر مسجد کی تاریخ تاسیس کندہ کی ہوئی ہے جو اب تک صاف نظر آتی ہے۔ یہ ۷۴۲ء کی شہادت دیتا ہے۔

کتبہ مسجد چانگ آن:۔ جہاں تک اس کتبہ کا تعلق ہے بعض مورخین اس کی عبارت کی اصلیت کا انکار کرتے ہیں اور یہ رائے ظاہر کرتے ہیں یہ چودھویں صدی کی ایجاد ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں انھوں نے کئی دلیلیں پیش کی ہیں، جن کا ذکر اب آجائے گا۔ چوں کہ اس کتبہ کو تاریخِ اسلام در چین کے موضوع میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ یہاں اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرکے محققین کے سامنے پیش کردوں اور بعد میں تفصیل سے بحث کرکے یہ دکھانے کی کوشش کروں کہ منکرین کا دعوا کہاں تک صحیح ہے اور اس امر کی طرف توجہ دلاؤں کہ آیا اس کتبہ کی عبارت میں کوئی تغیر ہوا ہے یا نہیں۔

اس کتبہ کا ترجمہ یہ ہے:۔

صدر عنوان: کتبہ برائے تاسیس مسجد۔

پہلی سطر۔ داہنے سے۔ تذکرہ تاسیس مسجد۔

دوسری سطر: ڈاکٹر" وانگ کونگ (WANG KUNG)
رئیس وزارۃ المالیہ اور ادارہ اعداد نے مندرجہ ذیل عبارات کا انتخاب کیا :-

کتبہ کی موجودہ عبارات :-

"وہ چیز جس میں ابد تک شک نہیں کیا جا سکتا، وہ حق ہے اور وہ چیز جس میں ہر وقت شعور موج زن ہو وہ دل ہے، انبیاء سب حق کی تائید کرتے ہیں، اس وجہ سے کہ ان کے قلبی شعور بالکل متفق ہیں - اگرچہ ان کا زمانہ ایک دوسرے سے مختلف رہا ہے، مگر وہ سب ایک اہم نقطے پر متفق ہیں۔ یعنی شرک کی تردید کرنا۔ انبیا تو ہر جگہ بھیجے گئے ہیں، ان کی شناخت اس سے ہو سکتی ہے کہ وہ حق کی تائید کرتے ہیں، اور لوگوں کو اسے فہم بالعقل کی دعوت دیتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی عربی کا ظہور بے شک کانفوشیوس کے بعد ایک مختلف زمانہ اور مکان اور ایک غریب ماحول میں ہوا اور ان کی زبان ہمارے نزدیک غیر مفہوم ہے مگر اس کی وجہ کیا ہے کہ دونوں کے مبادی متفق اور دونوں کی تعلیم ہم رنگ ہے، دونوں میں شعور قلبی کا اتحاد تھا اور تائید حق میں دونوں کی ایک آواز تھی۔ ایک عالم سابق نے کیا خوب کہا ہے کہ انبیا کے دل اشخاص کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتے اور نہ حق زمانہ کے تفاوت سے متفاوت ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

زمانہ گزر گیا اور اس کی مادی ہستی باقی نہیں رہی، مگر ہم کو قرآن اور احادیث شریفہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہ پیدائشی عالم تھے، ایسے عالم کہ مجسم معجزہ۔ وہ تحت الارض کے دقائق کو جانتے تھے اور مافوق السما کے اسرار سے واقف تھے۔ تخلیق کے حقائق اور کائنات کے فوائد ان کے علم سے مخفی نہ تھے، موت اور زندگی کا راز ان سے نہیں چھپا۔ طہارتِ جسمانی اور تربیت اخلاق کے اصول ان کے سامنے آشکارا تھے۔ انھوں نے لوگوں کو بہت سی تعلیمات دی ہیں مثلاً روزے سے نفس امارہ کو دبانا، وعدوں کے پورا کرنے سے خلاص کا اظہار کرنا۔ نیک اعمال سے شہوتوں پر قابو رکھنا، مخلوق کی یاد سے دل کو پاک رکھنا، شادی بیاہ سے تعاون پیدا کرنا اور خوشی اور غم میں شرکت کر کے ہمدردی کا ظاہر کرنا۔ یہ سب انسانی زندگی کے اہم اصول ہیں۔

حاصل کلام یہ ہو کہ حیات کی بڑی سے بڑی باتیں مثلاً اخلاقی مسائل، اور چھوٹی سے چھوٹی جیسا کہ دستور اکل و شرب سب کو ایک ہی نظام میں منسلک کر دیا جو ایک قوی رشتے سے وابستہ ہو گئے، جسے "دین" کہتے ہیں اور ہمیشہ یہ سامنے رکھ کر کہ خدا کے غیظ و غضب سے ڈرو اور اس کی رحمت کے آرزومند ہو۔

اگرچہ اس تعلیم کے کچھ فرعی شعبے ہیں، مگر وہ ایک ہی منزل مقصود اور غایت پر لے جاتے ہیں۔ یعنی اس خدا کی بزرگی کی طرف جو خالق کائنات ہو۔ کافی ہو یہ دین جو وحدت کی طرف دعوت دیتا ہو اور اس کو سمجھنے کے لیے صرف ہماری عقل سے استدعا

کی جاتی ہے۔ اس دین کے اصول بادشاہ "یو" (YAO) کے "آسمان اعلا کی تعظیم کر" اور بادشاہ "شانگ" (SHANG) کے "عبادات سے اپنے دنیاوی امور کی اصلاح کر" اور "وین وانگ (WEN WANG) کے "عبادات صرف خالق کے لیے ہی مخصوص ہیں" اور کانفوشیوس کے "آسمان کو غصہ دلانے سے کہاں نجات ہو سکتی ہے" کے مطابق ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ایک ہی منبع سے نکلی ہیں اور انبیا کے شعور و ایمان یکساں ہیں۔

یہ بات مخفی نہیں کہ انبیاء کے ایمانوں میں تفاوت نہیں اور نہ ان کے شعور میں کوئی تباین ہے (اور ہم ایک کی تعلیم میں دوسروں کی تعلیم دیکھتے ہیں) مگر آنحضرت محمد رسول اللہ کی تعلیم جو کہ بلاد عرب میں پھیل گئی تھی اس سے پہلے چینیوں کے کانوں میں نہیں پہنچی۔ عہد "کائی وانگ" میں تب آئی اور چین کے اطراف میں پھیلی۔ یہاں تک کہ "تیان پاؤ" (TIAN PAO) کا مبارک عہد آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس نبی عربی کی تعلیم، حکما چین کے مبادی سے ہم آہنگی رکھتی ہے۔ سب عوام کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں تو شعبۂ انجنیری کے صدر "لوتیان چُو" (LUTIAN CHU) کو حکم دیا گیا کہ ایک مسجد کی بنا کا نقشہ تیار کرے تاکہ عام مسلمان وہاں جمع ہو سکیں اور امور دین کی تنظیم کے لیے "بدرالدین" کو صدر بنایا، وہ ایک عالم محقق ہے، اس نے امامت کا عہدہ قبول کیا اور جمہور مسلمان، صلات اور عبادات میں اس کی زیر قیادت ہیں۔

بنا مسجد کی ابتدا "تیان پاؤ" کے پہلے سال، تیسرے مہینے کے ایک مبارک دن میں اور آٹھویں مہینے کے بیسویں دن میں اس کی تکمیل ہوئی۔ بدرالدین نے یہ تجویز پیش کی کہ اس نیک عمل کی یاد میں ایک پتھر کا کتبہ نصب کیا جائے تاکہ زمانے کے گزرنے سے وہ نسیاً منسیا نہ ہو جائے۔ کہ بعد کے محققین کو اس مسجد کے احوال سابقہ اور حقائق غائرہ کے دریافت کرنے میں کوئی سبیل نہ مل سکی۔ ۷۴۲ء کے موسم خریف میں نصب کیا گیا۔

. . . .

وہ لوگ جو اس کتبہ کی اصلیت کے منکر ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اس کتبہ ہی میں کئی ایسی شہادتیں مل جاتی ہیں جو اس کی عدم اصلیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اولاً: کتبے میں یہ دعوا کیا گیا ہے کہ اسلام کا داخلہ "کائی وانگ" کے عہد میں ہوا ہے۔ یعنی ۵۸۱ء اور ۶۰۱ء کے درمیان۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبوت سے پہلے اسلام کا داخلہ وہاں ہو چکا تھا! یہ صریحاً واقع اور حقیقت کے مخالف ہے، جس کی تصدیق کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مارشال بروم ہال نے لکھا ہے۔

ثانیاً۔ اس کتبے میں "تیان فان" کا لفظ آیا ہے۔ تاریخ چین اس کی شاہد ہے کہ اس لفظ کا استعمال "بلاد عرب" کے معنی میں خاندان مینگ سے پہلے (۱۳۶۸ - ۱۶۴۴ء) مروج نہیں ہوا کیونکہ "عرب" جو عہد تانگ (TANG) کی کتابوں میں مذکور ہیں، وہ "تاش" کے لفظ سے مشہور ہیں۔ یہ لفظ فارسی "تازی" کا بگاڑ ہے۔

مغول کے عہد حکومت میں "بلاد عرب" "تیان فان" (کعبہ) کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ان شہادتوں کی بنا پر ڈاکٹر دویریہ DEVERIA یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ اس کتبہ کی تاریخ ۱۳۵۱ء سے قبل کی نہیں ہوسکتی۔[1]

ثالثاً: اس کتبے کی موجودہ عبارت ترکیب کی حیثیت سے اُن عبارات سے جو عہد تانگ میں مروّج تھیں کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔ چین کا ایک بڑا مورّخ کتبہ مذکور کی عبارت کی تحلیل اور تدقیق کرکے اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس تحریر میں اور ادبار عہد سونگ (SUNG)۔ (۱۳۶۷ء) کی تراکیب میں کوئی فرق نہیں۔ پھر لفظ محمد کا ترجمہ صوتی جو اصلی کلمے سے ملتا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عہد مینگ (۱۳۶۸۔ ۱۶۴۲ء) کا کارنامہ ہے۔ اس عالم کی رائے ہے کہ کتبے کی موجودہ عبارت اصلی نہیں ہے، بلکہ زمانۂ متاخر کی ایجاد ہے، مگر چوں کہ اس کتبے میں ان خامیوں کے باوجود "ڈاکٹر وانگ کونگ کا نام مذکور ہے، جو عہد "تیان پاؤ" کی ایک معروف ہستی ہے اور تاریخ میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، اس لیے اس انکار کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ "احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ کتبہ ۷۴۲ء میں نصب کیا گیا اور اس پر اپنی اصلی عبارت تھی جو ڈاکٹر "وانگ کونگ" کے ہاتھ سے لکھی گئی۔ مگر عصر مینگ میں جب کہ اس مسجد کی مرمّت ہوئی تو لوگوں نے اصلی عبارت مٹا کر موجودہ عبارت لکھ دی اور "ڈاکٹر وانگ کونگ" کا نام مع تاریخ نصب بانی رکھ کر اس کی طرف منسوب کردی۔ اس

[1] BROONHALL. P. 88

واسطے ہم کو اس کتبے کی موجودہ عبارت میں اور ادبار تانگ (TANG) کی ترکیب میں انقلاب نظر آتا ہے، باوجودے کہ ڈاکٹر " وانگ کونگ" کا نام اور تاریخ نصب (۷۴۲ء) اس میں منقوش ہے۔ یہ پروفیسر چین یوان (CHEN YUAN) استاد تاریخ جامعہ پکین کی رائے ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مسجد کی کئی مرتبہ ترمیم ہوئی۔ اور صوبہ شینشی (SHEN Si) کے سرکاری ریکارڈ میں ان اصلاحات کا ذکر ملتا ہے۔ پہلی مرتبہ عہد حکومت " سونگ " میں امیر عبداللہ کے خرچ پر ۱۱۲۷ء میں۔ دوسری مرتبہ عہد مغول میں سنہ ۱۳۱۵ء میں سید اجل کے خرچ سے۔ چوتھی مرتبہ عہد مینگ میں جب کہ چین پر ہونگ وو حکمران تھا اور حاجی جہان (HAGEE TSEUG HO) نے جو بادشاہ مذکور کا ایک بارسوخ مسلم درباری تھا، اپنے روپے سے اس کی مرمت کی۔ چوں کہ مختلف زمانے میں اس کی اصلاحات ہوتی رہی ہیں، اس لیے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس سال کی اصلاح میں کتبے کی عبارت تبدیل کی گئی۔ راے ترجیح یہ ہے کہ یہ تبدیلی تیسری یا چوتھی مرتبہ کی ترمیم میں ہوئی۔ یہ رائے مرجح " بیسوتیر سان دابری" مؤلف (- - - - - - - - LA MCHA) کے قول پر مبنی ہے جس پر وہ اس مسجد کے متعلق یہ لکھتا ہے کہ مختلف زمانے میں اس مسجد کا نام مختلف رہا ہے۔ شروع میں اس کا نام " تسنگ جیو" یعنی " معبد دین طاہر" تھا۔ بعد میں تانگ منگ ژی" معبد نور ساطع ہوا۔ سنہ ۱۳۱۵ء میں سید اجل نے جب اس کی اصلاح کی تو اس کے نام بدل کر کے " تِسنگ چین ژی"۔ معبد دین طاہر حقیقی

رکھا اور کتبے کے صدر عنوان میں یہی آخری نام موجود ہے۔ اس بنا پر مارشال بروم ہال اس مسئلے متنازع میں یہ فیصلہ صادر کرتا ہے کہ "کتبہ کا نصب اس ہی سال ہوا"۔

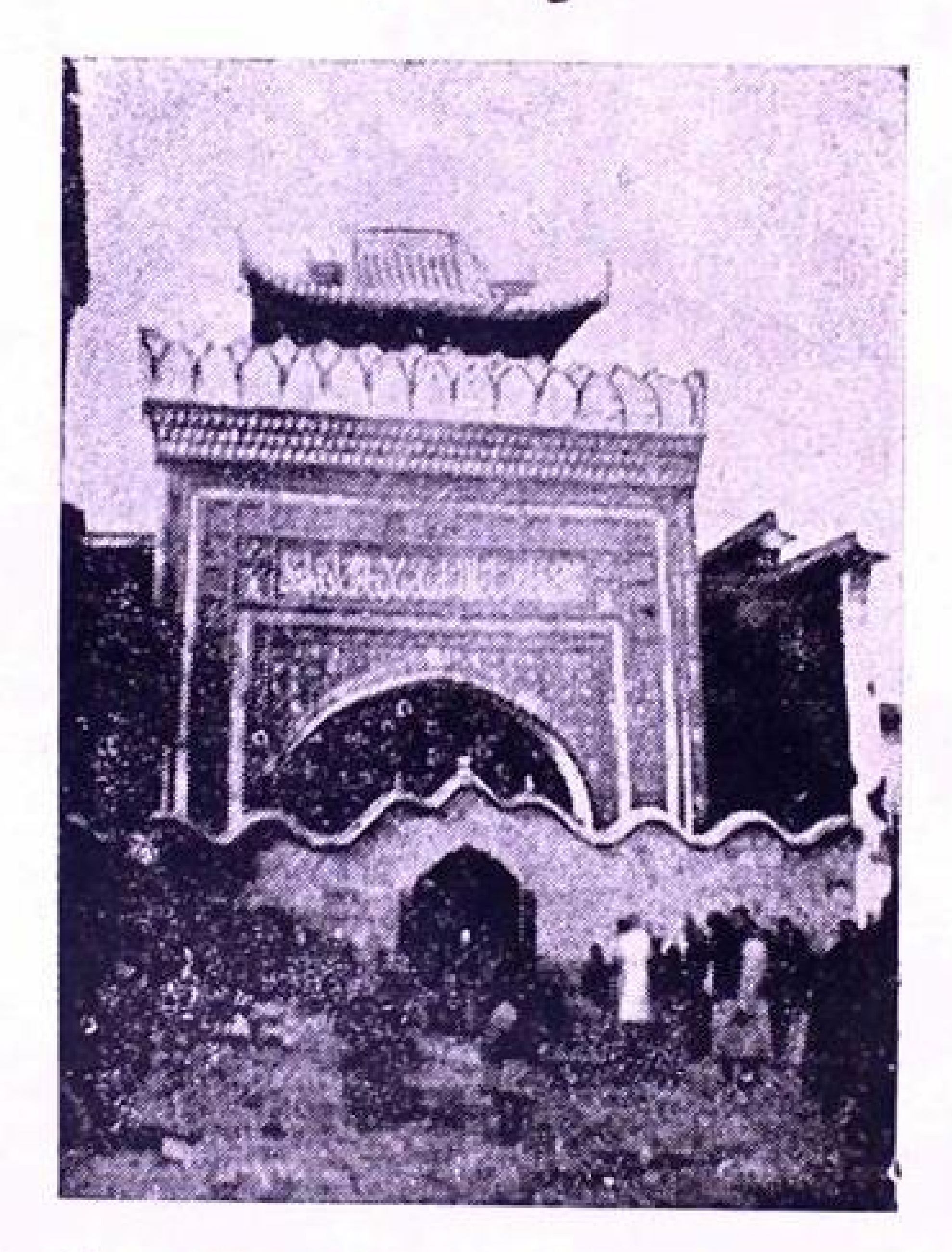
جامع "جانگ آن" کی تاریخ تعمیر میں تو کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ یہ آٹھویں صدی کے اسلامی آثار میں مسلّم ہو چکی ہیں، مگر کتبے میں زیادہ تحقیق کرنے سے واقعاً کوئی نمایاں تغیر ہوا تھا۔ کیوں کہ اس کی عبارات کی تحلیل کرنے سے ان علمی دلائل کے علاوہ جن کو استاد چین یوان نے پیش کیا ہے اور کئی دلائل مجھ کو ملیں جن کا بیان کیا جانا یہاں مناسب ہے۔

اوّلاً: جملہ کتب قدیمہ میں عہد تانگ سے عہد مغول تک یہ ذکر نہیں ملتا کہ اسلام "کائی وانگ" کے زمانے میں آیا ہے۔ مگر عہد مینگ (MING) کے مؤلفات میں اس کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خاص سبب ہے جس سے اب تک ہم ناواقف ہیں۔

ثانیاً: جامع جانگ آن کا کتبہ معنوی لحاظ سے ان تصانیف سے مشابہ ہے جو عہد مینگ میں ہوئی تھیں۔ ان تصانیف کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں مبادی تعلیم حکما چین اور اصول اسلام کا مقابلہ ملتا ہے اور یہ بات کانتون، ہانگ چاؤ اور چوان چاؤ کے پرانے کتبوں میں نہیں ملتی۔

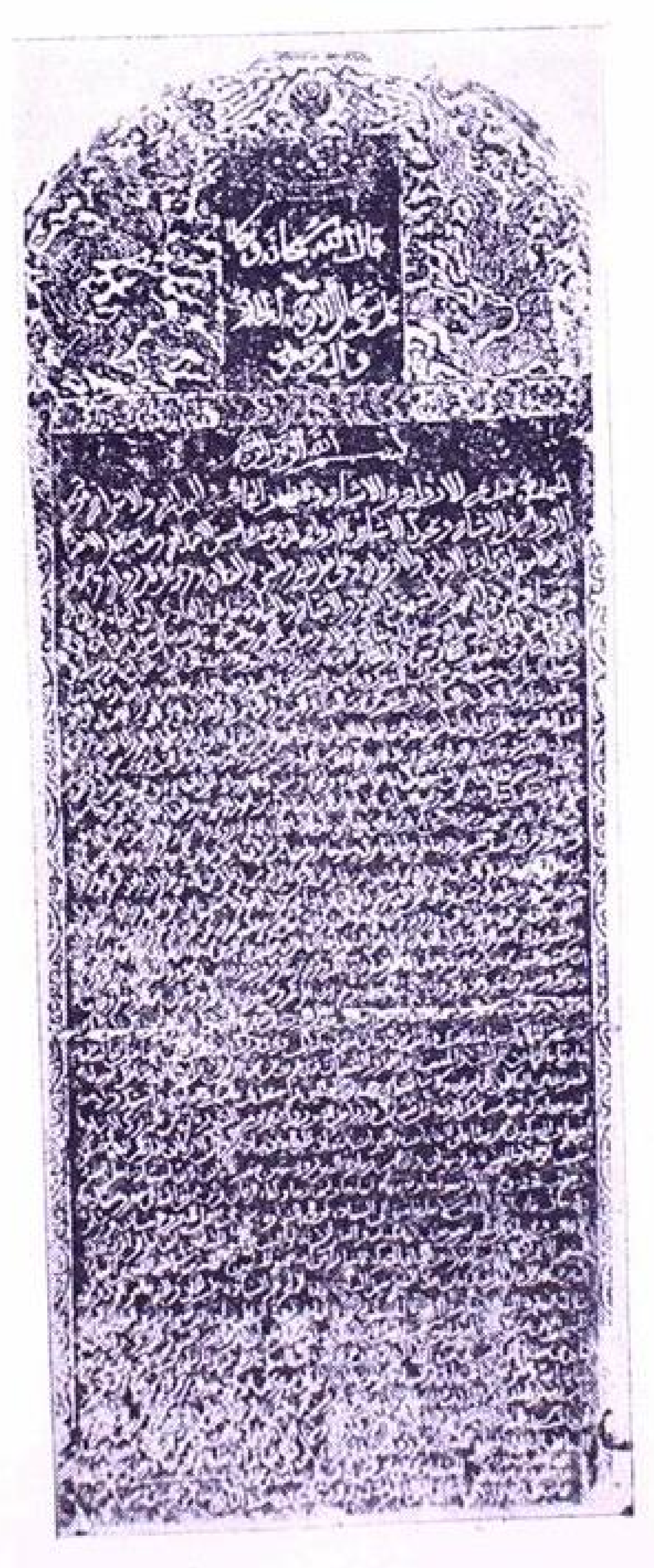
ثالثاً: میرے نزدیک سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ جامع چانگ آن" کے کتبے میں اس زمانے کے امام کا نام "بدرالدین"

متعلق صفحہ ۲۷۰



جامع ''چوان چاؤ'' کے سامنے کا منظر جس میں چینی و عربی
فن تعمیر کا امتزاج بخوبی نظر آتا ہے - یہ جامع
عہد ''مینگ'' کی تعمیر کردہ ہے

متعلق صفحہ ۲۷۱



کتبہ یادگار شیخ امام بدر الدین بن شمس الدین السرفکاذکی جامع سیقان میں

۹۵۲ھ — ۱۵۳۵ء

بتایا گیا ہے۔ قرونِ اولیٰ ہجری کے عربوں میں شاذ و نادر ایسے نام ملتے ہیں جس کے آخر میں "دین" کا لفظ آیا ہو، اور اب تک بھی ان میں ایسے نام بہت کم مستعمل ہیں۔ ایسے ناموں کا رواج خراسانیوں اور ایرانیوں کی خاصیت ہے، اور جب کہ وہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے، تو ایسے نام پسند کرتے تھے جن کے آخر میں "دین" کا لفظ ہو۔ مثلاً سراج الدین، تاج الدین وغیرہ وغیرہ۔

خیال ہو سکتا ہے کہ اس کتبے میں جو "بدر الدین" ہے یہ کوئی عجمی ہوگا جو آٹھویں صدی عیسوی میں آکر "چانگ آن" میں آباد ہو گیا، اور اس معاملے میں ہمارا اعتقاد بھی ضرور یہی ہوگا۔ اگر ہم کو ایک دوسری شہادت نہیں ملتی جو اس امر کے خلاف گواہی دے رہی ہے۔ یہ ایک عربی کتبہ ہے جو اس ہی جامع میں ملا۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ یہ عربی کتبہ اس چینی کتبے کی پشت پر کندہ کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔ اگر ہم اس کے فوٹو پر ایک نظر ڈالیں تو بغیر تامل کے آپ یہ کہہ دیں گے کہ یہ بڑے خوب صورت خط میں لکھا گیا ہے۔ آخر میں اس کی تاریخ بھی صاف نظر آتی ہے۔ اس میں ۹۵۲ھ = ۱۵۴۵ء لکھا ہوا ہے۔ اس کی عبارت بہت واضح اور اوّل سے آخر تک پڑھی جا سکتی ہے۔ کتبے کے مضمون سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ کسی بڑے شیخ کی یاد میں کندہ کیا گیا تھا۔ اس شیخ کا نام "بدر الدین بن شمس الدین السون کانگی" ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ جامع "چانگ آن" کا امام ہو جو مرنے کے بعد وہیں دفن ہوا۔ اس کتبے کا دعوا ہے کہ یہ شیخ سید الاصل ہے اور آنحضرت

کے درمیان کوئی تیس پشتیں گزری ہیں۔ غرض اس عربی کتبے میں "بدرالدین" کا نام لکھا ہؤا دیکھ کر فوراً ہماری توجہ اس "بدرالدین" کی طرف ہوئی جو پتھر کے دوسری طرف چینی کتبے میں مذکور ہے۔ اگر استاد "چین یوان" کی تحقیق صحیح ثابت ہوئی کہ چینی کتبہ کی عبارات میں جو ۷۴۲ء میں نصب کیا گیا تھا، جو تغیر واقع ہؤا وہ عہد مینگ میں ہؤا (۱۳۶۸ء - ۱۶۴۲ء) تو ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ یہ دو "بدرالدین" جن کا ذکر چینی اور عربی دونوں کتبوں میں آیا ہے، ایک ہی شخص ہوگا۔ اوراس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہوگا۔ کہ چودھویں صدی کے آخر میں یہ تغیر ہوا جس وقت بدرالدین مذکور وہاں کے امام تھے۔

اس تغیر کے باوجود ہم یہ کہنے میں تامل نہیں کرتے، کہ جامع چانگ آن کا چینی کتبہ جس کی اصلی عبارت ہم تک نہیں پہنچی، چین کے ان آثار اسلامی سے ہے جن کی تاریخ ۷۴۲ء تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں وہاں کافی مسلمانوں کی تعداد تھی۔

سیلا۔ عہد تانگ میں "سیلا" میں اسلام کے پہنچنے کے متعلق چند سطریں لکھ کر اس بحث کو ہم ختم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک قدیم بندرگاہ ہے جو موجودہ کوریہ میں تھی۔ "عرب سے قدیم چین کے تعلقات" کا مصنّف یہ لکھتا ہے کہ جزیرہ کوریہ تین اجزا میں منقسم تھا اور ہر ایک جز پر ایک مستقل حاکم تھا۔ ریاست "کوجولی" (KUO GU Li) مشرق میں تھی، اور ریاست "نپچی" (Bi CHEEH) اس کے غرب میں، اور "سیلو" جو عربوں کے جغرافیہ میں سیلا

کہلاتا ہی) اس کے جنوب مشرق میں۔ چین نے ۶۶۰ء میں ایک فوجی مہم کوریہ بھیجی اور ریاست "پیچی" کو اپنے ماتحت کرلیا اور بیس سال بعد یعنی ۶۸۰ء میں ریاست "کوجولی" پر چین کا قبضہ ہُوا۔ "سیلو" خود مختار رہا۔ وہ خاندان تانگ (TANG) کا معاون تھا۔ مگر نویں صدی کے آخر میں اس کا استقلال بھی جاتا رہا۔ پھر ۹۰۲ اور ۹۲۱ء میں جب کہ اندرونی چین میں بغاوتیں ہوئیں[1] تو کوریہ مستقل ہوکر ایک خود مختار حکومت بن گئی۔

ان میں سے ریاست "سیلو" ہمارے زیر بحث ہی۔ اس کا ذکر عربی کتابوں میں "سیلا" کے نام سے بہ کثرت آیا ہی اور اسلام کا یہاں آنا، اگرچہ تاریخ چین اس نقطہ پر ساکت ہی مگر علمائے عرب نے اس کو فراموش نہیں کیا۔ انھوں نے تجارت عرب کے سلسلے میں اس بندرگاہ کی آب وہوا اور حالات بیان کیے، تو ساتھ ہی مسلمانوں کی آمد کا ذکر بھی کیا۔ دیکھو ابن خرداذبہ کا قول! "چین کے آخر قانصو کے مقابلے میں بہت سے پہاڑ اور مُلک ہیں۔ ان میں سے ایک ملک سیلا ہی جس میں سونے کی کثرت ہی اور مسلمان جو وہاں داخل ہوتے ہیں، سکونت اختیار کرلیتے ہیں۔ آب وہوا بہت ہی اچھی ہی، اس کے بعد کوئی ایسا ملک نہیں ملے گا"[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان جو یہاں آئے تھے وہ تجارت

---

[1] ابن اثیر، سلیمان سیرانی اور مسعودی نے ان بغاوتوں کا ذکر اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہی۔

[2] ابن خرداذبہ۔ صفحہ ۷۰

اور کسب مال کے لیے۔ لیکن یہاں کی زرخیزی اور صحت بخش آب وہوا دیکھی، تو نکلنا نہیں چاہتے تھے بلکہ آباد ہو جاتے اور ہر طریق سے اس ملک سے فائدہ اٹھاتے۔ "تعلقات سفر" کا مؤلف لکھتا ہے:۔

"ملک سیلا بہت غنی اور ثروت والا ملک ہے۔ سونے کی کثرت ہے۔ مسلمان جب وہاں داخل ہوتے تو طبیعی رجحان سے ان کی آنکھیں مسحور ہو جاتیں، یہاں تک کہ وہ وہاں سکونت اختیار کر لیتے اور باہر آنا پسند نہیں کرتے"۔ [1]

ابن خرداذبہ نویں صدی عیسوی میں تھا۔ اس کی کتاب میں "سیلا" تک مسلمانوں کے ورود کا ذکر ہونا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس سے پہلے وہاں پہنچ گئے ہوں گے اور اگر ہم یہ اندازہ لگائیں کہ آٹھویں صدی میں وہاں ان کا آنا شروع ہوا ہوگا، تو ہم کو یقین ہے کہ ہم پر مبالغے کا الزام کوئی نہیں لگا دے گا۔

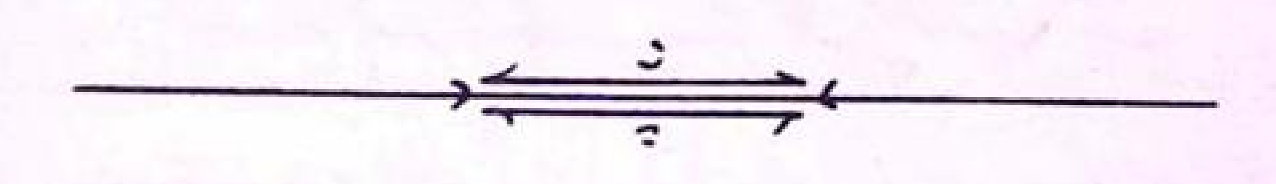
یہ توصریحی بات ہے کہ مسلمان قرون اولی ہجری میں "سیلا" پہنچ چکے تھے۔ مگر ان کی حالت وہاں ایسی نہ رہی جیسی چین کی اور بندرگاہوں میں تھی۔ 'ہان نان'۔ چوان چاؤ، ہانگ چاؤ اور کانتون میں ان کی آبادی جڑ پکڑ کر کافی پھیل چکی تھی اور اب تک ان کی اولاد ان مقاموں میں پائی جاتی ہے۔ مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا قدم "سیلا" میں پہنچا، مگر زیادہ دیر پا نہ ہوا۔ اس واسطے ان کے اخبار منقطع ہو گئے اور دسویں صدی عیسوی کے بعد کی عربی تصانیف میں ان کا ذکر بھی

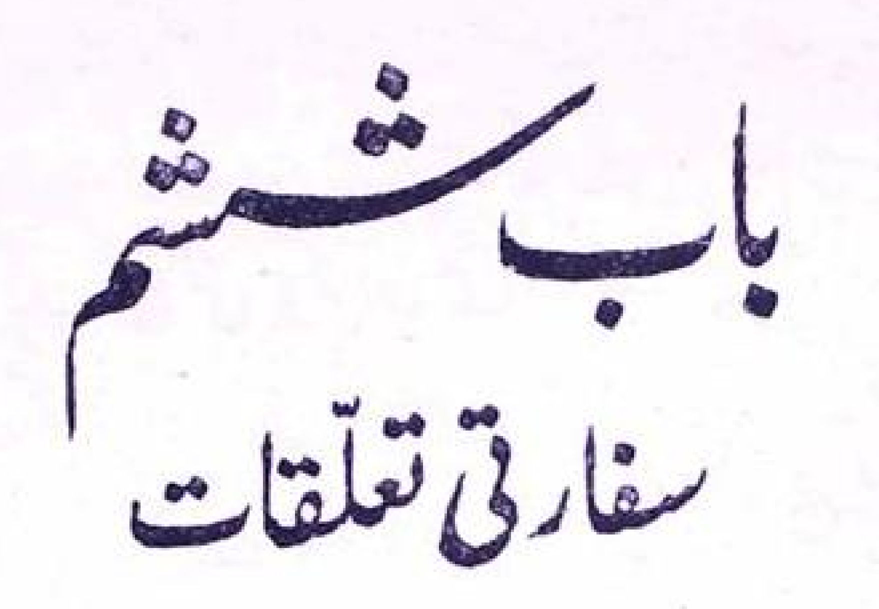
---

[1] FERRAND RELATIONS DES VOUARES. P. 33

نہیں آتا۔

کوریہ میں اس وقت قلیل مسلمان آباد ہیں وہ ان عرب تاجروں کی اولاد نہیں ہیں جو آٹھویں اور نویں صدی میں وہاں پہنچے، بلکہ منچوریا اور چین سے ہجرت کر کے گئے ہیں۔ ان کی دینی حالت بہت ہی یاس انگیز اور اس درجے تک پہنچ گئی ہے کہ ان میں اور کفار میں سوائے سور کا گوشت نہ کھانے کے، کوئی اور فرق نظر نہیں آتا۔ اے اللہ ان کو سیدھی راہ دکھا۔ تو جانتا ہے کہ تیرے علاوہ کوئی اور ان کو راستہ نہیں دکھا سکتا!





باب ششم

سفارتی تعلقات

(الف) عہد "تانگ" سے عہد "مینگ" تک

وہ سفارات جو مختلف زمانے میں چین اور عرب کے مابین مختلف اغراض کے لیے متبادل ہوئے تھے، ان میں سے بعض دینی، بعض تجارتی اور بعض حسن جوار اور دوستانہ تھے۔ اس باب میں جن تعلقات کا ذکر ہر وہ سیاسی تعلقات سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ ہم نے سیاسی تعلقات کا انحصار اس زمانے کے جنگی واقعات اور عسکری حرکات پر کر دیا تھا۔ اور یہاں ان سفارتوں کا ذکر ہوگا جو عرب کی طرف سے یا ان امرا کی طرف سے جو حکام عرب کے ماتحت تھے، چین بھیجی گئیں۔ یا وہ جو چین کی طرف سے ان کے وہاں ارسال ہوئیں۔ ان سفارات کی تفصیل آپ اس باب اور بعد کے باب میں دیکھیں گے۔

سابق باب میں یہ ذکر آچکا ہر کہ سفارتی تعلقات کی ابتدا سرکاری طور پر خلیفہ ثالث عثمانؓ کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ کیوں کہ تاریخ چین میں ایک عربی وفد کا ذکر ہر۔ جو عہد "یونخوی" کے دوسرے سال

۶۵۱ء چین کے پایۂ تخت میں وارد ہوا۔ وفد کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ان کے آنے کی اغراض، بادشاہ چین کو یہ خبر دینا تھا کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوا جو توحید کی اور عقل سے مقاصد زندگی کے سمجھنے کی دعوت دیتا ہو۔ اس کے بعد بہت سے اور سفراء آئے جن کی غرض و غایت کچھ اور تھی۔ تاریخ عرب اور اسلام میں ان سفراء کے متعلق اگرچہ بہت ہی کم ذکر آیا ہو، مگر تاریخِ چین میں خصوصاً اس عہد کی جو "خاندان تانگ" (TANG DYNASTY) سے متعلق ہو ضروری معلومات مل جاتی ہیں، چین کی تاریخِ قدیم میں سرکاری طور پر کوئی چونتیس[۳۴] سفارتوں کی رجسٹری موجود ہو جو بلاد "تاشی" (العرب) سے ۶۵۵ اور ۶۸۰۰ کے درمیان چین وارد ہوئیں اور ان وفود کے ساتھ اور وفد بھی تھے جو فرغانہ، سمرقند، بلاد ایوغویس، ارمینا اور سرندیپ سے آئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وفود اکثر خشکی کے راستے سے آیا کرتے تھے اور کبھی بحری راستے سے۔

عربی مصادر میں ہم نے ان سفارات کے متعلق، ان کی اغراض و غایت اور روسار کے نام تلاش کیے، مگر اس سلسلے میں ہماری ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ اس وقت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہماری لاعلمی ہو یا واقعاً عربی کتابوں میں ان سفارات کے متعلق کوئی ذکر نہیں آیا۔ مگر بہر حال ہمارا اعتقاد یہ ہو کہ ہماری یہ ناکامی دوسرے سبب سے ہوئی، نہ کہ پہلے۔ اگر عربی کتابوں میں ان سفارات کی تصدیق ملتی تو یہ معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی کہ چینی تاریخ میں جو یہ دعوا ہو کہ عرب وفود ہدایا اور خراج پیش کرنے کے لیے چین

آیا کرتے تھے، کہاں تک صحیح ہے اور اس دعوے میں کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔

عربی مصادر کے سکوت سے اور ایک شکل پیدا ہوئی، وہ یہ کہ ہم یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ کتنے وفود خلفا کی طرف سے آئے اور کتنے ان امرائے عرب کی طرف سے جو خراسان اور ماوراءالنہر کی حکومت پر قابض تھے۔ ظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری طور پر خلفاء بنی امیہ میں اور بادشاہ چین میں بہت سی سفارات کا تبادلہ ہوا۔

عربی کتابوں میں ان زمانوں کی صرف دو سفارتوں کا ذکر ملتا ہے، ایک وہ جو قتیبہ بن مسلم کے حکم سے چین بھیجی گئی اور دوسرے وہ جو خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی کی طرف سے۔ اور چین اور خلفاء بغداد کے ان سفارتی تعلقات کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ متعدد چینی کتابوں میں ان سفرا کے اخبار پائے جاتے ہیں جو "کالے چوغوں پہننے والے عربوں کی" طرف سے وارد ہوئے اگرچہ تفاصیل کی کمی کیوں نہ ہو۔

"تاریخ تانگ" کے مطابق بنی اُمیہ کے زمانے میں کوئی ۱۷ سفارات عرب سے چین آئے تھے۔ اور ۱۵ بنی عباسیہ کے زمانے میں۔ سفارات عباسیہ کا آغاز ۷۵۲ء سے ہوتا ہے، اور اس سے پہلے سب بنی اُمیہ کے زمانے میں واقع ہوئے۔

چین کی ایک پرانی کتاب میں جو "چفو یوانکوی" کے نام سے موسوم ہے، یہ بیان ہے کہ بنی اُمیہ کے اثنائے حکومت میں عرب وفود مندرجہ ذیل سنین میں چین کے پائے تخت "چانگ آن" وارد

ہوئے: ۶۵۵، ۶۸۱، ۶۸۲، ۷۰۲، ۷۱۱، ۷۱۶، ۷۱۹، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۳، ۷۴۱، ۷۴۴، ۷۴۰، ۷۴۷م۔

اس کتاب میں یہ بھی بیان ہے کہ اس عربی وفد کے ساتھ جو ۶۵۵ء میں چین آیا، ارمینا کا ایک وفد بھی تھا اور اس کے ساتھ جو ۶۸۱ء میں وارد ہوئے۔

فرغانہ کا وفد اور وہ جو ۷۱۱ء میں پہنچے، بلاد عرب سے نہیں تھا، بلکہ شہر رے سے۔ اور اسی سال سرندیپ سے ایک وفد آیا۔ اور ۷۱۹ء میں فرغانہ سے، سمرقند سے، بلاد ہند اور عرب سے سفرا آئے اور ۷۲۵ء میں دو مرتبہ وفد آئے۔ ایک تو پہلے مہینے میں اور دوسرا تیسرے مہینے میں، اور ہر مرتبہ کا رئیس سلیمان ہی تھا اور ان کی موافقت میں تیرہ عرب اور تھے۔ پہلی مرتبہ وفد کی غرض چینی سال کے نوروز پر مبارک باد دینا تھا اور دوسری مرتبہ اپنے ملک کی پیداوار کا پیش کرنا، جن میں گھوڑے اور اونی کپڑے بھی تھے۔

چینی مصادر سے ہم یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ کتنے وفود خلفائے بنی امیہ کی طرف سے آئے۔ کیوں کہ چینی تاریخ میں لفظ "تاشی" (TASHI) سے مراد بے شک ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ دمشق کے عرب ہوں یا عراق کے،۔ بلکہ یہ بہت ممکن ہے کہ اس "عرب" میں وہ لوگ بھی شامل ہوں جو ایشیا وسطی یا غرب ہند میں آباد ہو چکے تھے۔ تاریخ سے یہ بات ظاہر ہے کہ وہ سفارات جو ماوراالنہر اور خراسان کے امرائے عرب کی طرف سے چین بھیجے گئے۔ وہ زیادہ تر دمشق سے آئے۔ جس وفد کے متعلق ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے

ہیں کہ دمشق سے آئے۔ وہ ۷۱۶ء کے وفد تھے۔ کیوں کہ کتاب "چیفو یونگوی" میں صاف لکھا ہو کہ عہد کائی یوانگ (KAI YUANG) کے چوتھے سال میں (۷۱۶ء) بلاد عرب سے ایک وفد آیا جو امیرالمومنین سلیمان کا ارسال کردہ تھا۔ انھوں نے اپنے ملک کے متعلق بہت سے بیانات دربار چین میں دیے اور اپنے ساتھ بہت ہدیے لے کر آئے۔ جن میں سے سنہری تاگوں کا بنا ہوا جبہ، عقیق، عطردان اور بلاد عرب کی خاص پیداوار قابلِ ذکر ہیں۔ بادشاہ چین نے سفیر کو "چونگ لانگ چیانگ" (THE KNIGHT OF CHONG LONG) کا خطاب دے کر انعام اور اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

اس ایک وفد کے علاوہ ہم کو صحت کے ساتھ یہ معلوم نہیں کہ کوئی اور وفد بھی دمشق سے آیا۔ کیوں کہ ان سفارات میں جو ۷۱۶ء سے پہلے چین وارد ہوے۔ اگرچہ تاریخ چین میں انھیں بلاد عرب سے منسوب کیا گیا ہو، مگر قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ آخر وہ کہاں سے آئے۔ ظن اغلب یہ ہو کہ وہ عرب حکام کی طرف سے آئے ہوں گے جو فتوحات کا جھنڈا اٹھائے ہوے ماوراءالنہر آ پہنچے تھے۔ مگر یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہو کہ ۷۱۶ء کے بعد جتنے وفود چین آئے وہ ایشیا وسطی کے حکام عرب کی طرف سے آئے۔ کیوں کہ تاریخ چین میں ۷۱۹ء کی سفارت کے متعلق جو بیان ہو، اس کے دیکھنے سے آپ کا ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہو کہ اس بیان میں جن عربوں کا ذکر ہو وہ ہرگز دمشق سے نہیں آئے۔ اس میں یہ دعوا ہو کہ اس سال جو عربی وفد آئے تھے وہ خراج ادا کرنے کے واسطے آئے تھے۔ اور اسی غرض

کے لیے فرغانہ، سمرقند اور جنوب ہند سے بھی وفود آئے[۵۱] یہ کھلی ہوئی حقیقت ہو کہ عرب نے بنی امیہ کے زمانے میں کسی سلطنت کو خراج نہیں دیا اور خراج اور خراج ادا کرنے کے مسئلے میں عقل یہ تقاضا کرتی ہو کہ سلطنت مغلوبہ کی طرف سے قوت غالبہ کے سامنے خراج پیش کریں، اور عربوں نے ایشیا وسطی کے میدانِ جنگ میں کبھی چین سے شکست نہیں کھائی۔ تب یہاں خراج دینے کے کیا معنی؟ مگر اس کی ایک تاویل یہ بھی ہوسکتی ہو کہ ماوراء النہر کے بعض قواد عرب نے حکمران چین کو کچھ ہدیے پیش کرنے کے سلسلے میں وفد بھیجا ہوگا، اگر یہ وجہ نہیں تو صاف یہ نظر آتا ہو کہ یہ وفد چین کی سیاسی نبض دیکھنے کے لیے بھیجا گیا اور جو کچھ تھوڑے تحفے چین کی خدمت میں پیش ہوئے، اسے "خراج" سمجھ لیا گیا۔ اگر یہ تاویل قابلِ قبول نہیں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہو کہ یہاں "خراج" سے کیا مطلب ہو۔

وہ سفارت جو ۷۲۵ء میں آئی، ماوراء النہر کے ایک عربی حاکم نے بھیجی تھی۔ اس بات کے ثبوت میں کئی دلائل موجود ہیں۔ تاریخ چین سے یہ معلوم ہوا کہ اس سال دو مرتبہ عربوں کے وفود آئے۔ اور ہر مرتبہ کا صدر وفد سلیمان ہی تھا اور ان کے ساتھ تیرہ اور عرب تھے۔ یہ یقینی بات ہو کہ دو مہینے کی قصیر مدت میں کسی تیز رفتار سواری کو مہلت نہیں ہوسکتی کہ وہ دو مرتبہ دمشق سے جانگ آن

---

[۵۱] AUCIUT CHINAS RELATION WITH AE ARABS. P. 61.

کی مسافت کاٹے۔ اس بنا پر ہمارا خیال یہ ہے کہ وفد ایسے شہر سے آیا جو حدود چین سے قریب، مگر عربوں کے ماتحت تھا۔ اس میں صدر وفد سلیمان کا جو ذکر ہے، وہ کون تھا؟ اور ماوراء النہر سے اس کے کیا تعلقات تھے؟ تاریخِ عرب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلیمان بن ابی ساری تھا جو خجند کے محاصرے میں سعید بن عمر حراشی کے ساتھ تھا۔ خجند کاشغر کے قریب کا ایک شہر ہے اور وہاں عربوں کا محاصرہ ۱۰۴ھ؍۷۲۲ء میں ہوا۔[1] اس جنگ کے بعد شاید اسد بن عبد اللہ، سلیمان بن ابی ساری کو ۷۲۵ء میں چین بھیجا گیا۔ اس غرض سے کہ حکمران چین کو روسار ترک کو مدد دینے سے باز رکھیں۔[2] ان روسار ترک سے عربوں کو دو طرح سے خطرہ تھا، ایک تو یہ کہ یہ لوگ فتوحات عرب کے سدّ راہ بنے ہوئے تھے، اور دوسرا یہ کہ یہ لوگ ایشیا وسطیٰ کی حکومت عرب میں جس کے ارکان داخلی نزاع کی وجہ سے مستحکم نہ تھے اور خلل و اضطراب پیدا کرتے تھے۔[3]

تاریخ میں یہ بیان آیا ہے کہ ۷۲۸ء اور ۷۲۹ء میں عرب سے وفد آئے تھے۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ ۷۲۸ء میں جو وفد آئے تھے

---

[1] GIBB: ARAB CONQUESTIN CENTRAL ASIA: P. 63

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] ان ایام میں یمنی اور مصری جیوش میں عصبیت کا جوش از سر نو اٹھ رہا تھا۔

وہ بلادِ عرب سے نہ تھے، کیوں کہ اس وفد کا صدر چینی مصدر "دیدو" نامی بتاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عربوں میں ایسا نام نہیں ملتا۔ "چفویوانگوی" کے مطابق یہ عربوں کا قائد تھا۔ آٹھ اور ساتھی اپنے ساتھ لے کے دارالسلطنت آیا اور بادشاہ چین نے ان کو "چونلانگ چیانگ" (MiDDLEGRADEKUGiR) کے خطاب سے مشرف کیا، اور بہت اکرام اور انعام کے ساتھ رخصت کیا۔ نام سے یہ تو پتا نہیں چلتا کہ یہ کوئی عربی قائد تھا مگر یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ترکی الاصل ہو اور ان قوادِ عرب کی اطاعت کر چکا ہو جو بخارا اور سمرقند میں تھے۔ اور اس زمانے میں نصر بن سیار، اسد بن عبداللہ اور سعید بن عمر صراشی وہاں کے نامور حکام تھے۔ ان میں سے کسی کے ماتحت یہ ترک قائد "دیدو" رہا ہوگا۔

سنہ ۷۳۴ء میں جو وفد چین آئے وہ جنید کی طرف سے آئے۔ جنید بھی ایک عربی سپہ سالار تھا، خلیفہ ہشام اموی کے عہد میں یہ نصر بن سیار کے زیرِ حکم تھا۔ انھوں نے بخارا اور سمرقند کی فتح میں بڑا کام کیا تھا۔ اور پروفیسر گیب کی تحقیق کے مطابق جنید نے اپنے آخر عہد میں حکمرانِ چین سے کچھ تعلق پیدا کر لیا تھا۔ یہ سمرقند میں مقیم تھا اور سنہ ۱۱۵ھ = سنہ ۷۳۳ء میں ایک وفد دارالسلطنت چین روانہ کیا۔ صدر وفد کے نام سے جسے پروفیسر گیب "تارخاں" بتاتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ترک تھا۔[1] اور یہ بھی ممکن ہے کہ جتنے لوگ ان کے ساتھ گئے وہ ترک ہی تھے۔

---

[1] GiBB- P-76

سنہ ۷۴۱ء، سنہ ۷۴۴ء اور سنہ ۷۴۷ء میں جتنے وفود آئے وہ ایشیا وسطی کے حکام عرب کی طرف سے۔ تاریخ چین کے مطابق سنہ ۷۴۱ء کے وفد کا صدر حسین تھا اور یہ ولایت شاش کی طرف سے بھیجا ہوا آیا[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس حسین کی کوئی بڑی شخصیت تھی، کیوں کہ تاریخ چین میں اسے زعیم عرب کہا گیا ہے اور بادشاہ چین کی طرف سے "سپہ سالار یمین" یعنی یمین الدولہ کا خطاب دیا گیا اور ایک خلعت جس کا کمربند سنہری تاگوں سے بنا ہوا تھا، بخشا گیا۔ استاد گیب کا قول ہے کہ نصر بن سیار نے جب کہ وہ سمرقند پر قابض ہوا، کئی سفارات چین بھیجے، جن میں سے ایک سنہ ۷۴۴ء میں۔ ان سفارات کی اغراض تجارتی تعلقات کا منظم کرنا تھا۔ ان ایام میں صغد، تخارستان، شاش اور زابلستان سے بھی وفود جاتے تھے۔ سنہ ۷۴۵ء اور سنہ ۷۴۷ء میں جو وفود گئے وہ بھی نصر بن سیار کی طرف سے تھے، کیوں کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ ماوراالنہر کی حکومت عربی کی بنیاد طبقات متوسط یعنی تاجروں اور زمین داروں کے سہارے پر رکھ دینا چاہیے[2]۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حتی الامکان تجارتی ترقی کے لیے کوشش کرتا رہا۔ اور وہ وفود جو چین بھیجے گئے اسی سلسلے میں تھے۔

سنہ ۷۵۰ء میں خلافت عباسیہ کی بنیاد کے ڈالے جانے سے خلفائے بغداد اور ملوک چین کے مابین سفارتی تعلقات کا آغاز ہوا۔ اس زمانے میں جو اہم سفارات آئے وہ ابی عباس بانی دولت

---

[1] GiBB: P-90

[2] GiBB: P-92

عباسیہ، ابی جعفر المنصور بانیٔ بغداد اور ہارون الرشید کی طرف سے تھے۔ بنی عباس مورخین چین کے نزدیک "خیبی تاشی" کے نام سے معروف تھے۔ یعنی "کالے جبے پہننے والے" اس نام سے بنی امویہ کی تمیز ہوتی ہے جن کو وہ "بانی تاشی" یعنی "سفید جبے والے" کہتے تھے۔ تاریخ چین نے ۷۵۰ء سے ۸۰۰ء تک کی نصف صدی کے دوران میں کوئی پندرہ سفارات عباسیہ کا ذکر کیا ہے مگر ان سفارات کی اغراض اور تفاصیل لکھنے سے گریز کیا۔ اِلّا یہ کہ وہ دوستانہ تعلقات کے پیدا کرنے کے لیے اور ہدیے پیش کرنے کے لیے آئے "چفو یونکوی" کے مطابق یہ سفارات مندرجہ ذیل سنین میں وارد ہوئے تھے۔
۷۵۲ء، ۷۵۳ء، ۷۵۴ء، ۷۵۵ء، ۷۵۶ء، ۷۵۸ء، ۷۶۰ء، ۷۶۲ء، ۷۶۹ء، ۷۷۲ء، ۷۷۴ء، ۷۹۱ء، ۷۹۸ء۔ اس مصدر کی روایت ہے کہ ۷۵۳ء میں تین مرتبہ عرب وفد حاضر ہوئے، پہلی مرتبہ جو تیسرے مہینے میں پہنچے، بلادِ عرب کی پیداوار پیش کرنے کے لیے آئے تھے، دوسری مرتبہ چوتھے مہینے میں دوستانہ زیارت کی غرض سے اور تیسری مرتبہ بارھویں مہینے میں تیس گھوڑے بادشاہ چین کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے[1]۔ ۷۵۶ء میں جو وفد آئے وہ ۲۵ رکنوں پر شامل تھے، اور اس کا صدر عربوں کا ایک بڑا سردار بتایا گیا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ ایک عباسی وفد جو ۷۵۸ء میں دارالسلطنت چین میں وارد ہوا اور جو چھ رکنوں پر مشتمل تھا اس کا

---

[1] AUCIEUT CHINAS RELATION WITH THE ARBS. P-63

ایک دوسرے وفد سے تصادم ہوا جو اب ملک ایوغوری سے آیا تھا
ان کے آٹھ اراکین تھے۔ ہر ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ
چین کی خدمت میں پہلے ان کی باریابی ہو۔ دونوں جماعتیں دربار
کے پھاٹک پر لڑنے کے لیے تیار ہوگئیں۔ مگر ناظم تشریفات کی
چالاکی سے دونوں جماعتیں خوں ریزی سے بچ گئیں۔ یعنی اس نے
دونوں جماعتوں کو ایک ہی وقت اور علاحدہ دروازے سے
دیوان تشریفات میں داخل کرایا۔[1]

یہ وہ باتیں ہیں جو چینی مصادر سے ان سفارات کے احوال
واغراض کے متعلق آئی ہیں۔ اور عربی مصادر نے تو تاریخ اسلام
کے اس پہلو کو سرے سے نہیں لیا۔ جو کچھ "صفوۃ الاعتبار" میں اس
کے متعلق آیا ہے کہ ابو جعفر منصور نے کوئی چار ہزار زبردست سپاہی
چین بھیجے تھے، وہ اس کی شہادت نہیں کہ ابو جعفر کی طرف سے
کوئی وفد چین گیا۔[2] بلکہ اس کی شہادت ہے کہ چینی وفد بغداد آیا تھا۔
اور یہ عسکری رسالہ اس وفد کے آنے کا نتیجہ تھا۔ ہم کو یقینی طور پر یہ
معلوم نہیں ہوسکا کہ خلیفہ مہدی نے ان چینی وفود کے ردوبدل میں
کیا کیا جو ۷۸۰ء اور ۷۸۵ء میں فرماں روائے چین، دہ چونگ
(DEH CHONG) کی طرف سے ان کے وہاں آئے تھے۔ ان کے
متعلق ہمارا گمان یہ ہے کہ مہدی نے صرف ان چینی وفود کے ذریعے
سے کچھ ضروری ہدیے بھیجنے پر اکتفا کی۔ گمان اس پر مبنی ہے کہ

---

[1] صفوۃ الاعتبار، جلد ۱، ص ۲۳

[2] BROONHALL. P. 63

تاریخ چین میں یہ اشارہ نہیں ملتا کہ ۷۷۴ اور ۷۹۱ء کے درمیان کسی عباسی وفد کی آمد ہوئی ہو۔ اور مہدی کا انتقال چند سال پہلے ۷۸۵ء میں ہو چکا تھا۔

اب وہی تاریخی مشکل ہمارے سامنے ہے جو چین اور خلفائے بنی اُمیہ کے سفارتی تعلقات کی بحث میں پیش آئی تھی یعنی ہم اس کے معلوم کرنے سے عاجز ہیں کہ بغداد سے کتنے سفارات آئے اور ان امرائے عرب کی طرف سے کتنے جو ایشیا وسطی کے حکمراں تھے۔ ہم تو اس اعتقاد کی طرف مائل تھے کہ تمام سفارات جن کا اشارہ اوپر ہوا، خلفائے بغداد سے آئے، مگر بعض ایسے دلائل ہم کو ملے جو اس اعتقاد کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ یعنی ماوراء النہر کے عرب حکام کی طرف سے کئی وفود آئے تھے۔ مثال کے طور پر ابو مسلم خراسانی کو لیجیے۔ اس نے نصر بن سیار کی وفات کے بعد زمام خراسان پر قبضہ کرکے دولتِ عباسیہ کے لیے دعوت دینے لگا اور جب تک وہ وہاں کا والی رہا۔ چین کی طرف اپنے وفود بھیجتا رہا۔ استاد گیب ان وفود کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں :-

"یہ ظاہر ہے کہ ابو مسلم کو اس کی اہمیت محسوس ہوئی کہ حکمران چین سے تعلق پیدا کرے۔ کیوں کہ تاریخ میں ان سفارات کا ذکر متواتر آتا ہے جو "کالے جبّے والوں" کی طرف سے وارد ہوئے۔ ان سفارات کا سنہ آغاز واقعہ "تالاس" (۷۵۱ء) کے بعد سے ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی سال بھر میں تین دفعہ سفارات آتے تھے ممکن ہے کہ ان سفارات کے مقاصد چین کے داخلی حالات کا دیکھنا ہو، مگر عام اغراض یہ

تھیں کہ تجارتی طبقات کو حکام عباسیین کے ساتھ تعاون اور تفاہم کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ تاکہ ایک ایسا طریقہ نکالیں جس کے ذریعے سے چین کے ساتھ ایک معاہدہ کے طے کرنے اور حالات تجار کے موافق ایک نیا نظام وضع کرنے میں آسانی ہو۔"[۵۱]

اس بنا پر ہم غالباً خطا پر نہ ہوں گے اگر ہم یہ کہیں کہ وہ سفارات جو ۷۵۲ء میں دارالسلطنت چین میں وارد ہوئے، وہ ابی عباس کی طرف سے نہ تھے بلکہ ابومسلم خراسانی کی طرف سے۔

تاریخی تحقیقات سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ چین کے ساتھ خلفائے عباسیین کے تعلقات خلفاء امویین کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور مضبوط تھے، ہمارے پاس بہت سی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان ایام میں دارالسلطنت چین اور بغداد کے سیاسی تعلقات کس حد تک رہے۔ بعض محققین کا یہ قول ہے کہ چینی صناع شہر کوفہ میں ۷۶۲ء میں پائے جاتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چین کے صناعتی طبقے بغداد کی بنیاد پڑنے سے کوئی بارہ سال کے بعد عراق پہنچ گئے۔ اس رائے سے پروفیسر پلیو (P. PELLIOU) اتفاق کرتے ہیں کہ استاد گاستوں فیت (G. FOETH) کا خیال بھی یہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے کے بعض علمائے اسلام نے اس رائے کو بغیر کسی پس وپیش کے قبول کرلیا ہے۔ کیوں کہ ڈاکٹر زکی محمد حسن نے جو اس وقت کے عربک میوزم (القاہرہ) کا امین ثانی ہے، ایران کے اسلامی فن مصوری کی بحث میں اس امر کی طرف اشارہ کیا اور کوئی

---

۵۱ GIBB- P-97

تنقیدی بات نہیں کہی، اور استاد پلیو نے جو کچھ کوفہ میں چینی صناعوں کے متعلق کہا، قبول کر لیا۔ استاد پلیو کے متعلق یہ چینی صناع ان ایام بعیدہ میں کوفہ کے مسلمانوں کو مختلف قسم کی دست کاری سکھاتے تھے۔ مثلاً نقش نگاری، کپڑے بُننا اور چاندی سونے کے زیورات[۱]

جب کہ علمائے اسلام کو مذکورہ بالا بات کا اعتراف ہے تو میرے جیسے چینی طالب علم کو کیوں کر انکار ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ "چانگ آن" اور بغداد کے درمیان سفارات کا سلسلہ بارھویں صدی عیسوی تک منقطع نہیں ہوا، اور کوفہ میں آٹھویں صدی کے درمیان چینی صناع کا وجود ان ممکنات سے ہے جن کی تاریخ اور واقعات تائید کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سامرا کے انکشاف کو لیجیے۔ اس شہر قدیم میں بہت سے ایسے چینی برتنوں کا انکشاف ہوا ہے، جن میں عہد تانگ (TANG) کی تاریخ منقوش ہے۔ یہ اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ نویں صدی میں چینی مصنوعات وغیرہ بازار بغداد میں رائج تھے[۲]۔ خواہ وہ تجار کے توسط سے لائے گئے ہوں یا سفرار کے ذریعے سے۔ سفراء جب چین سے بغداد واپس ہوتے تھے تو اپنے ساتھ عمدہ سے عمدہ چینی مصنوعات لاتے تھے، یا تو ملوک چین کی طرف سے خلفائے بغداد کے لیے تحفے کے طور پر، یا وہاں سے خرید کر۔ مصنوعات میں سے سفال فغفوری،[۳] ریشم، کمخاب، چائے، مشک وغیرہ ہوں گے۔ کیوں کہ چین

۱ التصویر فی الاسلام عن الفرس ص ۳۳

۲ LEGACY OF LSLAM

۳ جلبی کہتے ہیں اعلا درجے کے سفالین "فغفوری" کہلاتے ہیں۔

کی ان چیزوں کی شہرت تھی اور ان کی خوبی پر ہر قوم رشک کرتی تھی اور جو چیزیں خلفا کے تحفے کے لیے لائی گئیں وہ ضرور نہایت عمدہ ہوں گی اور ان کی حفاظت کے لیے خلفا کا کوئی خاص خزانہ بنا ہوگا۔ اس بنا پر اگر آپ بیوت خلفا کے سامانوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالیں تو اس میں سے آپ کو بے شمار چینی چیزوں کے نام ملیں گے۔ اور یہ چیزیں آپ کو چین و بغداد کے تعلقات کی خبر دیتی ہیں۔ مگر بنی امیہ کے زمانے میں چین و عرب کے تعلقات اس درجے پر نہیں پہنچے تھے۔

چین نویں صدی میں ایسے حوادث اور اضطرابات میں مبتلا ہوا جن کی وجہ سے خاندان تانگ کا خاتمہ سنہ ۹۰۶ء میں ہوگیا اور اس کے بعد چین کی سیاسی بساط پر متواتر پانچ خاندان یکے بعد دیگرے گزرے مگر چین کی داخلی زندگی میں کوئی اثر نہیں چھوڑا۔ ان حوادث اور انقلابات کا ذکر ابو زید سیرافی اور ابن اثیر کی تالیف میں ملتا ہے۔ ان حوادث کا اثر چین و عرب کے تعلقات پر پڑا، اور سو سال کے بعد دوبارہ رشتہ قائم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ چین کی کتبِ قدیمہ میں ۸۵۰ اور ۹۵۰ء کے درمیان چین و عرب کے حالات کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ مگر خانداں سونگ (SUNG) کے ظہور کے ساتھ چین کی تاریخ میں ایک نیا ورق شروع ہوا۔ تجارتی روابط اور سفارتی تعلقات جو اب تک منقطع رہے، از سر نو جوڑ دیے گئے اور عہد سونگ کی تاریخ چین و عرب کے متعلق جدید معلومات پیش کرنے لگی۔ اس عہد کی تاریخ کے مطابق، عرب سے سنہ ۹۶۰ء اور سنہ ۱۱۲۰ء کے درمیان پچیس وفود چین میں وارد ہوئے۔

تاریخ سونگ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان وفود کی اغراض

عام طور پر چین و عرب کے تجارتی تعلقات کی تجدید اور مزید مستحکم کرنا تھا۔ اس زمانے میں سفارات کی ایک خاصیت یہ تھی کہ خلفا اور امرا کی بہ نسبت، عرب تجار خود اپنی طرف سے زیادہ وفود بھیجتے تھے اور یہ بھی قابلِ ذکر ہو کہ عام طور پر وہ بحری راستے سے آئے اور کبھی ایشیا وسطی کے پہاڑوں سے گزر کر بھی آتے تھے۔ تاریخ سونگ میں عربی وفود کے ساتھ کشتیوں اور جہازوں کا ذکر بھی ملتا ہو۔ یہاں ہم اس مصدر سے کچھ نقل کرتے ہیں اور علمائے اسلام سے یہ امید رکھتے ہیں کہ جہاں کہیں ضرورت دیکھیں عربی مصادر سے اپنی تعلیقات لکھیں۔

"عرب سے چین قدیم کے تعلقات کے مصنف کا بیان ہو کہ تاریخ سونگ کے جز ۴۹۰ میں ایک خاص باب ہو جو عرب سے متعلق ہو۔ کلام کی ابتدا میں بلاد عرب میں ظہورِ اسلام کا بیان ہو۔ بنی مروان کی ذریات "سفید جبے والے عرب" کہلاتے ہیں اور جو لوگ خلافتِ عباسیہ سے متعلق ہیں ان کو "کالے جبے والے" کہیں گے۔

ملوک خاندان سونگ اور خلفائے بغداد کے درمیان تعلقات کی ابتدا ۳۵۶ھ ۹۶۶ء میں ہوئی، جس وقت کہ ابو قاسم مطیع اللہ تخت خلافت پر تھا۔ اس زمانے میں ایک معروف چینی سیاح جو ہن چنگ (HEN CHING) کے نام سے تاریخ میں اب تک یاد کیا جاتا ہو۔ رخت سفر باندھ کے "ممالکِ غرب" کے سفر کی غرض سے روانہ ہوا اور بادشاہ "سونگ تائی چو" نے اس کے توسط سے ایک دوستانہ خط خلیفہ مطیع اللہ کو بھیجا اور ان سے دوستی کے تعلقات کے قائم رکھنے کی امید کی۔ اس خط کے جواب میں خلیفہ مذکور نے ایک خاص وفد

۹۶۶ء میں بغداد سے روانہ کیا اور بادشاہ چین کے لیے بہت سے ہدیے ارسال کیے۔

سونگ تائی چو، قرون وسطی کی ہر بڑی سلطنت کے بانی کی طرح شجاع اور بڑا مدبر تھا، وہ عالم نہ تھا مگر علم اور صاحب علم کا قدردان تھا، وہ بڑا مردم شناس تھا۔ اس بادشاہ کے متعلق "تاریخ ممالک چین" کا مولف لکھتا ہے کہ:۔

"اس کے ذاتی اخلاق کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب کہ وہ جہان فانی سے رخصت ہوا تو تمام عالم نے غم کیا اور مدتوں تک اس کی یاد آتی تھی، لوگوں کے دلوں سے نالہ حزیں بلند ہوتا تھا اور خلیفہ مطیع اللہ ابوالقاسم نے جو خلفائے آل عباس سے تھا، ۳۶۲ھ (۹۷۳ء) میں اسے تحفہ بھیجا اور دوستی کا خط فغفور کو لکھا"[1]۔ اس وفد کا صدر جیسا کہ تاریخ چین سے پتا چلتا ہے، "برہان" نام تھا۔[2] سونگ تائی چو" کی زندگی میں ترکستان اور ہندستان سے بھی وفود آتے تھے۔ خلیفہ مطیع اللہ سے جو وفد آیا تھا، وہ تاریخ سونگ کے مطابق خلفائے عباسی کا چوتھا وفد تھا، اور اس مصدر کے مطابق دوسرا وفد ۹۷۱ء میں آیا۔ اور فغفور چین نے اس کا صدر "نعمان" کو وائی خواچیان چوئین

(THE KNIGHT OF CULTURAL ADMIRATION)

کے خطاب سے مشرف کیا۔ اور یہ پانچ رنگ کے سنہری حروف میں

---

[1] تاریخ ممالک چین۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۱

[2] ANCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS P. 240

لکھ کر ان کو بخشا گیا۔ امسال فرغانہ سے بھی سفیر آئے اور تاریخ چین میں یہ بیان ہو کہ اس سفیر نے اپنے ساتھ کے تحفے کو کیانگ نان کا صوبہ دار "لیو" کی خدمت میں پیش کیا، اور 'لیو' نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور جب کہ دربار شاہی میں یہ خبر ہوئی تو ایک فرمان کے ذریعے سے اس قسم کے تحفے لینا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا کیوں کہ یہ صوبے دار کی رشوت ستانی ہوتی۔

پانچویں وفد کی آمد ۹۷۶ء میں ہوئی، اس کا صدر عبد الحمید بتایا جاتا ہو، ایک سال بعد اور ایک وفد آیا، اس کا صدر ابو سینا اور نائب صدر محمود اور قاضی ابولولو ان کے ساتھ تھے۔ اس وفد کی مرافقت میں بہت سے خدام بھی تھے، تاریخ سونگ کا بیان ہو کہ ان کی آنکھیں گہری تھیں اور ان کے جسم کالے، ان کو حبشی غلام کہتے تھے۔ ۹۷۹ء میں اور ۹۸۳ء میں بھی وفود آئے تھے۔ مگر یہ بیان نہیں کیا کہ وہ کہاں سے آئے۔ اس اثنا میں "خواجہ صاحب" کی زیر قیادت ماورار النہر سے ایک وفد بہت تحفے لیے ہوئے حاضر ہوا، ان تحفوں میں پرنیاں، کندر، شکر، آب گلاب، عطریات اور شیشے کے ساز و سامان موجود تھے

عہد سونگ کے عربی سفارات میں سے سب سے اہم ۹۹۳ء اور ۹۹۵ء کے سفارات تھے۔ ان دونوں سفارتوں کی تفاصیل کے پڑھنے سے یہ بات بہ خوبی واضح ہو جاتی ہو کہ دسویں صدی اور بعد کے زمانوں میں عرب تجار چین کے بازاروں میں کس حد تک دولت کما لیتے تھے۔ سنہ مذکورہ کی سفارت خلیفہ بغداد سے نہیں

بلکہ ایک بڑے تاجر کی طرف سے آئی، جس کی بندرگاہ کانتون میں بے شمار تجارتی کشتیاں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاجر چین میں ایک عرصے تک رہا اور چینی زبان کو اہلِ ملک کی طرح سیکھ لیا۔ اس کا نام چینی تاریخ میں اس درجہ محرّف ہوا کہ اس کا اصل کا پتا لگانا بہت ہی مشکل ہوگیا۔ "بوہم" بوہم کا نام عرب و چین کی تجارت کے سلسلے میں اکثر آیا کرتا ہے، میرا خیال ہے یہ ضرور "ابراہیم" کا محرّف ہوگا۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ ابراہیم بن اسحاق ہوگا، جو دسویں صدی عیسوی کے آخر کا ایک بہت ہی بڑا عرب تاجر تھا، جس کا ذکر یاقوت کے معجم البلدان میں آیا ہے۔ یاقوت کے الفاظ یہ ہیں: "واما ابراہیم بن سحاق فہو کوفی کان یبحر الی الصین فنسب الیہا"۔ یعنی ابراہیم بن اسحاق "چینی" کوفے کا باشندہ تھا، تجارت کے واسطے چین جایا کرتا تھا، پس اس کی طرف منسوب ہوگیا[1]۔

چین میں ایک عرصے تک رہنے کی وجہ سے وہ چینی زبان نہ صرف اچھی طرح بولنا سیکھا، بلکہ ادیب اور فاضل کی طرح لکھ بھی لیتا تھا۔ سنہ ۹۹۴ء میں اس نے بادشاہ چین کی خدمت میں ایک سپاس نامہ چینی زبان کا پیش کیا۔ اس سپاس نامہ کی عبارت کی بنا پر ہم یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کرتے کہ وہ اس وقت کی چینی زبان کے محاورے اور ادبی اسلوب پر خوب قادر تھا اور لکھنے سمجھنے میں اس کی قابلیت کسی چینی ادیب سے کم نہ تھی۔ اس باب میں آپ اس کے فضل کا اندازہ نہیں کر سکتے، جب تک آپ کو چینی ادب

---

[1] معجم البلدان، جلد ۵، ص ۴۰۴۔

کے اسلوب قدیم سے واقفیت نہ ہو اور نہ اس ادبی ذوق سے جو قدر دانی کا واحد معیار ہے۔ ایسا ہی ہم حافظ اور اس کے ادبی اسلوب کی قدر دانی نہیں کر سکتے جب تک ہم ایک مدت طویل تک عربی ادب کے مطالعے اور صحیح ادبی ذوق کے حاصل کرنے میں صرف نہ کریں۔ غرض کہ ابراہیم بن اسحاق الکوفی کا ادبی مرتبہ چینی زبان میں جیسا کہ اس کے سپاس نامہ سے نظر آتا ہے۔ بالکل ایسا ہے جیسا کہ محمود بن حسن بن محمد کاشغری کا ادب عربی میں اور اس کا انتقال سنہ ۴۶۶ھ یہ سنہ ۱۰۷۴ء میں ہوا۔ علمائے ادب میں سے جو کوئی اس چینی ترکستانی عالم کے ادبی مراتب معلوم کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس کی کتاب "دیوان لغات الترک" کا مطالعہ کرے۔

سنہ ۹۹۴ء کی سفارت میں ابراہیم بن اسحاق خود پائے تخت نہیں جا سکا۔ کیوں کہ کانتون پہنچے پر وہ مریض ہو گیا اور مرض نے اسے سفر سے روکا۔ مگر اس نے اپنے دوست "لیاق" کو دربار بھیجا۔ سپاس نامہ کے ساتھ بے شمار تحفے بھی اس کے تفویض کیے تاکہ وہ لے جا کر بادشاہ چین کی خدمت میں پیش کرے۔ یہاں ہم اس سپاس نامہ کا عکس دے دیتے ہیں کہ شاید کوئی چینی زبان کے جاننے والے اس کی اصلی عبارت پڑھ لیں اور اس کی ادبی نکات سے جن کا ترجمے میں لانا بہت ہی مشکل ہے، سرشار ہوں۔ جو لوگ اصلی عبارت میں اسے نہیں پڑھ سکیں، ان کی خدمت میں یہ ناقص ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

سپاس نامہ جو عرب کپتان ابراہیم کی طرف سے بادشاہ چین

خدمت میں ۹۹۴ء میں پیش گیا گیا۔

"یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ستارے صرف مہتاب کے گردیدہ ہوتے ہیں، اور دریاؤں کا بہاؤ صرف سمندر کی طرف جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی کشش ہم دردی جو غیر شخص کے قلب کو طاعت کی طرف کھینچ لاتی ہے یا مہربانی ایسے ہاتھ کی مانند ہے جو دور کی آواز کانوں میں پکڑ کر لاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ حضرت اعلا کے اوصافِ کرم زمین و آسمان کے قوانین پر منطبق ہیں، حضور والا کی حکمت ہفت افلاک کی طرح اپنے اپنے مسلک میں چلتی ہے، ذات شاہانہ کی مہربانی، دریا کی طرح اہلِ مُلک میں جاری اور ساری ہے اور احسان کا سایہ جہات اربع کے قدموں پر پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام غیر متمدنہ بھی حضور اعلا کی مدح و ثنا میں سرشار ہیں اور وہ اپنے اپنے نفیس اور نادر تحفے لے کے حضور اعلا کی چوکھٹ پر حاضر ہیں۔

بندہ تو دور ملک کا ایک فرد ہے، جہاں کے رسم و رواج، عادات اور ہر چیز مختلف ہے۔ وہاں برابر بندے کے کانوں میں دولت عالیہ کی نیک نامی سنائی دیتی ہے، پس ہمارے دل آفتاب کے دیکھنے کے لیے متحرک ہو جاتے ہیں اور امیدیں روئے آسمان کی طرف رُخ کرتی ہیں، جب کہ ہم اپنے وطن میں تھے، تو "کانتون" کی اجنبی آبادی کے صدر کی طرف سے حکم آیا کہ پائے تخت حاضر ہو۔ اس فرمان عالی کے شکریے کے لیے جو حضرت اعلا کی طرف سے بہ نام حاکم کانتون صادر ہوا اور جس بنا پر تمام چینی بندرگاہوں کے دروازے اجنبی تجارت کے واسطے کھولے جاتے ہیں، ہم اس کرم شاہانہ کا تہ دل سے شکریہ ادا

متعلق صفحہ ۲۹۶

[illegible] 表曰

大食舶主臣蒲希密上言眾星垂象回拱於北辰百谷疏源委輸於東海
蓋有道之柔遠無外以宅心伏惟 皇帝陛下德合二儀明齊七政
仁宥萬國光被四表聲教洽擊壤之民重譯走奉珍之貢臣顧惟殊俗
景慕中區早傾向日之心頗鬱朝天之願昨在本國曾得廣州蕃長寄書招
諭令入京貢奉盛稱 皇帝聖德布寬大之澤詔下廣南寵綏蕃商阜
通遠物臣遂乘海舶爰率土毛涉歷龍王之宮瞻望天帝之境庶遵玄化以
慰宿心今則虛度五年之歲猶賒雙鳳之闕自念衰老病不能興
趁想金門心目俱斷今遇李亞勿來貢謹備蕃錦藥物附以
上獻臣蒲希密上象牙五十株乳香千八百斤賓鐵七百
斤紅絲吉貝一段五色雜花蕃錦四段白越諾二段都爹
一琉璃瓶無名異一塊薔薇水百瓶

سپاسنامہ عرب ناخدا ابراہیم بن اسحاق الکوفی جو ۹۹۵ء میں بادشاہ چین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہم نے اس سپاسنامہ کی اصلی عبارت تاریخ سونگ سے، اس موجودہ صورت میں اپنے دوست داؤد دین جو چین کے قلم سے اتروائی

کرتے ہیں۔

یہ خبر ملتے ہی ہم جہاز پر سوار ہوئے اور مرافقت میں بعض خادم بھی تھے تاکہ ہم "عنین والے محلات" میں حضور والا کی باریابی سے مشرف ہوں اور ساتھ ہی ارشادات عالیہ سے ہمارے قلبِ مضطرب کی تسلی ہو۔

کانتون تو پہنچ گئے مگر ضعیف بڑھاپا اور مرض کی وجہ سے جو مجھے چلنے پھرنے سے روکتے ہیں شاہی چوکھٹ پر حاضر نہیں ہو سکا۔ ایسی حالت میں جب کہ ذاتی طور پر پائے تخت دیکھنے کی تمنا دل میں جوش مارتی ہے تو آہ سرد کی صورت بدل کر عین باکیہ سے آنکلتی ہے۔

مگر اتفاق کی بات ہے کہ "لیاف" ایک سفیر کی حیثیت سے حاضر ہو رہا ہے۔ بندے نے تھوڑی سی حقیر چیزیں جو ہمارے ملک کی خاص پیداوار ہیں، حضور اعلا کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اس کو تفویض کی ہیں۔ امید ہے کہ قبول فرما کر ممنون فرماویں۔

ان کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) ہاتھی دانت	۵۰ عدد
(۲) کندر	۱۸۰ کیلو
(۳) سرخ پرنیاں	ایک قطعہ
(۴) پرنیاں رنگین	چار قطعہ
(۵) سن کے کپڑے	دو قطعہ
(۶) توتیا	ایک بوتل
(۷) عجوبۂ غریبہ	ایک قطعہ

۸ - عرق گلاب ۱۰۰ بوتل

اس سپاس نامہ میں آپ کو چینی ادب کے حقیقی تعبیرات اور استعارات بہ کثرت نظر آئیں گے مثلاً مہتاب کے ماحول میں ستاروں کے گرویدہ ہونے سے مراد کمال فی جمال نہیں ہے جیساکہ ادب عربی اور اُردو میں ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد ذات مرکزی کی تعظیم کرنا اور اجسام صغیرہ کا وحدت کبیرہ کی کشش سے متاثر ہو کر رجوع ہونا ہے اور بہاؤ دریاؤں کا سمندر کی طرف جانے سے بھی مطلب یہی ہے۔ پھر اوصاف بادشاہ کے قوانین زمین و آسمان سے انطباق ہونا اور اس کی حکمت دوران افلاک کی طرح، اپنے قاعدہ مقررہ سے خارج نہ ہونا، قلب کے میلان آفتاب کی طرف اور امید کا آسمان کی طرف مُنہ اٹھانا۔ یہ سب چینی ادب کی خاص تعبیرات ہیں، خصوصاً خطابات میں جب کہ نیچے درجے کے لوگ اونچے مرتبہ والوں سے کوئی التجا کرتے ہوں۔ میں نے اس ترجمے میں اصل ادبی خوبیاں نقل کرنے کی کوشش کی مگر اس کوشش کے باوجود نصف خوبیوں سے زیادہ اس ترجمے میں نہیں آسکیں۔ یہ حقیقت میں ایک ماہر کامل کا کام ہے جو چینی اور اُردو ادب پر قدرت رکھتا ہو۔

حکمران چین نے ابراہیم بن اسحاق کے سپاس نامے اور تحفے قبول کر کے بدلے میں ایک پیام شکریہ، ایک خلعت اور ہدایا بھیجے۔

چین کی تاریخ میں اور ایک بڑے عرب کپتان کا ذکر ملتا ہے جو ۹۹۵ء میں یہاں پہنچا۔ اس کپتان کا نام ابی عبداللہ بتایا گیا ہے۔ یہ بھی ابراہیم بن اسحاق کی طرف سے آیا۔ سپاس نامہ کے ساتھ بہت سے

تحفے بھی لایا، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

۱- کافور	۱۰۰ مثقال
۲- نافے دریائی کتے	۱۰۰ عدد
۳- نمک تیں	چاندی کی ڈبیہ میں
۴- زنبق	۷۶ بوتل
۵- شکر	۲ بوریاں
۶- کھجور	۶ صندوق
۷- مصالحہ	۶ بوتل
۸- آبِ گلاب	۲۰ بوتل
۹- پرنیاں	دو قطعے
۱۰- اونی کپڑے	۳ قطعے
۱۱- سن کے کپڑے	۳ قطعے
۱۲- عطردان	۱ عدد

ابو عبداللہ نے دیوان تشریفات میں بادشاہ کے سامنے ترجمان کے توسط سے یوں بیان کیا کہ اس کے والد ابراہیم اسباب زندگی اور منافع حیات کی تلاش میں کانتون آکراب پانچ سال ہوے ہیں، گھر نہیں گئے ہیں اس وقت والد کے حکم سے اس کی تلاش میں آیا ہوں اور ان کو الحمدللہ شہر کانتون میں پایا۔ وہ حضور اعلا کے انعامات کا ذکر کرتا ہے جن میں سے ایک پیام شاہانہ خلعت، ایک عمامہ، دو گُل دان۔ ہر ایک میں ایک عنقا کی صورت بنی ہے۔ ایک تو سنہری تاگوں کی اور دوسری روپہلی کی اور بیس قطعے ریشم۔ مجھے والد صاحب

نے حضور اعلا کا شکریہ ادا کرنے کے لیے بھیجا ہے اور بعض ہمارے ملک کی پیداوار کا پیش کرنا مقصود ہے، امید ہے کہ قبول فرمادیں۔

بادشاہ سونگ تائی چونگ نے ابو عبداللہ سے پوچھا:

س۔ تمھارا ملک کہاں ہے؟

جواب دیا: بغداد سے قریب ہے، اس کے حاکم کے ماتحت اور پہاڑو دریاؤں کے درمیان واقع ہے![1]

س۔ پہاڑوں اور سمندروں سے کیا کیا حاصل ہوتا ہے؟

ج۔ ہاتھی، کرگدن اور ادویہ۔

س۔ ہاتھی اور کرگدن کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے؟

ج۔ ہاتھی کا شکار پالتو ہاتھی سے دھوکا دے کر ان کو رسیوں سے باندھ دیتے ہیں اور کرگدن کے شکار کا طریقہ یہ ہے کہ صیاد درخت پر چڑھ کر تیر و کمان لیے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔ جب یہ جانور نمودار ہوتا ہے تو تیر سے اسے شکار کرتے ہیں اور کرگدن کے بچے زندہ پکڑے جاتے ہیں۔

بو عبداللہ بادشاہ چین کے پاس کئی مہینے تک مہمان رہا اور بعد میں اس کو ایک خلعت دے کر اکرام اور عزت کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ اور ابراہیم بن اسحاق نے جو تحفے بھیجے تھے، اس کے بدلے میں بہت سونا چاندی اور شکریہ کا خط ابو عبداللہ کے توسط سے

---

[1] اس بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کوفہ سے مراد ہے۔ اس بنا پر ہمارا یہ گمان صحیح نکلا کہ 'بوہیم' جو چینی تاریخ میں ہے، 'ابراہیم' کا محرف ہے۔ یہ ابراہیم وہی ہے جس کا ذکر معجم البلدان میں آیا ہے۔

روانہ کیا۔

تاریخ سونگ کے مطابق اس کے بعد جو سفارات آئے وہ مندرجہ ذیل سنین میں آئے :۔

۹۹۷ء، ۹۹۹ء، ۱۰۰۰ء، ۱۰۰۳ء، ۱۰۰۴ء، ۱۰۰۷ء، ۱۰۰۸ء، ۱۰۱۹ء، ۱۰۲۳ء، ۱۰۵۵ء، ۱۰۶۸ء، ۱۰۷۴ء، ۱۱۱۱ء، ۱۱۲۹ء، اور ۱۱۳۱ء۔

ان سفارات کے سنین پر ایک نظر دوڑانے سے یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ۹۹۹ اور ۱۰۲۳ء کے درمیان کثرت سے عربی وفود آئے بعد سے کم ہونے لگے۔ اس کمی کے اسباب کیا تھے، ہم اس وقت نہیں معلوم کر سکے۔ پھر اور زیادہ کم ہونے لگے یہاں تک کہ سنہ ۱۱۳۱ء کے بعد سے یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا۔ خاندان سونگ کی حکومت اور اور ڈیڑھ صدی تک رہی، اور سنہ ۱۲۷۶ء میں اسے زوال ہوا۔

بسا اوقات غیر عرب سے بھی وفود آیا کرتے تھے۔ مثلاً سنہ ۹۹۷ء میں عربی سفارات کے ساتھ پنتون لونگ (نیکوبار) کا وفد آیا، اور سنہ ۱۰۰۳ء میں "بالم بانگ" سے (جزیرۃ الرامنی) جو جنوب سماطرہ میں واقع ہے۔ یہ وفود چین کے جشنِ "قندیل" کی محفل میں بھی شریک ہوئے۔

اور جہاں تک رؤسا وفود کا تعلق ہے، بعض اوقات تو ان کا ذکر ملتا ہے اور بعض اوقات نہیں۔ سنہ ۱۰۰۰ء میں جو وفد آیا تھا اس کے صدر کا عجیب نام بتایا گیا ہے۔ یہ ایک عرب جہاز راں تھا۔ بادشاہ چین نے اس کو پیامِ ہمدردی اور ایک گھوڑا بخشا۔ اور جو سنہ ۱۰۰۳ء میں آیا، اس کا صدر ابو رشد سامانی تھا۔ بادشاہ نے اس کو بہت سے جواہرات اور موتی عطا فرمائے۔ اس نام سے معلوم ہوتا ہے یہ

وفد عرب سے نہیں آیا، بلکہ دولت سامانیہ سے جس کے تعلقات چین سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے۔ اس بارے میں ہم عنقریب بیان کریں گے۔

سنہ ۱۰۱۹ء میں جو وفد آئے تھے، ان کا صدر ابو محمود تبریزی اور نائب صدر ابو قاسم تھے۔ یہ لوگ خشکی کے راستے سے آئے۔ پہلا چینی شہر جہاں یہ پہنچے تھے وہ "شانشو"، پھر "چنشو" تھا۔ اسی بنا پر یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایران سے آئے تھے۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ ایران سے ان ایام میں کئی سفارات آئے تھے۔ سنہ ۱۰۲۳ء میں ایران سے ایک سفارت بحری راستے سے پہلے کانتون آئی، پھر وہاں سے دارالسلطنت گئی۔ چوتھی مرتبہ ایران سے وفد ۱۰۵۵ء میں آیا۔ اس کے صدر کا نام ابو سعید تھا، بڑا عالم فاضل تھا۔ فغفور چین کے نزدیک بڑی حیثیت ملی۔ بلکہ ان کو حکومت میں ایک معقول عہدہ دیا گیا اور یہ شہر "وو نینگ" (WU NNIG) میں ادارہ توظیف کا ناظم رہا۔

چینی تاریخ میں ایک سفیر سعادت نور نامی کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ سنہ ۱۰۶۸ء میں "دفتر نگرانی اجانب" کا ناظم رہا، بعد میں قاضی کانتون کے درجے پر فائز ہوا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بڑا مالدار شخص تھا۔ کیوں کہ اس نے ایک مرتبہ یہ تجویز پیش کی کہ وہ اپنے مصارف سے شہر کانتون کی اصلاح کرے گا۔ مگر حاکم کانتون نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ سنہ ۱۰۷۲ء میں تبریز کے ایک رئیس نے جس کا نام اب چینی تاریخ میں "ابی نبریزی" کی بگڑی شکل میں محفوظ ہے۔ اپنے

فرزند محمود کو پائے تخت چین بھیجا کہ بادشاہ کی خدمت میں تحفے پیش کریں۔ محمود عربی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اسی سال موصل اور ملابار سے بھی وفد آئے۔

تاریخ چین میں اور بعض اسلامی وفود کا ذکر ہے، جو ۱۱۱۱ء، ۱۱۲۹ء اور ۱۱۳۱ء میں وارد ہوئے۔ مگر یہ بیان نہیں کیا کہ کہاں سے اور ان کے رؤسا کے نام کیا تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ ان عربوں کی طرف سے آئے ہوں گے جو چین کے کسی قریب ملک میں آباد تھے۔

....

بحری راستے کے علاوہ خشکی کے راستے سے بھی اسلامی وفود آیا کرتے تھے۔ "عرب سے چینِ قدیم کے تعلقات" کا مؤلف "تاریخ کین" (KIN) کی سند پر یہ روایت کرتا ہے کہ سنہ ۹۲۴ء میں دولت سامانیہ کے سفیر چین کے شمالی دارالسلطنت آئے تھے، سنہ ۱۰۲۰ء میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ تحفوں میں ہاتھی بھی تھے۔ اس سفارت کی غرض ایک سامانی امیر کے لیے چینی شہزادی طلب کرنا تھی اور سنہ ۱۰۲۱ء وہ ایک مرتبہ اور اسی غرض کے لیے آئے۔ "خاندان کین" کے حکمران نے ایک بڑے وزیر "ہؤسیلی" کی بیٹی کو آمادہ کر کے سلطان سامانی کے فرزند سے اس کی شادی کرادی۔

مملکت "کین"، جو تاریخ چین میں مغول کے آنے سے پہلے مشہور ہے، اسے عربی میں "ماصین" اور فارسی میں "ماچین" کہتے ہیں۔ اس خاندان کے تعلقات دولتِ سامانیہ سے روز اوّل یعنی بنیاد کے پڑنے سے تھے۔ شروع میں یہ تعلقات صرف تجارتی پہلو پر منحصر

تھے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔ بعد میں سیاست اور سفارت کے روابط پیدا ہوئے۔ ان روابط کے متعلق چینی تاریخ کے علاوہ عربی کتابوں میں بھی ذکر آیا ہے۔ غالباً ابو دلف مسعر بن مہلہل ینبوعی پہلا عرب تھا جس نے ان سیاسی تعلقات کا ذکر کیا، پھر اس سے یاقوت اور قزوینی نے نقل کر کے اپنی کتاب کو زینت دی۔ ابو دلف ہی ایک وفد کا صدر تھا جو نصیر بن احمد سامانی کی طرف سے بادشاہ "کین" کو سنداہل میں بھیجا گیا تھا۔ ابو دلف کا قول ہے کہ شاہ "ماچین" نے جس کا نام قالیں بن شخیر تھا، پہلے نصر بن احمد کے پاس سفیر بھیجا تھا اور اس سے مصاہرت کرنی چاہی۔ یعنی نصر بن احمد کی بیٹی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی، مگر نصر راضی نہیں ہوا۔ کیوں کہ اسلامی قانون کے نزدیک مسلمہ کی شادی غیر مسلم سے نہیں ہو سکتی۔ جب کہ یہ تدبیر نہ چلی تو قالیں نے اپنی بیٹی کو نصر بن احمد کے فرزند کی زوجیت میں دے دیا اور نصر نے قبول کیا۔ ابو دلف نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر صدرِ وفد بن کر "ماچین" کا قصد کیا، بلادِ ازاک سے ہوتا ہوا سنداہل جا پہنچا اور شہزادی کو لے کر خراسان واپس ہوا اور ابو دلف کے قول کے مطابق اس چینی شہزادی کی شادی نوح بن نصر سے ہوئی۔

سنداہل میں ابو دلف ایک مدت تک رہا۔ یہاں تک کہ شادی کی تمام تیاری سے فارغ ہو کر چینی شہزادی کے ساتھ روانہ ہوا اور اس شہزادی کے ساتھ دو سو خادم، تین سو کنیزیں خراسان آئیں اور وہاں اس کی شادی نوح بن نصر سے ہوئی[1] اس نئے رشتے سے

---

[1] یاقوت، جلد ۵۔ ص۴۱۲

دولت سامانیہ اور مملکت کیں یعنی "ماچیں" کے تعلقات بڑے مستحکم ہو گئے۔

یہ مد نظر رکھتے ہوئے کہ نصر بن احمد کی حکومت ۹۱۳ء سے ۹۴۳ء تک رہی۔ اور یہ کہ نوح بن نصر کی حکومت ۹۴۳ء سے ۹۵۴ء تک۔ ہم یہ کہتے ہیں تامل نہیں کرتے کہ یہ شادی ۹۲۰ء کے بعد ہوئی، کیوں کہ تاریخِ چین نے ایک وفد سامانی کے درود کا ۹۲۴ء میں ذکر کیا ہے، اور ہمارا خیال یہ ہے کہ وفد اسی غرض کے لیے آیا گو کہ چین کی تاریخ اس سنہ کے وفد کی اغراض کے متعلق بالکل خاموش ہے۔

اور رہا ایک دوسرا سلطان سامانی کا وفد بادشاہ کین کے پاس ۱۰۲۰ء میں آنا اور ان سے اپنے فرزند کے لیے ایک چینی شہزادی کے ہاتھ کا طلب کرنا تو بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخر سلاطین سامانی یعنی ابو ابراہیم بن اسماعیل کی طرف سے تھا۔ ابو ابراہیم اپنے والد کی وفات کے بعد تخت پر ۱۰۰۵ء میں بیٹھا۔ مگر اس زمانے میں دولتِ سامانیہ کے ارکان گر رہے تھے۔ نوخیز ایوغوری قوم نے جن کی قوت اب ترکستان پر چھا گئی تھی، آکر اس دولت کا خاتمہ کر دیا۔ شمالی چین میں اسلام کی اشاعت ان ایوغوریوں ہی کی بدولت ہوئی۔ اس امر کو ویئی نے اپنی کتاب "اسلام اور چینی ترکستان" میں بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

. . . .

تیرھویں صدی کے اندر ظہور مغول کے ساتھ چین کے

تعلقات کا رُخ عرب سے بدل کر ان قوموں سے ہو گیا جو مغول کے زیرِ حکم آگئیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخِ چین میں اگرچہ سفرائے عرب کے ذکر کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ مگر دیگر ممالکِ اسلامیہ سے وفود برابر آتے رہے۔ چین میں جس وقت مغول کی حکومت تھی، اس وقت آلِ چنگیز پورے برِ ایشیا پر قابض تھے۔ وہ ممالکِ اسلامیہ جو ایشیا وسطی اور مشرقی میں تھے، ان کے زیرِ حکم آگئے۔

مغول کی حکومت چین میں سنہ ۱۲۶۶ء سے سنہ ۱۳۷۶ء تک رہی۔ اس اثنا میں جتنے اسلامی سفارات چین میں آئے، اکثر ایران اور خراسان سے آئے اور ہندستان سے بھی ایک دو دفعہ آئے تھے۔ ان سفارات کی تفصیل فارسی اور عربی دونوں مصدروں میں مل سکتی ہے۔

تجارتی تعلقات کی بحث کے سلسلے میں میں نے اس وفد کی طرف اشارہ کیا تھا جسے خوارزم شاہ نے بہاالدین رازی کی زیرِ ریاست پکیں بھیجا تھا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مغول کے قبضے کے بعد وہاں کی داخلی حالت کتنی تبدیل ہوئی ہے۔ اس وفد کے ردِ زیارت میں چنگیز خاں نے محمود خوارزمی، علی خواجہ بخاری اور یوسف اوتراری کو بھیجا اور بہت سے تحفے ان کے توسّط سے خوارزم شاہ کے پاس بھی بھیجے گئے۔ یہ حادثہ "اوترار" (سنہ ۱۲۱۸ء) سے پہلے کا واقعہ تھا۔

چنگیز خاں کے بعد جب کہ اس کی پیدا کردہ سلطنت چار ٹکڑوں میں منقسم ہوئی اور چین قبلائی خاں کے حصے میں آیا تو سفارتی تعلقات قبلائی خاں اور دیگر امرا مغول کے درمیان جو ترکستان

ماوراء النہر، خراسان اور ایران پر قابض تھے برابر جاری رہے۔ قبلائی خاں جو خانبالق (یہ خاں کے شہر) میں تھا اور ہلاکو کے درمیان جو عراق میں تھا، سفارات اور پیام مبارک بادی کا تبادلہ ہوا۔ قبلائی خاں چین کی فتح میں کامیاب ہوا اور ہلاکو عراق میں اور اسی مناسبت سے ایک دوسرے کو مبارک بادی دی، قبلائی خاں اور ہلاکو کے تعلقات ہمارے موضوع میں اس حیثیت سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے کہ دونوں غیر مسلم تھے اور دونوں کے تعلقات خالص مغولی سیاسی تھے اور اسلام سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ عرب سے وہ سفارت جو اسلامی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہے، اباقہ خاں بن ہلاکو کی طرف سے قبلائی خاں کے پاس آئی اور اس کی غرض قبلائی خاں کو مسلمانانِ چین سے نفرت کرنے پر آمادہ کرنا تھی۔ اس کا سبب جیسا کہ فارسی مصادر میں ذکر آیا ہے، یہ تھا کہ بعض نصاریٰ نے جن کو ہلاکو کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا اور ہلاکو کی بیوی بھی عیسائی تھی[1] اباقہ خاں کو یہ اشتعال دیا کہ: قرآن شریف میں جو مسلمانوں کی کتاب مقدس ہے یہ آیت ہے "اقتلوا المشرکین"[2] اس وساس اور وسواس خناس کی وجہ سے بہت سے مسلمان، ایران کے وظائف سے محروم ہو گئے۔ اباقہ خاں نے ایک وفد خاص، عیسائی مقربین کے اشارے پر قبلائی خاں کے پاس بھی بھیجا، یہ خبر دینے کے لیے کہ قرآن شریف میں "اقتلوا المشرکین" کی آیت موجود ہے۔ اس لحاظ سے حکام مغول کو چاہیے

---

[1] ARNOLD: PREACHING OF ISLAM. P.221

[2] ادیان مغول ص ۱۶۴

کہ مسلمانوں سے حذر کریں۔ کیوں کہ مسلمان اس آیت کی تعلیم کے مطابق یہ واجب سمجھتے ہیں کہ مشرکوں کو قتل کریں۔ قبلائی خاں جو شروع میں ہر ملّت اور عقیدے کے لوگوں سے بڑی رواداری ظاہر کرتا تھا، اس وفد کے آنے کے بعد مسلمانوں پر بہت سختی کرنے لگا۔ شرع کی بجائے مسلمانوں کو قانون "یاساق" کی پابندی کرائی۔ اماموں کو مساجد سے نکال دیا، اور ذبیحہ ممنوع قرار دے کر منخنقات کے کھانے پر مجبور کیا۔ اس مصیبت میں چین کے مسلمان سات سال تک رہے۔ بعد میں جب کہ مسلمان تجار کی کم آمد سے مال گزاری کو بے حد خسارہ ہوا، تب اس نے اپنے جابرانہ حکم کو واپس لیا۔ اس نقطہ کے متعلق میں نے "اسلام اور چینی ترکستان" میں کافی بحث کی ہے۔ جو تفصیل چاہتے ہیں، اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

تاریخ مغول سے یہ پتا چلتا ہے کہ آلِ چنگیز نے اگرچہ اپنی اپنی دولت مستقلہ قائم کی اور اپنے مملکت کے اندر ہر بادشاہ خود مختار تھا، مگر ان کو ایک خان اعظم (قاآن) کا اعتراف تھا۔ اور اس کے اوامر اور نواہی کو نہایت احترام اور اجلال کے ساتھ دیکھتے تھے۔ اور ہر ایک جب کہ اپنے باپ کی کرسی پر بیٹھ کر عصائے حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے تو خان اعظم کے فرمان سے مشرف ہونے کے بعد باقاعدہ اعلان ہوتا تھا۔

جب تک چنگیز خاں زندہ رہا وہی خان اعظم (قاآن) رہا۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی اولاد پر القاب اور خطابات انعام کرتا تھا۔ کسی کو بادشاہ عراق کے لقب سے سرفراز کرتا اور کسی کو بادشاہ چین

کے لقب سے۔ جب کہ اس کا انتقال ہوگیا، تو خان اعظم کی وراثت منغو خاں کو ملی۔ اور اس نے قراقروم میں پائے تخت بنایا اور مغول امرا کو جو ایشیا وسطی اور مشرقی میں تھے، مختلف القاب دیے۔ بعد میں یہ حق قبلائی خاں کے نصیبے میں آیا، جو ۱۲۶۰ء سے چین کا مالک بن بیٹھا تھا۔ قبلائی خاں کا ہم عصر ایران میں آراغوں خاں تھا جو تاقودار خاں کے مرنے کے بعد ایران کا بادشاہ ہوا۔ اور اس کے پاس قبلائی خاں کی ایک خاص سفارت اردوقتا کے زیرِ قیادت، مطلع السعدین کے بیان کے مطابق ۶۸۴ھ = ۱۲۸۵ء میں گئی۔ اسے سرکاری طور پر عراقین کی مسندِ شاہی پر بٹھادیا جائے۔ اس رسم کے چند ہفتے کے بعد خان اعظم کے دربار سے ایک بڑا وزیر "فولاد" نامی آپہنچا اور شہر اران کی سرائے منصوریہ میں اس کی ضیافت ہوئی۔ یہ شہر اس وقت کا پائے تخت تھا، جہاں چین کے سیاسی ایجنٹ رہتے تھے اور ایران کے امرا مغول کے محلات میں یہ ایجنٹ "قاآن" کی نمائندگی کرتے تھے۔ آراغوں، غازاں خاں اور اولجائتو خاں کے عہد حکومت میں یہی دستور رہا۔ اس وزیر فولاد کے ساتھ ایک مترجم بھی تھا جسے 'کلچی' کہتے تھے اور علی اس کا نام تھا۔[1]

---

[1] مطلع السعدین کے الفاظ یہ ہیں:- چوں آراغوں بہ سرائے منصوریہ اراں رسید، امیر فولاد جنکسانگ و علی کلچی و دیگر ایلچیاں از بندگی قاآن برسیدند...... و بیست وہشتم ذی الحجہ ۶۸۴ھ اردو قتا از بندگی قاآن برسید و یرلیغ آورد کہ آراغوں بجائے پدر، خان شد۔

آراغون کے آخر عہد میں خان اعظم نے جو دائدو[1] میں مقیم تھا غازاں خاں کو جو اب تک اسلام نہیں لایا تھا۔ جینیوانوانگ[2] کا خطاب دیا۔

آراغون کے انتقال کے بعد اس کا فرزند ارجمند غازاں ایران کے مغولی تخت پر متمکن ہوا۔ ان کے اور مغولی بادشاہ چین کے درمیان جو سفارت کا تبادلہ ہوا وہ ۶۹۷ھ = ۱۲۹۸ء میں تھا۔ اس واقعہ کو وصّاف نے اپنی کتاب "نزجیۃ لامصار" میں تدوین کیا ہے۔ جب کہ وہ "خانبالق کے تعلقات ایران کے ساتھ" لکھ رہا تھا۔ اس کے کلام سے یہ معلوم ہوا کہ یہ وفد دو رکنوں پر مشتمل تھا۔ ایک کا نام فخر الدین احمد اور دوسرے کا بوقا ایلچی۔ اس وفد کے ساتھ بہت سے ایسے عمدہ تحفے چین کے مغول شہنشاہ کے پاس بھیجے گئے جو اس کے شاہانہ رتبے کے لائق تھے، ان میں سے جواہرات، زربفت، کمخاب، اور شیرو غیرہ بھی تھے۔ غازاں خاں نے اپنے خزانۂ خاص سے فخر الدین احمد اور بوقا ایلچی کو دس ہزار تومان سونا دیا کہ اس سے تجارت کا سرمایہ بنائے۔ یہ حکم ملتے ہی فخر الدین نے بیڑا تیار کیا۔ جہازوں کو اور جنوک کو تجارتی سامانوں سے اور اقربا، و احدقا کے تحفوں سے خوب بھر دیا۔ بعض تحفے شیخ الاسلام جمال الدین کے لیے تھے، جو مملکت قاآن میں مقیم تھا۔ اس بحری سفر میں فخر الدین احمد کے ساتھ تیر اندازوں کی ایک جماعت تھی جو ترک اور ایرانیوں پر مشتمل تھے۔ وہ خلیج فارس سے

---

[1] دائدو: "دارالسلطنت الکبریٰ" اس سے مراد خانبالق (بکین)

[2] جنیوانوانگ: PRINCE OF PACIFICATION FOR DISTANT COUNTRIES

روانہ ہوئے۔ وہ مسافت جو چین اور خلیج فارس کے درمیان پھیلی ہوئی ہے، یقیناً فخرالدین کو آرام نہیں دیتی تھی۔ اثنائے سفر میں ان کی زندگی سمندر کے موجوں پر برابر مضطرب رہی، جب کہ وہ چین کی پہلی بندرگاہ پر پہنچا تو وہاں افسروں کو انتظار میں بیٹھے ہوئے پایا۔ مملکت قاآن کے قوانین کے مطابق فخرالدین احمد اور بوقا ایلچی کے لیے سرکاری طور پر ہر منزل پر ضروری آرائش اور خیموں کا انتظام کیا گیا۔ اور راستے میں کسی قسم کا ٹیکس نہیں لیا۔ اس طریقے سے وہ خانبالق کے اردو میں پہنچے۔

وصّاف کے مطابق اس وقت خان اعظم تیمور قاآن، ولد قبلائی خان صاحب فراش تھا۔ مگر چار وزرا اور دیگر بڑے افسران مجلس استقبال میں موجود تھے [1] یہ سب تخت شاہی کے اردگرد بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بوقا ایلچی یہ سمجھتا تھا کہ ان وزرا کی پہلی ملاقات میں ایک سلام ہی کافی ہوگا۔ اس واسطے اس نے جیسا کہ چینی مغول کے دربار میں دستور تھا۔ وزرا کے سامنے اپنی کمر نہیں جھکائی۔ وزرا خفا ہوئے کہ اس نے تشریفی ملاقات میں بدتمیزی کی۔ مگر بوقا ایلچی حاضر ذہن اور فصیح لسان تھا۔ اس نے فوراً کہا کہ "بادشاہ نے مجھ کو خبردار کیا ہے کہ جب تک میں ان کے مبارک چہرے کو، جو رفاہت اور رشد کا آئینہ ہے، نہ دیکھ لوں کسی امیر یا شریف کے سامنے کمر نہ جھکاؤں۔" اس بہانے سے اس کو تنہا بادشاہ سے ملنے کی اجازت مل گئی اور وہ

---

[1] ان امرا کے القاب تاریخ مغول (TONE IV) کے ص ۶۳۷ میں مذکور ہیں۔

تمام تحفے جو غازاں خاں نے بھیجے تھے، تیمور قاآں کی خدمت میں پیش کر دیے اور تیمور قاآن نے مدح اور شکریہ کی مسکراہٹ کے ساتھ ان کو قبول کر لیا۔ وفد کے ساتھ جو تجارتی سامان تھا یہ بھی تیمور قاآن کو دکھلائے جن کو اس نے بہت ہی پسند کیا۔ فوراً ہی اس نے ایک فرمان صادر کیا کہ وفد کے دو رکنوں کے لیے کوٹھیاں، خوراک، کپڑے اور نوکر مہیا کیے جائیں اور دونوں کے ساتھ جو دوست اور احباب تھے وہ بھی درجہ اوّل کے مہمان بن گئے۔ ان کے کپڑے چار موسموں کے مطابق تیار کیے گئے اور ۵۴ گھوڑے ان کی خدمت میں مقرر ہوئے۔

فخرالدین احمد اور بوقا ایلچی چین میں چار سال رہے اور آخر ۷۰۲ھ = ۱۳۰۲ء میں بڑے انعام اور اکرام حاصل کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔ روانہ ہوتے وقت تیمور خاں نے ایک مغولی شہزادی کو فخرالدین احمد کی مرافقت میں بخشا۔ اور ان کے توسط سے پیام دوستانہ اور قدردانی کا ہدیہ غازاں خاں کے پاس روانہ کیا۔ ہدیے کے ساتھ وہ ریشمی قالین بھی تھی جو عہدِ مغول کے آغاز میں ہلاکو کے حصے میں آئی تھی، مگر منگو خاں کے زمانے سے تیمور قاآن کے زمانے تک چین میں رہی اور حصہ دار کے پاس نہیں بھیجی گئی تھی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق تیمور خاں نے ایک سفیر خاص بھیجا تھا، تاکہ سرکاری طور پر غازاں خاں سے اپنی دوستی اور احترام کا اظہار کرے۔ اور اس سفیر خاص کے ساتھ فخرالدین احمد بڑی دھوم دھام سے تیمور خاں سے رخصت ہوا اور اس کی مرافقت میں ۲۳ جہاز مال و اسباب اور اشیائے نادرہ سے

بھرے ہوئے تھے۔ مگر تیمور قاآن کا سفیرِ خاص، معبر سے دو روز کے راستے پر انتقال کر گیا اور فخر الدین احمد بھی بصرے کے کہیں قریب آکر فوت ہو گیا۔ یہ وصاف کے مطابق ۱۳۰۱ء کا واقعہ تھا۔[۱] تیمور قاآن نے اپنی زندگی میں دو وفد ایران بھیجے۔ ایک کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، یہ ایرانی سفارت کے روز یارت میں تھا اور دوسرے کے ذریعے خدا بندہ کو "کوانیں وانگ"[۲] کا خطاب کا دینا تھا۔ ایران سے ۷۱۲ھ یہ ۱۳۱۲ء میں بھی ایک سفارت آئی، مگر ہم اس کی اغراض سے واقف نہیں۔

رشید الدین فضل اللہ اپنی تاریخ میں یہ کرتا ہے کہ ایسن بوقا نے (ESEN BUKA) جو خاندان چغتائی کا ایک امیر تھا، چین کے مغول شہنشاہ کے خلاف علم بلند کیا۔ ۷۱۵ھ میں جو وفد خانبالق سے طورس بھیجے گئے تھے۔ وہ اس امیر کی گرفتاری میں آگئے اور ان پر ایسے ظلم کیے گئے کہ قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔ رشید الدین فضل اللہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"ایلچیاں قاآن کہ در ملک او (ایسن بوقا) بودند، تمامت را بہ گرفت۔ اول تو قتیمور چنکسانگ را کہ قاآن بردست او خاتونی جہت الجایتو سلطان می فرستاد بہ ہزار پان عمد سرا ولاغ ایشان را بہ ولایت

---

۱ ELLIOT: VOL IV. P.P. 45, 47.

۲ PRINCE: PACIFICATION FOR THE WASTE LAND

فرغانہ بہ شہر اندکاں (اندجان) کردانید و ایلچیان دیگر کہ از ختائی رسیدہ بودند و چرخ و شنقار و دیگر طرایف پیش اولجایتو سلطان می آوردند بستد و ایلچیاں را بہ کاشغر فرستاد و مقید و محبوس کرد .... اور اثنائے ایں حالت ایلچیاں قاآن مقدم ایشان فولاد چنک سانگ باہفتاد نوکر از حضرت اولجایتو سلطان بازگشتہ بودند بر عزیمت قاآن یا بیلکر ہائے و تمسو قہائے ایران زمین بالوس ایسن بوقا رسیدند از غایت غضب و خشم ایشاں را تمامت ہلاکت کرد و ہر چہ داشتند تمامت تاراج نمود"[1]

اس واقعہ کے کوئی بارہ سال کے بعد ابوسعید بہادر خاں کے عہدِ حکومت میں چین کے مغولی بادشاہ ایسون تیمور نے ایک سفارت ۷۲۶ھ - ۱۳۲۴ء میں امیر "چوپاں" کے پاس بھیجی۔ امیر موصوف بغداد چھوڑ کر ہرات اس لیے چلا گیا تھا کہ سلطان ابوسعید نے امیر چوپاں کی صاحبزادی "بغداد خاتون" کے متعلق کچھ ایسی بات کہی جس کی وجہ سے وہ ناخوش ہوا۔ سفیرِ چین، امیر چوپاں کو تلاش کرتا ہرات جا پہنچا اور ان کو ایک پیام دوستانہ کے علاوہ "امیر الامراء ایران و توران" کے خطاب سے مشرف کیا۔

نو سال کے بعد امیر چوپاں اور سلطان ابوسعید میں جنگ ہوئی۔ اور اثنائے جنگ میں اس کی فوج ابوسعید سے جا ملی شکست کھانے

---

[1] BLACHET: INTRODUCTION A.L. HIRTOIRS DIS MONGOLS DE IADLALLAH PARHIDE ODIN. P. 234

کے بعد وہ ماوراءالنہر آیا، اس غرض سے کہ بادشاہ چین سے مدد مانگ کر کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرے۔

ابن بطوطہ کے زمانے میں خوارزم کا امیر جو تطلو دمور (مبارک لوہا) کے نام سے موسوم تھا، چین سے کچھ تعلقات رکھتا تھا۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے میں اس کا اشارہ ملتا ہے کہ امیر موصوف کی طرف سے خشک میوے تحفے کے طور پر چین بھیجے جاتے تھے۔ ابن بطوطہ جب کہ خوارزم میں تھا۔ وہاں اس سے ایک کربلا کے شریف علی بن منصور نامی کی ملاقات ہوئی۔ اس نے ابن بطوطہ کے ساتھ ہندستان آنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر کربلا سے اور قافلے کے پہنچنے پر ان کے ساتھ خشکی کے راستے سے چین چلا گیا۔ اگرچہ ابن بطوطہ نے اس قافلے کی اغراض کا ذکر نہیں کیا، مگر خیال ہو سکتا ہے کہ کسی ضروری مہم کے لیے وہ وہاں گئے ہوں گے۔

خود ابن بطوطہ کا سفرِ چین، ۷۴۳ھ ۔ ۱۳۴۲ء میں سیّاح کی حیثیت سے نہ تھا، بلکہ ایک سفیر کی حیثیت سے۔ تغلق شاہ نے ایک سفارتی غرض کے لیے ان کو چین کے آخری مغول سلاطین "ہیون. ٹی (HYUN TI) (۱۳۳۳ء۔ ۱۳۶۷ء)، کے پاس بھیجا۔ سبب یہ تھا کہ اس حکمراں نے شروع میں سلطان تغلق کے پاس ایک سفارت بہت سے تحفوں کے ساتھ بھیجی تھی۔ تحفوں میں ایک سو غلام اور کنیزیں تھیں، پانچ سو کمخاب، پانچ من مشک، پانچ ایسے کپڑے جو جواہرات سے مرصع تھے، پانچ ترکش اور پانچ تلواریں۔ اس وفد کی غرض یہ تھی کہ سلطان تغلق سے یہ اجازت حاصل کی جائے کہ سنبھل کے

بُت کدے جہاں چینی زائر آتے تھے جو اسلامی فوجوں کے حملوں میں ٹوٹ گئے تھے دوبارہ ان کی تعمیر کی اجازت دی جائے۔ اس کے جواب میں سلطان تغلق نے ابن بطوطہ کے الفاظ کے مطابق یہ لکھا:۔

"لا یجوز فی ملۃ الاسلام اسعافہ ولا یباح بناء کنیسۃ بارض المسلمین الا لمن یعطی الجزیۃ، فاما رضیت باعطائہا ابحنا لک۔ والسلام علی من اتبع الھدی"۔

ترجمہ:۔"ملتِ اسلام میں اس امر کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور نہ مسلمانوں کی زمین میں کوئی مندر بنایا جا سکتا ہے، الا یہ کہ جزیہ ادا کریں۔ اگر تم جزیہ کے ادا کرنے پر راضی ہو، تو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت پر چلتا ہے"۔

تحفوں کے بدلے میں بہت سے تحفے روانہ کیے۔ تفصیل یہ ہے:۔ سو تازی گھوڑے، زین لگام کے ساتھ، سو غلام، سو کنیزیں کفار ہند سے، جو گانے اور ناچنے والیوں پر شامل تھیں، سو قیمتی کپڑے، سو دینار، سو تھان ریشم جو گزّ کے نام سے معروف تھے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک طرف پانچ مختلف رنگ سے رنگین ہوتا ہے، چار سو صلاحی کپڑے، ایک سو شیریں باف پانچ سو مُرغ جن میں سے ایک سو کالے، ایک سو سفید، ایک سو سُرخ، ایک سو سبز اور ایک سو نیلے تھے، سو تھان رومی، سو کمبل، سو کھال کے بنائے ہوئے خیمے، چار سونے کے دستے، چھ چاندی کے، چار سونے کے طشت اور چھ چاندی کے، دس خلعتِ سلطانی، دس ساریاں، جن میں سے ایک جواہرات سے مرصّع کی گئی تھی۔ دس تلواریں، جن میں ایک کا نیام جواہرات سے

جڑا تھا، ایک جواہرات سے مرصع دستانہ اور پندرہ چھوکرے۔

چوں کہ ابن بطوطہ کو سیاحت کا شوق تھا اور دہلی کے قاضی کے منصب سے زیادہ خوش نہ تھا، اس لیے اس کو سفیر بنا کر چین بھیجا گیا۔ اس کی معونت میں ظہیر الدین زنجانی بھی تھا، دہلی سے پہلے کالی کٹ گئے، وہاں سے چینی جہازوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اس کی مرافقت میں چینی سفرا اور سو سے زیادہ نوکر تھے۔ پہلا شہر جہاں پہنچا، وہ زیتون تھا، پھر وہاں سے شاہی گارد کی مرافقت میں خانبالق پہنچا، جہاں چین کے آخری مغولی بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔

چین کے مغول کے عہدِ حکومت میں ابن بطوطہ ہی آخری سفیر تھا جو ممالکِ اسلامیہ سے آیا۔ اور اس کے واپس آنے پر، دولت یوان (YUAN) کے زوال کے ساتھ ان سفارتی تعلقات کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔

اب چین میں ایک اور خاندان حاکم ہوا جس کو "مینگ" کہتے ہیں۔ اس خاندان کے ساتھ ممالک اسلامیہ کے باہمی تعلقات تھے، جن کا بیان آیندہ فصل میں آرہا ہے۔

بقیہ سفارتی تعلقات

(ب) عہد مینگ (MING) (۱۳۶۸ - ۱۶۴۳ء)

آل قبلائی خاں کے بعد جس خاندان نے چین پر حکومت کی اسے خاندان 'مینگ' کہتے ہیں۔ ان کا عہدِ حکومت تقریباً تین سو سال تک رہا، اور ان میں چودہ بادشاہ گزرے۔ اس خاندان کا بانی سہانی

"مینگ تائی چو" (MING TAI CHU) تھا، جس کی حکومت ۱۳۶۸ء سے ۱۳۹۸ء تک رہی۔

بانی حکومت کے علاوہ اس خاندان میں یہ بادشاہ معروف مشہور ہوں: "چن چونگ" (CNEN CHONG) (۱۴۰۳-۱۴۲۴ء) اور "سی چونگ" (HSI-CHONG) (۱۵۲۲-۱۵۶۶ء) اور "شن چونگ" (SHEN CHONG) (۱۵۷۳-۱۶۱۹ء) تھے اور "صوان چونگ" (SUAN CHONG) (۱۴۲۶-۱۴۳۵ء)۔ اگرچہ اس نے زیادہ دیر تک حکومت نہیں کی، مگر اس کے تعلقات ان ممالک اسلامیہ سے جو ایشیا وسطی اور ادنی میں موجود تھے، بہت ہی اہم نتیجہ خیز ثابت ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جس میں اسلام کا اثر چین کے ہر شعبۂ زندگی میں نظر آیا۔ علم و تفکیر میں سیاست اور امور خارجیہ میں صناعت اور فنون میں۔ مگر ہم خاص طور پر یہاں سفارتی تعلقات سے بحث کرنا چاہتے ہیں، چوں کہ اس خاندان کے ایسے تعلقات بہت سے ممالک اسلامیہ سے تھے اور اسلامی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھے۔ اس لیے ہم نے صرف اس عہد کے لیے ایک خاص باب قائم کیا۔

عہد 'مینگ' کے امور خارجیہ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ان زمانوں میں چین کے تعلقات دول اسلامیہ کے ساتھ اتنے وسیع دائرے تک پہنچ گئے کہ اس کی نظیر نہ عہد سابقہ میں مل سکتی ہے اور نہ ایام لاحقہ میں۔ خاندان "تانگ" کے تعلقات صرف بنی امیہ اور بعض عرب امرا سے تھے اور خاندان سونگ کے تعلقات صرف خلفائے بغداد اور عمال ماوراالنہر اور خراسان سے۔ اور مغول

کے تعلقات کا انحصار صرف ایران کے امرا مغول سے رہا۔ مگر خاندان منگ کے تعلقات جن کے متعلق ہم بحث کرنے والے ہیں ممالکِ اسلامیہ در ایشیا بلاد عرب کے علاوہ، مصر اور جنوب افریقیہ سے بھی قائم تھے۔ فارسی مصادر سے کافی شواہد ان تعلقات کی بابت ملتے ہیں جو چین اور آل تیمور کے درمیان رہے۔

یہ معلوم ہو کہ ماورالنہر اور ایران کے مغول امرا اپنے اپنے نفوذ کے حدود کے اندر، آل قبلائی خاں کے زمانے میں بالکل خود مختار تھے، اور ایک ہی اصل کی وجہ سے یہ مشکل کام نہ تھا امرا مغول خواہ وہ چین میں ہوں، یا خراسان میں یا ایران میں، ایک دوسرے کے استقلال کا احترام کرتے تھے اور آپس میں سلطنت کے واسطے ایک دوسرے کی خود مختاری نہیں چھینتے تھے۔

مگر ملوکِ مینگ، جنھوں نے اب آل قبلائی خاں کو چین سے نکال کر "آسمانی حکم" سے حکومت کو دوبارہ چینیوں کے ہاتھ میں دلوایا۔ ترکستان اور ایشیائے وسطی کے امرائے مغول کا استقلال بھی دیکھ نہیں سکے، انھوں نے فوجی قوت سے ان کی گردن جھکائی، اور تیمور گورگاں بھی جو سمرقند کا صاحب امر تھا، اپنے عہد کے شروع تک ملوکِ مینگ کا فرماں بردار تھا۔

تاریخ مینگ کے مطابق سمرقند، بخارا، ہرات اور کشمیر کی ریاستیں "ہونگ وو" (HUNG WU) کے زمانے میں چین کو خراج بھیجا کرتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس وقت سمرقند کا مالک تیمور گورگاں تھا جس کو اہلِ چین "فوماتیمور" کہتے ہیں۔ اس نے

اپنی زندگی کے زمانے میں تین وفود چین بھیجے۔ پہلا وفد ۱۳۸۷ء میں ملا حافظ کے زیرِ ریاست "ہونگ وو" کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے ساتھ پندرہ گھوڑے اور دو اونٹ ہدیے کے طور پر لائے گئے۔ ملا حافظ کو شاہی اکرام کے علاوہ بہت سا سونا دیا گیا۔ اس سال سے تیمور گورگاں کی طرف سے ہدیہ سالانہ آتا رہا۔ دوسرا وفد ۱۳۹۲ء میں آیا تھا اور چھ قطعے پرتیاں، نو قطعے اونی کپڑے، دو سرخ شالیں، دو سبز شالیں اور دیگر لوہے کی مصنوعات تحفہ لایا۔ تیسرے وفد کا ورود ۱۳۹۴ء میں ہوا۔ اس کا صدر، جیسا کہ استاد بلوشہ (BLOSHEH) کی کتاب میں ذکر ملتا ہے، محمد درویش برلاس تھا[۱]۔ اس مرتبہ دو سو گھوڑے ہدیے کے طور پر لائے گئے اور تیمور گورگاں کی طرف سے بادشاہ "دائمینگ" کے نام ایک سپاس نامہ بھی پیش کیا گیا۔ اس سپاس نامے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تیمور گورگاں کو چینی سیادت کا اعتراف تھا۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

سپاس نامہ از تیمور گورگاں بہ نام ملک معظم "دائمینگ" جب کہ ۱۳۹۴ء میں ان کی خدمت میں دو سو گھوڑوں کا ہدیہ پیش کیا گیا۔

"میں ملک معظم دائمینگ کی برکت چاہتا ہوں جس نے خدا کے حکم سے چارسو اتحاد پیدا کیا۔ خیر و نعمت کا سایہ لوگوں پر پھیلایا، اور کرم و مہربانی کا دریا عوام میں جاری کیا، وہ ملک معظم جن کی خدمت میں سلاطین عالم خراج پیش کرتے ہیں، اور ملوک جہاں ان کے

---

(۱) INTRODUCTION A.L.HISHOIRE DES MONGALS. P. 247

متعلق صفحہ ۳۲۰

大明廿七年八月帖木兒貢馬二百其表曰
恭惟大明大皇帝受天明命統一四海仁德洪布恩養庶類萬國欣仰
咸知上天欲平治天下特命 皇帝出膺運數為億兆之主光明廣
大昭若天鏡無有遠近咸照臨之臣帖木兒僻在萬里之外恭聞
聖德寬大超越萬古自古所無之福 皇帝皆有之所未服之國
皇帝皆服之遠方絕域昏昧之地皆清明之老者無不安樂少者無不
長遂善者無不蒙福惡者無不知懼今又特蒙施恩遠國凡商賈之
來中國者使觀覽都邑城池富貴雄壯如出昏暗之中忽睹天日何幸
如之又承敕書恩撫勞問使站驛相通道路無壅遠國之人咸得其濟
欽仰聖心如照世之杯使臣心中豁然光明臣國中部落聞茲
德音歡舞感戴臣無以報恩惟仰天祝頌
聖壽福祿如天地永永無極

یہ وہ سپاسنامہ ہے جو تیمور گورگان کی طرف سے بادشاہ "دامینگ" کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا
ہم نے اس کی اصل عبارت اپنے دوست داؤد ابن چوغین کے قلم سے تاریخ مینگ سے اس
موجودہ صورت میں نقل کرائی

حکم سننے کے لیے منتظر رہتے ہیں۔

اُس حق ازلی کی جو امن دنیا اور اہلِ دنیا کی سلامت کا ذمہ دار ہے۔ مشیت یہ تھی کہ ملک معظم ہی قطب جہاں ہو جائیں تاکہ دوُر اور نزدیک کے لوگ اس کی مرکزیت پر گردش کریں، اور اس عالمِ بیکراں کے باشندوں کے لیے شمعِ زندگی بن جائے، جیساکہ آفتاب کی روشنی چاروں جہان کی تاریکی کو دوُر کرتی ہے۔

بندہ حقیر تیمور، جو اس دس ہزار میل کی دوُری پر ایک مُلک میں رہتا ہے۔ حضور اعلا کے لطف وکرم کا فیض اس طریقے سے سنتا تھا کہ وہ برابر بہتا ہے، نہ کسی حد پر روکا جاتا ہے اور نہ حساب کا اندازہ ہے۔ اور زمانہ گزشتہ اور حاضر میں اس کی نہ نظیر ملتی ہے اور نہ مثال۔ وہ آسائش اور آرائش جن سے ملوکِ قدیم محروم رہے اور زمانہ حاضر کے سلاطین کو میسر نہ آئے سب ملک معظم کی خدمت میں جمع ہوے اور تیار موجود ہیں۔ اور وہ ممالک جو چین کی سیادت قبول نہیں کرتے تھے، اب اطاعت کی چوکھٹ پر خود بہ خود حاضر ہوے۔ پہلے تو بعض ایسے دوُر کے ممالک تھے جو چین سے منقطع اور ان کے باشندہ تاریکی اور جہالت میں ڈوبے ہوے تھے، اب چین کے ساتھ رشتہ قائم کرنے سے روشن ضمیر ہو کر تہذیب کی دنیا میں نمودار ہوے۔ اس مبارک دوُر میں پیر راحت اور عشرت سے سرشار ہیں اور نوجوان نشاط اور سرور زندگی سے خندہ زن ہیں۔ اہلِ اصلاح اور خیر میں سے کوئی ایسا نہیں جو انعام جزیل سے محروم ہو، اور شریروں میں سے کوئی ایسا نہیں جو عبرت انگیز سزا سے بچ نکلا ہو۔

مزید برآں حضور اعلا نے پردیسی لوگوں کی اکرام کے لیے کوئی

دقیقہ نہیں اٹھایا، وہ اجنبی قافلے جو تجارت کے واسطے یا تلاشِ رزق کے واسطے چین وارد ہوے، ان کو ضرورت سے زیادہ راحت پہنچانے کے علاوہ شاہی اخراجات سے ان بڑے بڑے شہروں کی سیر کرائی جہاں زندگی (کا دریا) موجیں مارتا ہے اور لبِ عمرانی مسکرا رہا ہے۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ پہلے تو وہ اندھیرے میں تھے، اب روشن دنیا میں آگئے، اور آفتاب ان کے سر پر چمک رہا ہے۔

پھر اس پیامِ شاہی میں جس میں تاجروں سے خطاب کیا گیا ہے۔ لطف وکرم کا دریا نظر آتا ہے، تجارت کے راستے اب کھُل گئے اور تمام سہولتیں بہم پہنچ گئیں۔ پس دور کے باشندوں کی اس کے سوا اور کوئی خواہش نہیں کہ وہ اس شاہی مہربانی کے سایے میں راحت لیں اور اس قلبِ جلالی کی ثنا کریں جو جامِ جمشید کی طرح ہے کہ دنیا ومافیہا کی کوئی چیز اس سے چھپتی نہیں۔ اور اب ہم ملکِ معظم کے لطف وکرم سے سعادت کی راہ اور فلاح کی منزل کی طرف سیدھے جا رہے ہیں اور وہ قبائل جو بندے کی مملکت میں ہیں، اس شاہی کرم کی خبر سُن کر خوشی کے مارے ان کے دل اُچھل رہے ہیں اور بندہ ذاتی طور پر اس مہربانی شاہی کے صلہ میں اس کے سوا اور کچھ پیش نہیں کر سکتا کہ حضورِ اعلا کے لیے عمرِ دراز کا التماس بارگاہِ الٰہی سے کروں اور خالقِ کائنات سے یہ دُعا کہ حضورِ اعلا کو سعادتِ زندگی اور نعمتِ عافیت عطا فرمائے۔"

یہ ہے وہ سپاس نامہ جو تیمور گورگان کی طرف سے بادشاہ دائمینگ یعنی "ہینگ تائی چو" کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس میں "بندہ" کا لفظ مکرر آیا ہے۔ برابر کے رتبے کے لوگوں کے خطابات میں یہ لفظ چینی

زبان میں استعمال کرنے کا قاعدہ نہیں، بلکہ ان خطابات میں ہوتا ہے جو وزیر کی طرف سے حکمراں کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں، یا نیچے رتبہ کے لوگوں سے اونچے عہدے کے لوگوں کی خدمت میں، اور یا کہ اس امیر کی طرف سے جو کسی اور امیر اعلا کی اطاعت کرتا ہے۔ دیگر باتوں کو چھوڑ کر محض اس لفظ "بندہ" سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیمور گورگان جو بعد میں سمرقند کا خود مختار مالک بن گیا، سنہ ۱۳۹۴ء تک خود مختار نہ تھا، بلکہ بادشاہ چین کے تابع تھا، یہی وجہ ہے کہ اس نے اس سپاس نامے میں مجبوراً چین کی سیادت کا اعتراف کیا۔ فارسی مصدر بھی اس نقطے کی تائید کرتا ہے، کیوں کہ استاذ بلوشہ کے مقدمے میں یہ ذکر آیا ہے کہ عبدالرزاق سمرقندی کی "مطلع السعدین" میں ایک تحریر تیمور کی عدم استقلال کی شہادت دیتی ہے[1]

تیمور کی اس سفارت کے رد زیارت کے لیے ملکِ چین نے سنہ ۱۳۹۵ء ایک سفیر "فوآن" (FU AN) نامی بھیجا جو اپنے ساتھ ریشمی کپڑوں کے تحفے لے گیا۔ اس وقت تیمور نہر جیحون کے کسی شہر گیا ہوا تھا اور سفیر نے وہاں جاکر تمام تحفے اور پیام شاہی اس کو سپرد کردیا۔

فارسی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمور کا چین کی اطاعت کرنا اپنی مرضی سے نہ تھا، بلکہ سیاسی مجبوری تھی۔ اس واسطے کہ ہم اس کو چین پر خروج کرتا ہوا دیکھتے ہیں جب کہ ایران اور جنوبی روسیا کے فتح کرنے کے بعد اس کی عسکری قوت بہت مضبوط ہوگئی۔ اس نے ترکستان پر

---

[1] BLOCHER INTRODUCTION

A.R HISTOIRE DES MOUGOES. P.243

قبضہ کرلیا تھا اور بیش بالق کے رشتے سے چین پر فوج کشی کرنے کا ارادہ
رکھتا تھا۔ بادشاہ چین نے اس کی نیت سے خبردار ہوکر حاکم قانفو کو
حکم دیا کہ مدافعت کے لیے ہر وقت تیار رہے، مگر اس قصد کے عمل
میں آنے سے پہلے تیمور کا انتقال ۱۴۰۵ء میں ہوگیا۔

اس کے فوت ہونے سے مملکت تیموریہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی
شاہ رخ نے جو تیمور کا چوتھا فرزند ہے، ہرات کو اپنی سلطنت کا پایۂ تخت
بنایا اور سلطان خلیل سمرقند پر قابض ہوا۔ مگر اس داخلی سیاسی تغیر
کی وجہ سے آلِ تیمور کے تعلقات شاہان چین سے منقطع نہیں ہوئے
تیمور کے مرنے کے بعد سلطان خلیل نے جو تیمور کی جگہ بیٹھا، چینی سفیر
"فوآن" کی مرافقت میں "خداداد" کو بھیجا اور اس نے اپنے ساتھ سمرقند
کی خاص پیداوار ہدیہ لاکر حکمرانِ چین کی خدمت میں پیش کی۔

تاریخِ چین میں ایک اور سفارت کا ذکر ہے جو تیمور کے ایک سپہ سالار
شاہ نورالدین کی طرف سے آئی، گھوڑے اور اونٹ کے تحفے پیش کیے
گئے۔ بادشاہ چین نے "فوآن" کو دوبارہ سمرقند، خلیل اور شاہ نورالدین
دونوں کی سفارت کی ردّ زیارت کے لیے بھیجا۔ ۱۴۰۹ء میں جب وہ
واپس آیا تو سلطان خلیل کی طرف سے پھر وفد آئے۔ اس کے بعد
دوسرے تیسرے سال ایک مرتبہ سیاسی وفد سمرقند سے آیا کرتا رہا۔

اوپر ہم نے اس کا اشارہ کیا تھا کہ شاہ رُخ اپنے والد کے مرنے
کے بعد ہرات میں متمکن ہوا۔ اس کے تعلقات ملوک چین کے ساتھ
سلطان خلیل سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھے اور اس کی طرف سے جو سفارتیں
چین آئے، اپنے والد کے وقت سے کہیں زیادہ تھے۔ فارسی اور چینی

دونوں مصدروں میں یہ بات ثابت ہو کہ شاہ رُخ کی پہلی سفارت ۱۴۰۸ء
میں آئی۔

ایک سپاس نامے میں جسے شاہ رُخ نے حکمرانِ چین کی خدمت میں
غالباً پہلی سفارت کے موقع پر پیش کیا تھا، اس خوب اور دوستانہ
تعلقات کا بیان ہو جو یلوک مینگ اور اس کے والد تیمور گورگان کے
مابین قائم تھے۔ مذکور بالا سفارتوں کے رد زیارت میں بادشاہ "دائمینگ"
نے ایک خاص وفد شاہ رخ کے پاس ۸۱۵ھ = ۱۴۱۲ء میں بھیجا۔
اور ساتھ ہی ساتھ ایک شاہی پیام بھی تھا، جس کا فارسی ترجمہ
"مطلع السعدین" میں محفوظ ہو۔ ہم یہاں بعینہ اس کی نقل درج کرتے
ہیں:۔

"خداوند تعالیٰ جمیع خلائق بیافرید۔ آں چہ درمیان آسمان و
زمین است، تا ہر یکی براحت و رفاہیت باشند بتائید امر خداوند تعالیٰ۔
ممالک روے زمین گشتہ ایم بمتابعت حکم الٰہی جہاں داری می کنم
سبب ایں میاں دوُر و نزدیک فرق نیم کنم۔ ہمہ را برابر و یکساں نگاہ
می داریم، پیش از ایں شنیدم کہ تو نیک عاقل و کاملی و از ہم کناں
بلند تری بارَ۔

خداوند تعالیٰ اطاعت می نمائی و رعایا و عساکر را پرورش
دادۂ دربارۂ ہم کناں احسان و نیکوئی رسانیدہ۔ سبب آں نیک
شاد گشتیم۔ علی الخصوص ایلچی فرستادیم تا کمخا و تر تو خلعت رسانید۔
چوں کہ ایلچی آں جا رسیدہ، تو نیک تعظیم امر ما نمودہ و مرحمت مارا
نیک ظاہر کردانیدۂ ہمہ خرد و بزرگ شاد گشتہ اند۔ فی الحال ایلچی

فرستادی تا خدمت و تحفہ اسپاں و متاعہاے آں دیار رسانیدند بجد صدق نمودن ترا دیدیم کہ شائستہ ستائش و نوازش باشی بیش تر دور مغلول با خر رسید ند پدر تو تیمور "توما" بائر خداوند تعالیٰ اطاعت آوردہ ۔

تا ئی زدی پادشاہ اعلا مارا خدمت نمودہ تحفہ ایلچیاں منقطع نکردایندہ سبب ایں مردمان آں دیار را امان دادہ و ہم کناں دولت مند کردایندہ دیدیم کہ تو بہ ہمت و روش پدر نیک متابعت غودہ اکنوں دو چیچون بائی از کسان سوچو وانگ چینگ (از) صد سوں قوبچی با جمعہم فرستادیم با تہنیت و خلعت کمخاد ترغوہای وغیرہا تا صدق ظاہر کردد ۔ بعد ازیں کسان فرستیم تا آئی و روکنند تا راہ منقطع نشود تا تجارت و کسب بمراد خویش کنند خلیل سلطان برادر زادہ تست می باید کہ ویرا نیکو تربیت غائی تا حق برادر زادگی خویش بجا آوردہ باشی تو باید کہ بصدق ورائی متابعت ما غائی اینست کہ اعلام کردایندہ می شود" [1]

دیگر روایات سے جو مطلع السعدین میں محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ رخ اس پر ہرگز راضی نہ تھا کہ وہ ہمیشہ چین کے تابع رہے بلکہ خود مختاری کا خواہاں تھا۔ اس نے غالباً ۱۴۱۰ء کے بعد استقلال کا اعلان کر دیا۔ کیوں کہ اس خط میں جسے ملک چین نے ۱۴۱۹ء میں شاہ رخ کے پاس بھیجا وہ توبیخی الفاظ نہیں ملتے جن سے والد اپنے والد کو نصیحت

---

[1] BLOCHET: IUTRODNCTION A.L HISTOIRE DES MONGES. P. 247-248

کرتا ہے یا حاکم اعلا، ماتحت افسروں کو۔ بلکہ اس کے برعکس ہم تفخیم اور تعظیم کی عبارتیں دیکھتے ہیں۔

اعلان استقلال کے بعد شاہ رخ نے حکمران چین کو دو خط بھیجے، ایک فارسی زبان میں اور دوسرا عربی زبان میں۔ دونوں میں عقاید اسلام اور اس کی خوبیوں کی شرح کے بعد اپنے آبا و اجداد کے اسلام لانے پر بحث کی۔ دونوں خط اہمیت کی وجہ سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ پہلے یہ فارسی خط پڑھیے :۔

"بہ جناب "دائی مینگ" پادشاہ از شاہ رخ، سلام ما لاکلام۔

چوں خداوند تعالیٰ بحکمت بالغہ و قدرت کاملہ آدم را علیہ السلام بیافرید و بعض فرزنداں او را پیغامبر و رسول گردانید وایشان را بخلق فرستاد تا آدمیان را بحق دعوت کنند، و باز بعض ازیں پیغمبراں را چوں ابراہیم و موسیٰ و داؤد و محمد علیہم السلام کتاب داد و شریعت تعلیم کرد و خلق آں روزگار را فرمود تا بشریعت ایشاں عمل کنند و بردین ایشاں باشند و مجموع ایں رسولاں مردم زبدیں توحید و خداپرستی دعوت کردند و از آفتاب و ماہ و ستارہ و سلطان و بت پرستیدن باز داشتند و ہر کدام را ازیں رسولاں شریعتی مخصوص بود۔ اما ہمہ بر توحید خدائی متفق بودند و چوں نوبت رسالت و پیغمبری برسول ما محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسید، شریعتہاے دیگر، دیگر منسوخ گشت و او رسول و پیغمبر آخر زماں شد و ہمہ عالمیاں امیر و سلطان و وزیر و غنی و فقیر و صغیر و کبیر را بہ شریعت او عمل بباید کرد و ترک ملت و شریعتہاے گزشتہ بباید داد،

اعتقاد بحق ، درست ایست و مسلمانی عبارت از اینست ۔

پیش تر ازیں بچند سال، چنگیز خاں خروج کرد، و بعض فرزندان خود دراں ولایتہاے و مملکتہاے فرستاد ۔ چوچی خاں را بحدود سرائے و قرم و دشت قفچاق فرستاد، در آنجا نیز بعض بادشاہان چوں اوزبک و جانی خاں و ارس خاں بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بشریعت محمد علیہ السلام عمل می کردند ۔ ہلاکو خاں را ببلاد خراسان و عراق و نواحی آں مقرر گردانید ۔ پس ازاں بعض از فرزنداں اوکہ حاکم ان ممالک بودند چوں آفتاب شریعت محمد بر دل ایشاں (مشرق) بود ہمچناں بر سر اسلام و مسلمانی بودند و وبسعادت اسلام مشرف گشتہ باآخرت رفتند ۔ چوں بادشاہ راست گوئی غازاں و ایجائتو سلطان و بادشاہ سعید ابوسعید بہادر خاں تا نوبت حکومت و فرماں روائی و سلطنت و کامرانی بہ پدر مخدوم امیر تیمور گورگان تاب ثراہ رسید، ایشاں نیز در جمیع ممالک بشریعت محمد علیہ السلام عمل فرمودند، و در ایام سلطنت و جہاں داری ایشاں اہل ایماں و اسلام را رونقی ہرچہ تمام تر بود ۔ اکنوں بہ لطف و فضل خداوند تعالیٰ ایں ممالک خراسان و ماوراء النہر و عراق و غیرہا در قبضہ تصرف ما آمدہ، در تمامت ممالک حکم بموجب شریعت مطہرہ نبویہ می کنند و امر معروف و نہی عن المنکر کردہ و یرغو و قواعد چنگیز خاں مرتفع است، چوں یقیں و تحقیق شد کہ خلاص و نجات در قیامت و سلطنت و دولت در دنیا سبب ایماں و اسلام و عنایت خداوند تعالیٰ است بارعیت بہ عدل و داد و انصاف

زندگانی کردن واجب است ، امیر بموہب وکرم خداوند تعالیٰ آں است کہ ایشاں نیز دراں ممالک بہ شریعت محمد رسول اللہ عمل کنند ومسلمانی را قوت دہند روزۂ دنیا بہ پادشاہی آخرت وللآخرۃ خیرلک من الاولیٰ متصل گردد ۔ دریں وقت از آں طرف ایلچیاں رسیدند وتحفہائی آوردند وخبر سلامتی ایشاں ومعموری ان ممالک گفتند ، ودوستی کہ میاں پدراں بود ۔ برموجب محبۃ الآبار قرابۃ الابنار ، تازہ گشت ۔ ما نیز ازیں طرف محمد بخشی ایلچی فرستادیم تا خبر سلامتی رساند ۔ مقرر آنست کہ بعد ازیں راہای کشادہ باشد تا بازرگاں بہ سلامت آیند وروند کہ ایں معنی بسبب آبادانی مملکت ونیکونامی دنیا وآخرنست توفیق رعایت اتحاد ومراقبت شرائط وداد رفیق اہلِ طریق باد ۔ تم ۔"

دوسرا خط عربی میں ہے ، پروفیسر بلوشہ نے رشید الدین فضل اللہ کی تاریخ مغول کے مقدمہ میں اس عربی خط کو مطلع السعدین سے نقل کرکے چین وآل تیمور کے تعلقات کی بحث میں داخل کیا ہے ، وہ یہ ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

قال رسول اللہ محمد علیہ السلام ۔ لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامراللہ لا ینصر من خذلھم ولا (یطاع) من خالفھم حتی یأتی امر اللہ وھم علی ذلک ۔ لما اراد اللہ تعالیٰ ان یخلق آدم وذریتہ قال کنت کنزا مخفیا ۔ فاحببت ان اعرف فخلق الخلق لاعرف فعلم ان حکمۃ جلت قدرتہ وعلت حکمتہ من خلق نوع الانسان ایثار (اشار) العرفان

واعلاء اعلام الهدے والایمان وارسل رسولہٗ بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلہ ولوکره المشرکون لیعلم الشرائع والاحکام وسنن الحلال والحرام واعطاء القرآن المجید معجزة لیفحم بہ المنکرین ویقطع لسانهم عنہ المنازعة والخصام وابقی بعنایتہ الکاملة وهدایتہ الشاملة آثاره الی یوم القیامة ونصب بقدرتہ فی کل حین وزمان وفرصة واوان فے اقطار العالمین من الشرق والغرب زادقده وامکان وصاحب جنود مجنده وسلطان لیروج اسواق العدل والاحسان ویبسط علی رؤس الخلائق اجنحة الامن والامان ویامرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر والطغیان ویرفع بینهم اعلام الشریفة الغراء وازاح من بینهم الشرک والکفر بالتوحید (فی الملة) الزهراء فوفقنا اللہ تعالیٰ ان قواعد الطریقة الزاهرة وامرنا بحمد اللہ ان نفصل بین الخلایق والرعایا فی الوقائع والقضایا بالشریعة النبویة والاحکام المصطفویة ونبنی فے کل ناحیة المساجد والمدارس ونعمر الخوانق والصوامع والمعابد۔ لئلا یندرس اعلام العلوم ومعالمها وینطمس آثار الشریف واسمها ولان بقاء الدنیا الدنیة وسلطنتها واستدلال آثار الحکومة وآیاتها باعانتہ الحق والصواب وامامة اذی الشرک والکفر عن وجہ الارض لنتوقع الخیر والثواب فالمرجو والمامول من ذلک الجانب وارکان دولتہ ان یوافقونا

فی الامور المذکورۃ ویتشارکو نلنا فی تشیید قواعد الشریعۃ المعمورۃ ویراسلوا الرسل والقاصدین ویفتحوا المسالک للسائرین والتاجرین لیتاکد اسباب المحبۃ والوداد ویتعاضد وسائل المودۃ والاتحاد ویستریح طوائف طرائف البرایا فی اطراف البلاد وینتظم اسباب المعاش بین صفوف العباد والعباد والسلام علی من اتبع الھدیٰ وانہ رؤف بالعباد"

عبد الرزاق السمرقندی نے اس کے بعد اور سفارتوں کا ذکر کیا ہے جن کو بادشاہِ چین نے ۱۴۱۷ء اور ۱۴۱۹ء میں شاہ رخ کے پاس بھیجا۔[1] اور کئی سفارات ایران، ہرات اور سمرقند کے امرا مغول کی طرف سے دارالسلطنت چین میں مختلف زمانوں میں آئیں۔ اس واسطے وہ یہ کہتا ہے:۔

"بادشاہ خطائی دائی مینگ خاں باز ایلچیاں فرستادہ درماہ ربیع الاول سنہ عیسویں وثمانیہ مائہ (۱۴۱۷ء) رسیدند۔ ایشاں تیبا چین وتوباچین وچاتیا چین وتنق باچین با سیصد سوار و تحفہ وبیلاک بسیار وشنقار واطلس وکمخاب وترغو وآلات چینی وغیرہ رسانیدند، وبرای شاہ زادگان وآغایاں علی حدہ بیلاکات بادشاہ نہ آوردہ بودند ومکتوبی مشتمل بر معانی کہ طرز رسایل گزشتہ باشد وذریعہ استنطاق آیندہ آید مضمون آنکہ از جانبین رفع حجاب مغایرت وبیگانگی باید نمود وفتح باب موافقت ویگانگی فرمود تا رعایا وتجار بمراد خود آیند وروند وراہ ہای ایمن باشد در

[1] BLOCHEH: INTRODUCTIUN A P. 251-253

اوّل کہ ایلچیاں آمدہ بودند چوں مراجعت نمودند امیر سید احمد ترخاں
اسپ بوزی جہت بادشاہ جہاں رواں داشتہ بود و در نظر بادشاہ
بغایت مستحسن نمود و برلے او چیزی بسیار فرستادہ بود و صورت
آں اسپ را نقاشاں آنجا کشیدہ باد و اخناجی کہ عنان اسپ را
از دو طرف گرفتہ بودند ارسال نمودند و ایلچیاں را مہمان داری کردہ
و مہمات ساختہ چناں چہ گزشتہ رواں داشتند و آں حضرت اردشیر
تواچی مراہم راہ ایلچیان بہ جانب خطائی فرستاد"۔

یہ تو ۱۴۱۷ء کے وفد کے متعلق تھا۔ ۱۴۱۹ء میں چین سے پھر وفد
سمرقند آیا اور حاکم سمرقند کے لیے بڑے بڑے تحفے لایا۔ اس وفد کے
متعلق عبدالرزاق کا بیان یہ ہے:۔

"پہلے تو بادشاہ چین دائی مینگ خان نے سنہ مذکورہ میں اپنے
سفراء حضرت خاقان سعید کے پاس بھیجے تھے۔ اس کے ردّ
زیارت میں سعید نے اردشیر تواچی کو ان سفرا کی مرافقت میں
حضرت ملک چین کے پاس بھیجا۔ اردشیر واپس آکر احوال چین
سے خاقان سعید کو مطلع کیا، اور یہ بھی بیان کیا کہ اور سفارتیں
عنقریب آنے والی ہیں۔ چناں چہ اس سال کے رمضان کے
آخر میں تیجا چین و خان ماچین ہرات آئے اور خاقان سعید کی
خدمت میں بہت سے نفیس ہدیے پیش کیے اور ساتھ ہی
ساتھ ایک دوستانہ پیام بھی تھا۔ شاہان چین کے خط اپنے
خاص طریقے سے لکھا جاتا ہے۔ واضح ہو کر بادشاہ کا نام صدر
مقام میں لکھا جاتا ہے، اور دیگر سطور اس کے تھوڑے نیچے

سے شروع ہوتے ہیں اور اثنائے کتابت میں جہاں خدا جل شانہ
کا ذکر آتا ہے تو سابق سطر چھوڑ کر فوراً دوسری سطر میں خدا کے نام
سے شروع کرتے ہیں اور اس طریقے سے بادشاہ کے نام اور
وہ پیام شاہانہ جو ۸۲۲ھ میں بھیجا تھا۔ اس خط پر لکھا ہوا تھا۔
ان کے خطوط اگر حکمراں کے نام بھیجے جاتے ہوں تو ان کی تین
نقلیں ہوتی ہیں اور ہر نقل میں تین زبانیں استعمال کرتے ہیں
جن میں سے ایک اغلبیہ کی زبان ہے اور اس کے ساتھ اور دو زبانیں
ہوتی ہیں یا تو وہ فارسی و مغولی ہوتی ہیں، یا ترکی و چینی۔ مگر
چینی زبان ہر نقل میں لازم طور پر لکھی جاتی ہے۔ ان خطوط میں
تمام تحفوں کے ناموں کا ذکر ہوتا ہے، خواہ وہ اشیا ہوں، یا
حیوانات۔"

یہاں ایک فارسی خط کا نمونہ درج ہے جو ہر ایک نسخے میں پایا
جاتا ہے، جس کی تاریخ بھی تین زبانوں میں لکھی جاتی ہے اور عبدالرزاق
کے مطابق یہ ان خطوط میں سے ایک تھا جن کو بادشاہ چین نے شاہ رخ
کے نام بھیجا تھا۔ اس بنا پر وہ کہتا ہے:۔

" دائی مینگ پادشاہ معظم ارسال می فرماید بہ شاہ رخ سلطان تامل
می کنم۔

خداوند تعالیٰ دانا و عاقل و کامل بیافرید او را تا مملکت
اسلام ضبط کند سبب آں مردماں آں مملکت دولت مند گشتہ
اند سلطان روشن رائی و دانا و کامل و خردمند و از ہمہ اسلامیان
عالی تر بہ امر۔

خداوند تعالیٰ تعظیم و اطاعت بجا آوردہ و درکار او عزت داشت نمودہ کہ موافقت تائید آسمان است ما پیش ترازین ایلچیان امیر سوای لیدا باجمهم فرستادیم بہ نزدیک۔

سلطان رسیدہ اند بہ آداب رسوم اکرام و اعزاز بسیار فرمودہ اند۔ لیدا و اجمهم بہ مراجعت رسیدہ عرض نمودند بر ما بعہ روشن و معلوم گشت و ایلچیاں بہ یک بوقا وغیرہ بلیدا و اجمهم باہم سرای ما ہدایا شیر و اسپان تازی و یوزان و چیزہای دیگر فرستادند۔ ہمہ بریں درگاہ رسانیدند۔ ما ہمہ را نظر کردیم صدق محبت ظاہر گردانیدہ اند۔ ما بغایت شاکر گشتیم (در) دیار مغرب کہ جای اسلام است از قدیم دانیان و صالحاں ہیچ کس از۔

سلطان عالی تر نبودہ باشد و مرد ماں آں مملکت را نیک مینواند۔ امان و تسکین دادن کہ بر وقف رضا۔

حق است جل جلالہ چگونہ

خداوند تعالیٰ راضی و خشنود نباشد مرداں باہم دیگر بدوستی بودند دل بدل چو آئینہ باشد۔ اگرچہ بُعد مسافت باشد گو سبا در نظر ہستی۔ ہمت و مروت از ہمہ چیز عزیز تر است لیکن در تبع آں نیز چیزی عزیز شود اکنوں علی الخصوص لیدا و چانگفو باجمهم با ایلچیان بیک بوقا وغیرہ را باہم فرستادہ شد کہ نزدیک

سلطان ہدایا سونگقوران ہم دستت کہ برسانند ایں ہمہ سونگقوراں را ما بدست خود پرایندہ ایم و نیز ہدایا کمخاب

مع غیر ہم فرستاد شد۔ سونکفوران اگرچہ در مملکت چین مانی شود،
لیکن علی الاوام از اطراف دریا برائے ما تحفہ می آرند۔ سبب
آن کمی نیست دراں جای شما تا مقابل ہمت عالی۔
سلطان ترجمی باشد۔ اگرچہ اشیا کمینہ است۔ لیکن حوصلہ
محبت ما باشد بقبول۔
سلطان وصول آید۔ من بعد۔ باید کہ صدق محبت
زیادہ شود و ایلچیان و تاجران پیوستہ آمد شد کنند و منقطع
نباشد تا مردمان ہمہ بدولت امن و امان در فاہیت باشند البتہ
خداوند تعالیٰ لطف و رحمت زیادہ گرداند اینست کہ اعلام
کردہ شد"

اس سفارت کے رد زیارت میں شاہ رخ نے ذی القعدہ ۸۲۲ھ
(۱۴۱۹ء) میں سفیر بھیجا اور اس وفد کے ساتھ میرزا باسون غور اور
سیور غاتمش کے سفرا بھی تھے۔ اور عبدالرزاق کے قول سے یہ پتا
چلتا ہے کہ شاہ رخ کا وفد ذی الحجہ ۸۲۳ھ = ۱۴۲۰ء میں پکنگ پہنچا
اور وہاں جمادی الاول ۸۲۴ھ = ۱۴۲۱ء تک رہا۔ بعد میں رمضان
۸۲۵ھ = ۱۴۲۲ء میں ہرات واپس آیا۔

تاریخ چین ان باتوں کی تائید کرتی ہے جن کو ہم نے مطلع السعدین
سے نقل کیا ہے، وہ یہ بیان کرتی ہے کہ آل تیمور سے کئی سفارات
"ابن سماء" کے پاس آئیں اور ان امرا کی طرف سے بھی جو ماوراء النہر،
خراسان، ایران، تاشقند، کش، شاہ رخیہ، بدخشاں، اصفہان، شیراز
وغیرہ پر حکمراں رہے۔

"ترکستان سے چین قدیم کے تعلقات" کے مولف نے تاریخ مینگ کی سند سے یہ بیان کیا ہے کہ سمرقند سے جب کہ میرزا اولغ بگ، سلطان خلیل کے بعد اس پر حکومت کر رہا تھا۔ سنہ ۱۴۱۵ء میں ایک سفارت آئی اور دوسری مرتبہ سنہ ۱۸-۱۴۱۷ء میں، اس کے علاوہ شیراز سے دو وفد آئے، ایک سنہ ۱۴۱۵ء اور دوسرا سنہ ۱۴۲۳ء میں، اور اصفہان سے سنہ ۱۴۱۹ء میں، اور بخارا سے سنہ ۱۴۲۲ء۔ ان سفرا کو بادشاہ سی چونگ نے خوب اکرام اور انعام دے کر رخصت کیا اور ان کی مرافقت کے لیے "جن چونگ" اور "لوآن" مقرر کیے گئے، اور ان ہی سفرا کے توسط سے اولغ بگ کے نام ایک نشان بھیجا۔

صوان چونگ (SUAN CHONG) - (۱۴۳۵-۱۴۲۶ء) کے عہد میں اولغ بگ سے کئی مرتبہ سفرا قیمتی ہدیے لے کر حاضر ہوے۔ پہلے سنہ ۱۴۲۶ء میں اور بعد سنہ ۱۴۲۷ء سے سنہ ۱۴۳۳ء تک متواتر آتے رہے۔ اور ہر مرتبہ بادشاہ "صوان چونگ" نے رد زیارت کے لیے اپنے سفیر بھیجے۔

چینی تاریخ میں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ وہ وفد جو سنہ ۱۴۳۹ء میں اولغ بگ کی طرف سے آیا ایک ایسا گھوڑا لایا جس کی پیشانی اور چار پانو چمکتے تھے۔ بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ فوراً ایک نقش نگار کو حکم دیا گیا کہ اس کی تصویر اتار دی جائے۔ اور اس گھوڑے کی وجہ سے سفیر کی بڑی تعظیم اور تکریم ہوئی۔ سنہ ۱۴۴۰ء حکمران چین نے ایک پیام اولغ گورخان کے نام بھیجا۔ جس کا مضمون تقریباً یہ تھا: "تم تو غرب اقصی کے سلطان ہو، اور برابر میرے یہاں خراج بھیجتے ہو۔ یہ میرے نزدیک نہایت

مستحسن بات ہے۔ بس ان سفرا کے توسط سے جواب واپس ہو رہے ہے۔ سلطان بیگم کو اور شہزادگان کو آپ کی قدر دانی کے لیے ریشم کے خلعت بھیجتا ہوں"۔
اور ان خلعتوں کے ساتھ بعض سونے چاندی زبرجد کے زیورات اور ایک چھڑی جس پر "تنین کا سر" منقوش ہے اور اعلا درجے کا زین و لگام اور مختلف رنگ کے ریشم تحفے بھیجے گئے [1]

پروفیسر بلوشہ کی رائے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی کئی سفارتیں سمرقند سے ۱۴۳۵ء، ۱۴۳۶ء، ۱۴۳۹ء میں آئیں اور ۱۴۴۹ء کا وفد غالباً آخری وفد تھا جو اولغ بگ کی طرف آیا [2]

عہد مینگ کی تاریخ میں یہ شہادت ملتی ہے کہ ابو سعید نے جو اولغ بگ کے بعد، سمرقند پر حکومت کرتا تھا، کئی سفارات "چنگ چونگ" (۱۴۵۰-۱۴۶۴ء) کے عہد اور شیانگ چونگ (۱۴۶۵-۱۴۸۶ء) کے عہد میں چین بھیجے۔ ابو سعید کا پہلا وفد ۱۴۵۶ء میں آیا۔ تاریخ چین اس کے متعلق یوں بیان کرتی ہے کہ سمرقند سے ۱۴۵۶ء میں گھوڑے، اونٹ اور جواہرات پیش کرنے کی غرض سے وفد آیا۔ ناظم تشریفات نے بادشاہ سے یہ عرض کیا: نظام قدیم کے مطابق تو ان سفرا کو بہت انعام دینا پڑتا تھا، اب کچھ تبدیلی ہوئی ہے جو درجہ اول کے انعامات کے مستحق ہوتے ہیں وہ سفرا اور درجہ ثانی کے مستحق ہوتے ہیں وہ معاون سفرا یعنی ان کے انعامات پہلی طرح کے تھی، مگر جو تیسرے درجے کے لوگ ہیں ان کے لیے اب صرف

---

[1] ANCIENT CHINAS RELATION WITH TURKISTEN - P. 530

[2] B. LOCHER - P. 292

تین قطعے زربفت، چار قطعے کمخاب، اور ایک قطعہ کا مدار ریشم جو سنہری تاگوں سے مزین ہی، دیے جاتے ہیں اور تابعین، نوکر چاکر وغیرہ کو اس سے کم درجے کے انعام رتبہ کے مطابق دیے جاتے ہیں اور ایک گھوڑا ارغاما کی (ARCHAMAKI) کے عوض میں چار کمخاب، آٹھ زربفت اور ہر تین اونٹ کے عوض میں دس زربفت، اور ہر ایک تاتاری گھوڑے کے بدلے میں آٹھ زربفت اور ایک ریشم کا تھان دیے جاتے ہیں انھوں نے جو زمرد لائے ہیں ان میں سے بعض قابلِ استعمال ہیں اور بعض ناقص۔ قابل استعمال صرف ۲۴ ٹکرے ہیں جن کا وزن ۶۸ رطل ہوتا ہی[1] اور باقی ۵۹۰۰ رطل ہی جو بے کار ہی۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کو واپس لے جاؤ، مگر وہ پیش کرنے پر مصر ہیں۔ اس واسطے میں حضور اعلا سے یہ التماس کرتا ہوں کہ ہر پانچ رطل زمرد کے بدلے میں ایک زربفت کی انعام کا حکم صادر فرمادیں۔

بعد میں یہ لوگ واپس ہوئے اور بادشاہ چین نے بعض ہدیے نادرہ ابوسعید کے پاس بھیجے۔[2]

اس بیان سے یہ حقیقت کھل جاتی ہی کہ وہ سفرا جو سمرقند سے خراج یا ہدیہ پیش کرنے کے لیے چین آئے، وہ حقیقت میں تاجر ہوتے تھے۔ اور کسب مال کے سوا اور کچھ ان کا مقصد نہ تھا اور غالباً حکمرانِ چین اس حقیقت سے واقف تھا۔ مگر وہ اس بات سے خوش تھا کہ یہ لوگ

---

[1] ایک چینی رطل انگریزی پونڈ کا $\frac{4}{3}$ ہی۔

[2] ANCIENT CHINAS RELATION WITH TURKESTAN .P.530

سفرا کے بھیس میں آتے تھے اور خراج یا تحفے پیش کرنے کا نام لیتے تھے۔
اگرچہ ان تحفوں کے عوض میں اس کو بہت کافی دام یا سامان دینا پڑتا تھا،
مگر ان "سفرا" کے آنے سے وہ بیزار نہ تھا اور انعام و خلعت کے دینے
کے لیے ہر وقت کمربستہ تیار تھا۔ ۱۴۵۷ء میں بادشاہ چین اپنی طرف سے
اور ایک سفیر "مایون" نامی، غالباً وہ مسلمان تھا، "بلاد غرب" کو بھیجا اور
اس کے ہاتھ سے جیسا کہ اس زمانے کا سیاسی دستور تھا، سلطان موسیٰ
کے نام ایک خلعت بھیجا اور سلطان احمد نے جو ابوسعید کا فرزند ارجمند
تھا، "چنگ خوا" کے عہدِ حکومت میں (۱۴۶۵ - ۱۴۸۷ء) کئی سفارات
یکیں ۱۴۷۸ - ۱۴۸۰ء اور ۱۴۸۳ء میں بھیجا۔ تاریخ چین میں یہ روایت
ہے کہ ۱۴۸۳ء کے وفد کے ساتھ اصفہان سے بھی ایک وفد آیا جس کے
ساتھ دو شیر ہدیہ آئے۔ صوبہ قانصو کے شہر شیو جاؤ پہنچ کر بادشاہ سے
یہ مطالبہ کیا کہ کوئی وزیر بھیج کر ان کا استقبال کریں۔ دربار میں سے ایک
بڑے امیر نے یہ اعتراض کیا کہ شیر غیر مفید جانور ہے اور چوپائے کی طرح
معابد اور ہیاکل میں اس کی قربانی نہیں کی جا سکتی اور نہ گھوڑے گدھے
یا اونٹ کی طرح سواری ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے بہتر یہ ہے کہ ایسا تحفہ
قبول نہ کریں، اور ناظم تشریفات نے اس امیر کی تائید کی اور یہ کہا کہ
شیروں کا استقبال کرنا عرف عام اور عادتِ مروجہ کے مخالف ہے۔ مگر
بادشاہ نے ان دونوں کی بات نہیں سُنی اور اصفہان کے وفد سے یہ
دو شیروں کا ہدیہ قبول کر لیا اور ہر ایک شیر کے لیے روزانہ ایک بکری،
سیر بھر شہد، سیر بھر گھی اور ایک شیشہ سرکہ دیا جاتا تھا اور شیروں
کی تربیت کرنے والا ایک بڑا پہلوان تھا۔ اس کے لیے بادشاہ کے

خزانے سے خاص تنخواہ مقرر تھی۔

سلطان احمد سے دیگر سفارات ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱ء اور ۱۴۹۳ء میں آئے۔ پروفیسر بلوشہ نے اپنے مقدمہ میں ان کا ذکر کیا ہے[۱] اور اگر آپ ان بیانات کو پڑھیے جو "چین و ترکستان کے تعلقات" میں آئے ہیں تو اور بعض سفارات کی تفاصیل پائیں گے جو ایشیا وسطی کے مختلف ممالک سے آئے تھے[۲]۔ ان کے علاوہ سلطان علی مرزا کی طرف سے بھی، جس کا قتل ۹۰۶ھ = ۱۵۰۰ء میں محمد خاں شیبانی کے ہاتھ ہوا، وفد آیا تھا اور یہ پروفیسر بلوشہ کی تحقیق کے مطابق ۱۴۹۹ء میں پکین پہنچا۔

شیبانیین[۳] جو آل چنگیز کی ایک دوسری شاخ تھی اور شیبانی خاں بن جوجی خاں سے منسوب تھی، تیموریین کے زوال کے بعد یہ ماوراالنہر اور خراسان پر قابض ہو گئے۔ ان کے اور پکین کے درمیان سفارات کی آمد و رفت رہی۔ اس خاندان سے ایک حکمراں نے جو محمد خاں شیبانی کے نام سے مشہور تھا، اپنی زندگی کے زمانے میں پانچ مرتبہ سفارات پکین بھیجے تھے جس کی تاریخ چین مصدر ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، اور ۱۵۱۰ء بتاتا ہے اور اس کے بعد اس کے ولد قوش کونجی نے بھی چار مرتبہ ۱۵۱۵، ۱۵۱۹، ۱۵۲۳، اور ۱۵۲۹ء میں اپنے سفرا بھیجے۔

---

[۱] BLOCHET- P.

[۲] ANCIENT CHINAS PELATION WITH TURKESTAN. P. 531

[۳] یہی لوگ تھے جنھوں نے ظہیرالدین بابر کو فرغانہ سے ہندستان کی طرف بھگایا۔

پہلے دو مرتبہ بادشاہ " ود چونگ " کے آخر عہد میں اور دوسرے دو مرتبہ " سی چونگ کے اوّل عہد میں ۔

ان کے علاوہ تاریخ چین میں اور سفارات کا ذکر ملتا ہے جو ماوراء النہر سے آئے تھے ۔ ایک تو سلطان سکندر کی طرف سے ۱۴۸۳ء میں پکین آیا اور دوسری ۱۶۱۸ء میں امیر جنید امام کولی کی طرف سے ، جس نے زوال شیبانین کے بعد سمرقند پر قبضہ کر لیا اور اس وفد کا آنا دوستی اور مودت کے اظہار میں تھا ۔

. . . .

ماوراء النہر اور خراسان اور ایران کے علاوہ ملوک مینگ کے تعلقات ممالک ساحلیہ سے بھی تھے ۔ جاوہ ، بورنیو اور سماطرہ کے سلاطین اپنے اپنے وفد پکین بھیجتے تھے ۔ اور ہندستان کے مسلمان بھی ان تعلقات سے منقطع نہ رہے ۔ فارسی مصدر میں بنگال کے ایک وفد کا ذکر ملتا ہے جو سیف الدین کے زیرِ صدارت ۱۴۱۴ء میں پکین پہنچا[1] ۔ اس وقت بادشاہ " چینگ چو " چین کے تخت پر تھا اور یہی عہد تھا جس میں حاجی جہاں (TSEUG HO) کئی مرتبہ سیاسی اغراض کے واسطے جزائر جاوہ ، سواحل ہند ، بلاد عرب اور جنوب افریقیہ کی بندرگاہوں کا سفر کیا ۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ سفارتی تعلقات ملوک چین اور خلفائے عرب اور ان کے حکام کے درمیان مختلف زمانے میں قائم تھے ، مگر سقوط بغداد اور دولت عباسیہ کے زوال سے یہ تعلقات

---

[1] BLOCHER. P. 266.

منقطع ہو گئے اور بعد کے چند قرون میں جب مغول نے ایشیا میں زور پکڑا اور پہلے جہاں عربوں کی حکومت تھی۔ ان کے ہاتھ سے چھین کر اپنے ماتحت کر لی تو اس سیاسی کے ساتھ چین کے تعلقات غیر ممالک کے ساتھ اب صرف سلاطین مغول میں منحصر ہو گئے۔ یہ حالت تقریباً شیبانیین کے زوال تک رہی۔ مگر ملوک مینگ جنھوں نے آل قبلائی خاں کو چین سے نکالا، اگرچہ وہ یہ مصلحت دیکھتے تھے کہ امرائے مغول کے ساتھ تعلقات سلاطین سابقہ کی طرح باقی رکھیں، مگر وہ اپنی سیاست خارجیہ میں آل قبلائی خاں کے مقلد نہ تھے، بلکہ انھوں نے ایک نیا راستہ اختیار کیا یعنی ایک طرف امرائے مغول کے ساتھ تعلقات قائم رہنے دیے، جو اب ماوراالنہر، خراسان اور ایران کے حکمران تھے، اور دوسری طرف پھر عرب سے روابط سیاسی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ چناں چہ ہم ان ایام میں یہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے سفرا کو ان عرب حکام کی طرف بھیجا، جو بلاد عرب اور جنوب افریقیہ میں حاکم تھے۔ اور ان سفرا کا سردار حاجی جہان کو جو اس زمانے کا ایک بڑا ذو رسوخ مسلم درباری تھا بنا دیا۔

جہاں تک حاجی جہان کی شخصیت کا تعلق ہے وہ ان مسلم زعما میں سے ایک تھا جنھوں نے ملوک مینگ کے دربار میں کافی رسوخ اور اقتدار حاصل کیا۔ اور ان ارکانِ دولت میں سے تھا جنھوں نے چین کی سیادت کو ان ساحلی ممالک پر پھیلا دیا تھا جو چین کے قریب اور بحرِ ہند اور بحرِ چین کے درمیان واقع تھے۔ اس کی شخصیت کی معرفت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ چین کا سب سے بڑا جہاز راں خیال کیا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ چین کی تاریخ میں اس باب میں اس کا کوئی نظیر کم سے کم

پندرھویں صدی تک نہیں ملا - اور اس ہی لحاظ سے وہ چین کے بین الاقوامی تعلقات میں ایک ممتاز ہستی تھی کہ اب تک چین کے ادب اور ناولوں میں اس کے قصے اور کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔ ظن غالب ہے کہ ان کی اصل عرب سے تھی اور قبلائی خان کے زمانے میں ان کے آبا و اجداد بخارا سے آئے اور صوبہ یونان (YUN NAN) آکر آباد ہوئے یہی وہ صوبہ ہے جہاں سید اجل اور ان کی اولاد نے ایک عرصے تک حکومت کی۔ تاریخ چین حاجی جہان کو خاندان "ما" سے منسوب کرتی ہے اور لفظ "ما" (MA) جو اب بہت سے چین کے اسلامی خاندانوں کا عام نام ہو چکا ہے، غالباً "محمود" یا 'محمد' یا 'احمد' کی مختصر کی ہوئی شکل ہے۔ بعض وہ لوگ جو خاندان "ما" سے منسوب کیے جاتے ہیں ان کے اجداد یا محمود تھے یا محمد یا احمد۔ اور جونہی زمانہ گزرتا گیا، اختصار کے واسطے ان کو "ما" کہنے لگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کفار چین میں ایسا خاندانی نام نہیں ہوتا۔ اس خیال کے مطابق یہ کہنا غالباً زیادہ غلط نہ ہوگا کہ حاجی جہان سید اجل کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی سوانح عمری بالفعل زیرِ تحقیق ہے اگر ہو سکا تو ان شاء اللہ تاریخِ اسلام در چین میں جس کے لکھنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں ذکر کیا جائے گا۔

اس مسلم سردار نے کئی مرتبہ جزائر جاوہ، سواحل ہند، خلیج فارس اور سواحل عرب کا سفر کیا تھا اور ان اسفار میں سے جو زیادہ اہم تھا، وہ سنہ ۱۴۳۰ء میں مکّہ کا سفر تھا۔ اس سے پہلے سنہ ۱۴۱۷ء میں اس نے ہرموز کا سفر کیا، مگر دوسرے سفر سے چین و عرب کے تعلقات کی تجدید ہوئی جو مغول کے عہد کے بعد سے منقطع ہو گئے تھے۔

شروع میں حاجی جہان کشتیوں میں بیٹھ کر کولم میں پہنچا، وہاں یہ خبر ملی کہ بہت سے تجار مکہ مکرمہ جانے والے ہیں جو ہرموز سے کوئی چالیس روز کا راستہ ہے۔ دفعتہً اس کے دل میں زیارتِ مکہ کا شوق پیدا ہوا اور تجار کے جہازوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ چینی تاریخ کے مطابق، جانے آنے میں ایک سال لگ گیا اور جب واپس آئے تو بہت سے عجائبات اور نوادر اپنے ساتھ لائے۔ ان کے ساتھ امیرِ مکہ کا سفیر بھی تھا۔ یہ سفیر سنہ ۱۴۳۶ء تک چین میں رہا اور بعد میں سفرائے جاوہ کے ساتھ واپس ہوا اور اس کے ہاتھ سے امیرِ مکہ کے لیے ہدیے بھیجے گئے۔ اس کے بعد امیرِ مکہ نے اپنے شہزادے سید علی اور ایک دوسرے شخص سید حسن کو چین روانہ کیا، خشکی کے راستے سے "قراخواجہ" (KARA KHOGA)[1] میں ایک گروہ رہزنوں کے ہاتھ پڑ گئے۔ سید علی کے داہنے ہاتھ میں زخم آیا اور سید حسن قتل کیا گیا۔ دونوں کے مال و اسباب سب چھین لیے گئے اور وہ جماعت تحقیقات جسے صوبہ قانصو کے فرمان سے بھیجا، کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی اور سید حسن کا خون اُس بے آئین ملک میں یونہی ضائع ہو گیا۔[2]

تاریخ چین سے یہ پتا چلتا ہے کہ بعض حکامِ چین سفرائے عرب کے ساتھ اچھی طرح پیش نہیں آئے۔ اس سلسلے میں ایک عرب علی کی روایت ہے کہ اس کا ایک بھائی جسے چین آئے ہوئے چالیس سال ہو چکے ہیں واپس نہیں گیا۔ اس واسطے وہ رختِ سفر باندھ کر اسے تلاش کرنے

---

[1] طرفان کے قریب ایک شہر ہے۔

[2] ANCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS. P. 204.

کے لیے روانہ ہوا۔ پہلے مالاقہ (MALACCA) پہنچا، اور وہاں سے تاجروں کے جہازوں میں بیٹھ کر چین آیا۔ چاہتا تھا کہ دارالسلطنت جاکر بادشاہ کی خدمت میں کچھ تحفے پیش کرے۔ مگر شہر کانتون پہنچ کر وہاں کے عامل محصولات نے اس کے سامانوں کو ضبط کرلیا، بادشاہ کے پاس جاکر اس معاملے کی شکایت کی۔ بادشاہ نے ناظم تشریفات کو حکم دیا کہ اس اجنبی کے ضبط کیے ہوے سامانوں کے دام کی تخمین کرکے اس کا نقدی معاوضہ دیا جائے۔ بعدیں اس کو یونّنان جانے کی اجازت دی گئی کہ وہاں اپنے بھائی کی تلاش کرے۔ مگر وہ عامل جو بادشاہ کے غیظ و غضب سے ڈرتا تھا۔ اس نے بعض درباریوں کی مدد سے علیؔ پر یہ تہمت لگائی کہ وہ مُلک چین کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آیا ہے۔ بادشاہ کو یقین آگیا اور علی کو چین سے نکال دیا۔[لہ]

اگر یہ واقعہ غیر صحیح ہوتا، تو "عرب سے قدیم چین کے تعلقات" کا مولف ہرگز یوں ہی نہ چھوڑتا بلکہ اس کی تردید کرتا۔ مگر اس نے مطلقاً سکوت اختیار کیا اور یہ سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بعید از قیاس نہیں کہ بعض چینی افسروں نے اجنبیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہوگا۔ اور سزا سے بچنے کے واسطے ایسی چالاکیاں کی ہوں گی۔

اگرچہ اس زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آئے تھے۔ مگر چین وعرب کے تعلقات ان کی وجہ سے منقطع نہیں ہوے بلکہ برابر قائم رہے۔ اس واسطے تاریخ چین میں یہ ذکر ملتا ہے کہ سلطان احمد نے سمرقند سے

لہ AUCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS. P. 304

سنہ ۱۴۹۰ء میں ایک وفد بھیجا، اور تحفوں میں گھوڑے، اونٹ اور عقیق تھے۔ اور سنہ ۱۵۰۶ء میں بادشاہ نے حاکم قانصو کو حکم بھیجا کہ عمدہ گھوڑوں کا انتخاب کر کے شاہی اصطبل میں بھیجے۔ حاکم قانصو نے جواب دیا کہ عمدہ گھوڑے تو بلادِ عرب کی پیداوار ہیں۔ چناں چہ ایک شاہی فرمان شائع کیا گیا جس کے ذریعے سے عربی گھوڑوں کی تجارت کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص وفد ماوراء النہر بھیجا گیا اور وہاں اعلان کیا کہ اگر کوئی امیر یا حاکم، بادشاہ چین کے لیے ہدیہ بھیجنا چاہے تو عمدہ گھوڑے ہی بھیجے۔

تاریخ چین سے یہ پتا چلتا ہے کہ امرائے عرب کی طرف سے گھوڑوں کے تحفے بھی آتے تھے۔ کیوں کہ شریف برکت کی طرف سے سنہ ۱۴۹۷ء سے مکہ مکرمہ پر حکومت کرتا تھا اور جس کا انتقال سنہ ۱۵۲۴ء میں ہوا[1] سنہ ۱۵۱۸ء میں بہت سی چیزیں بادشاہ ووچونگ کی خدمت میں بھیجی گئیں جن میں گھوڑے، اونٹ، اونی پارچہ، مونگے، موتیاں، اور مچھلی کی ہڈی کے چاقو بھی تھے اور ان ہدایا کے بدلے میں ووچونگ نے ایک خلعت جو سنہری تنین کی شکل سے مزین ہے اور مشک اور سونے اور چاندی کے مصنوعات امیر شریف کو بھیجے۔ اگر آپ استاد "چانگ شن لونگ" (CHANG SHIN LONG) کی کتاب پڑھیں تو اس میں آپ کو عرب سفارات کے متعلق اور مزید تفاصیل ملیں گی۔ اس مصنف کے مطابق امیر مکہ کی طرف سے سنہ ۱۵۲۵ء، ۱۵۳۲ء اور سنہ ۱۵۴۳ء میں سفارات

---

[1] WUSTENFELD GESHICHTE DER STDDT: MECCA- P-1861.

آئے تھے اور آخر دو مرتبہ عرب کے ساتھ، ان امارات اسلامیہ سے بھی سفارات پہنچے، جو ماوراء النہر، ترکستان اور خراسان میں قائم تھیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان باتوں کے متعلق ہم کو عربی کتابوں یا اور دوسری زبان کی کتابوں میں تصدیق نہیں ملتی۔ مگر چینی کتابوں میں خصوصاً وہ جو عہدِ مینگ سے متعلق ہیں، ان تعلقات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں۔ مثلاً یہ بیان کہ "مکہ اور ہرموز کے درمیان کی مسافت سمندر میں کوئی چالیس دن کی ہوتی ہے۔ خشکی کا راستہ بھی ہے، مگر ایک سال لگ جاتا ہے۔ شہر مکہ کی طبیعی حالت گرم ملکوں کی طرح ہے، وہاں کے باشندے بال منڈواتے ہیں اور عمامہ پہنتے ہیں اور ان کی عورتیں اپنے بالوں کو ضفائر بنا کر سروں پر لپیٹ دیتی ہیں اور جب وہ باہر نکلتی ہیں تو برقع اوڑھ کر نکلتی ہیں تاکہ اجنبی آنکھ ان پر نہ پڑے۔ زبان ان کی عربی ہے اور شراب ان کے ہاں ممنوع ہے اور مکہ میں ایک معبد ہے جسے کعبہ کہتے ہیں اور مسجد حرام ایک قلعہ کی طرح ہے جس کے ۴۶۶ دروازے ہیں۔ کعبہ کے اوپر پانچ دالان جو خوش بودار درختوں کے ہیں۔ زمین کا فرش عقیق اصفر کا ہے اور اس کی دیواروں پر ہر روز آب گلاب اور کیوڑے چھڑکے جاتے ہیں اور اس واسطے خوش بو ہمیشہ وہاں نکلتی رہتی ہے۔ اس کی عمارت میں ۴۶۷ مرمر کے ستون ہیں[1]۔ جن میں ۹۹ عمارت کے سامنے کی طرف ہیں اور ۱۰۱ پیچھے کی طرف، ۱۳۲ بائیں طرف اور ۱۳۵ داہنی طرف۔ اور کعبہ کے اوپر ہر سال حج کے موسم میں ایک ریشم کا پردہ جو سنہری تاگوں سے مزین ہوتا ہے چڑھایا جاتا ہے۔ اور حج مسلمانوں کی جنتری کے مطابق بارھویں مہینے کے

---

[1] ابن بطوطہ کے مطابق اس وقت اس عمارت میں ۴۹۱ ستون تھے۔

دسویں روز ہوتا ہے۔[1]

مکّہ شریف میں ایک کنواں ہے جسے زمزم کہتے ہیں۔ حجاج جو دُور دُور سے آتے ہیں اس کا پانی پیتے ہیں اور اس سے تبرک چاہتے ہیں۔ یہ وہی شہر ہے جس کی زیارت حاجی جہان نے بادشاہ "صوان تیہ" کے عہدِ حکومت میں کی تھی۔

یہ ۱۴۲۶ء اور ۱۴۳۵ء کے درمیان کا واقعہ تھا۔ حاجی جہان سات سو آدمی لے کر بندرگاہ "چوان چاؤ" سے روانہ ہُوا، اور امیر مکّہ کے لیے مشک، سفالین، چینی ظروف اور ریشم وغیرہ کے تحفے لایا اور ایک سال کے بعد واپس آیا۔ آتے وقت بہت سے جواہرات، کرگدن کے سینگ اور کعبہ شریف کے نقشے لائے۔ اور چینی مصدر کے مطابق امیر مکّہ نے اس کے بعد ایک وفد چین بھیجا۔[2]

تاریخ چین میں نہ صرف مکّہ کے تعلقات کا ذکر ملتا ہے، بلکہ مدینہ کے تعلقات کا بھی۔ تاریخ مینگ میں یہ ذکر آیا ہے کہ مدینہ جو اسلام کا گہوارہ ہے مکّہ سے قریب ہے اور بادشاہ صوان تیہ کے عہد حکومت میں وہاں کے امیر نے اپنے سفیر چین بھیجے اور وہ سفرائے مکّہ کے ساتھ ایک ہی سال پہنچے۔ پھر تعلقات مدینہ اور چین کے درمیان منقطع ہُوئے۔[3]

---

[1] ANCIENT CHIN AS RELETION WITH THE ARABS. P. 309, 311-

[2] BID P. 32

[3] P. 313. 315

ان باتوں کے بعد تاریخ چین، ظہورِ اسلام اور آنحضرت کی زندگی کا ذکر کرنے لگتی ہے، مدینہ میں آنحضرت کیوں کر رہے اور وہاں کے مسلمانوں کی عادات کیسی تھیں۔ چوں کہ یہ تمام باتیں سب کو معلوم ہیں اس لیے یہاں ان کا نقل کرنا چھوڑ دیا۔

مدینہ اور مکہ کے علاوہ جن عربی شہروں کے تعلقات چین کے ساتھ تھے، وہ ظفار، احسار اور عدن تھے۔ مینگ کی تاریخ میں متعدد مواقع پر ان کا ذکر آیا ہے۔ یہ کسی پر مخفی نہیں کہ عدن زمانۂ قدیم سے تجارت کا مرکز رہا اور چینی جہاز کبھی کبھی وہاں سامان لینے کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ اس کے تعلقات چین کے ساتھ بھی عہدِ قدیم سے تھے۔ لیکن عہدِ مینگ میں یہ تعلقات اور ترقی پر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی چینی تاریخ میں عدن کا کافی ذکر آتا ہے۔ اکثر بیاں عدن کی پیداوار کے متعلق آیا ہے اور بعض اقوال اور رواج کے متعلق ان میں سے بعض باتیں درج کی جاتی ہیں جو ان تعلقات کے ثابت کرنے میں ضروری ہیں۔

تاریخ مینگ کے جز ۳۲۶ میں یہ ذکر ہے: "کولم سے مغرب کی طرف جانا بحری راستے سے اگر ہوا موافقت میں ہو تو بیس روز میں عدن پہنچ جاتے ہیں۔ یہ وہی شہر ہے جہاں کے حاکم نے ۱۴۱۶ء میں ایک وفد ہدیے کے بادشاہ چین کے پاس بھیجا اور اس وفد کے ردِّ زیارت کے لیے حاجی جہان بھیجا گیا۔ بعد میں عدن سے اور چار مرتبہ وفود آئے، جن کی خوب تعظیم کی گئی۔ ۱۴۲۰ء میں بادشاہ چین نے دوبارہ حاجی جہان کو حکم دیا کہ جہاز میں بیٹھ کر "مغرب" جائے، کیوں کہ ان علاقوں کے ممالک نے کئی سال سے ہدیہ کا بھیجنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ چناں چہ

حاجی جہان گیا اور مقامات سفر میں سے ایک عدن بھی تھا۔ عدن کے امیر ملک نصر نے ایک سفارت چین بھیجی، اس کے ساتھ عدن کی خاص پیداوار تھیں۔ یہ لوگ پائے تخت چین ۱۴۳۲ء میں وارد ہوئے اور تین سال یہاں رہ کر ۱۴۳۶ء میں واپس ہوئے۔

عدن میں کثرت سے جو اور گیہوں پیدا ہوتے ہیں، وہاں کے لوگ قوی الجسم ہیں۔ اس شہر میں آٹھ ہزار لشکری ہیں، جو پیدل، گھوڑے سوار اور اونٹ سوار پر مشتمل تھے، جن سے ہمسایہ ممالک ڈرتے ہیں۔ امیر و رعایا سب مذہب اسلام کے پابند تھے۔ حاکم عدن چین کا بڑا احترام کرتا تھا یہاں تک کہ وہ اپنے لشکروں کے ساتھ حاجی جہان کے استقبال کے لیے آیا، اس سے خوب ملاقات کی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے امرا اور تجار کو حکم دیا کہ نفائس اور نوادر اپنے خزانے سے نکال کر حاجی جہان کے سامانوں سے مبادلہ کریں۔

ایک چینی امیر جو خاندان چاؤ (CHOW) سے متعلق تھا ۱۴۲۱ء میں عدن پہنچا۔ اس کے بازار میں ایک "عین الہرۃ" [1] ملا جس کا وزن دو مثقال کا ہے، اور ایک شاخ دار مونگا کا درخت جس کی اونچائی دو ہاتھ کی ہے اور بہت سے نوادر جیسے کہ موتی عقیق اور یاقوت [2] مختلف رنگوں کے، زرافہ، شیر، شتر مرغ وغیرہ لے کے واپس آیا۔ دوسرے ممالک میں ایسی عمدہ اور نفیس چیزیں نہیں مل سکتیں۔

عدن کی سرزمین میں مختلف قسم کے پھل، مختلف قسم کے جانور،

---

[1] ایک قسم کی دوا ہوتی ہے
CATSEGE

[2] پہلی مرتبہ چینی ادب میں "یاقوت" کے لفظ کا ذکر ہوا۔

راج ہنس اور سور کے علاوہ سب پائے جاتے ہیں، بازاروں میں کتب فروشوں اور سونے چاندی کے ساز و سامان کی دکانیں بہ کثرت ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ "سی چونگ" (۱۵۲۲-۱۵۶۶ء) سُرخ اور زرد عقیق کی انگوٹھی پسند کرتا تھا، اس نے ایسا عقیق خریدنے کا حکم دیا۔ کسی نے کہا، حضور، یہ تو عدن کی پیداوار خاص ہے، اگر مناسب سمجھے تو شاہان سابق کے نقشِ قدم پر چلیے۔ یعنی خاص سفارت وہاں بھیج کر ان کے حاکم کو کچھ ہدیہ پیش کریں، وہ وہاں سے ضروری عقیق حضور کے لیے خرید کر لائے۔ بادشاہ نے کہا، اچھا! اب بھیجتا ہوں۔"

مذکورہ بالا باتوں سے ثابت ہو سکتا ہے کہ عہدِ مینگ چین و عدن کے تعلقات بہت ہی دوستانہ اور مستحکم تھے۔ چینی مصادر میں مزید تفاصیل موجود ہیں، مگر سب کا نقل کرنا یہاں ضروری نہیں۔ ہاں اتنا اور اشارہ کرتا ہوں کہ اس کے متعلق پروفیسر "چانگ شنلانگ" کی کتاب میں کوئی چھ صفحات حواشی کے ساتھ موجود ہیں جو مزید معلومات چاہتے ہیں، انھیں اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ظفار سے چین کے تعلقات کا ذکر بہت سی چینی کتابوں میں ملتا ہے۔ اس مصدر میں جس میں عدن کا ذکر آیا ہے، ظفار کا ذکر بھی ہے اور اس کے علاوہ دفتر سفارات الممالک الغربیہ اور وانگ مینگ سیفالو یعنی تذکرہ قانون وانگ مینگ میں بھی ہے۔ ان بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ ظفار ایک ایسا ملک ہے جہاں کولم سے کشتی میں اگر ہوا موافقت میں ہو تو دس روز میں پہنچتے ہیں۔ ظفار کے امیر نے ۱۴۲۱ء میں احسار اور عدن کے وفود کے ساتھ اپنا وفد بھی چین بھیجا اور اس کے رڈ زیار

کے لیے حاجی جہان مامور ہوا۔ ۱۴۲۳ء میں دوبارہ وہاں سے وفد آیا۔ اور تیسری مرتبہ صاحب ظفار نے ۱۴۳۳ء میں وفد بھیجا اور وہ چین میں تین سال تک مقیم رہا، اور ۱۴۳۶ء میں انعام و اکرام دے کر رخصت کیا گیا اور اس کے توسط سے امیر ظفار کو بھی ہدیہ بھیجا گیا۔

اس کے بعد بلاد ظفار کے وصف میں یہ آیا کہ اس کے مشرق اور جنوب میں دریا اور مغرب اور شمال میں کوہستان ہے۔ اس کی آب و ہوا فُصول اربعہ میں چین کے موسم کے مقابلے میں اگست اور ستمبر کی طرح ہے۔ مختلف قسم کے غلّے، پھل اور جانور پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے بڑے قوی اور بہادر ہوتے ہیں۔ امیر اور رعایا مذہب اسلام کے معتقد ہیں۔ ملک میں کثرت سے مساجد ہیں۔ جمعہ کے دن تعطیل ہوتی ہے اور بازار بند رہتے ہیں۔ چھوٹے بڑے نہا کر نئے کپڑے بدل لیتے ہیں اور خوش بو لگا کر مسجد جاتے ہیں۔ دیگر ایام میں چینی تجار سے کندر، قاطر اور کافور اور دیگر سامانوں کا مبادلہ ہوتا ہے۔ ان کے وہاں شتر مرغ ہے، شکل تو طاؤس کی طرح ہے مگر پانو چار فٹ اونچا ہے۔ پر کی رنگت اونٹ کے بال کی رنگت کی طرح ہے اور اسی طرح چال ہے، اور کبھی بادشاہ چین کے پاس تحفۃً آتے ہیں[1]

چینی مصادر سے یہ پتا چلتا ہے کہ احسا بھی ان عمارات عربیہ میں داخل تھا جن کے تعلقات چین کے ساتھ "عہد مینگ" میں رہے۔ ان سنین میں عدن اور ظفار کے وفود آئے تھے، احسا کے وفد بھی پہنچے۔ تاریخ مینگ کے جز ۳۲۶ میں۔ ان تعلقات کے بارے میں یوں آیا ہے:

---

[1] تاریخ "مینگ" فصل: ممالک اجنبیہ۔

"کولم سے بلاد احسا بیس روز میں کشتی پہنچ جاتی ہے۔ ۱۶۱۲ء میں اس کا پہلا وفد چین آیا اور بازدید کے لیے بادشاہ چین نے حاجی جہان کو بھیجا۔ پھر بعد میں تین سفارات آئے اور حاجی جہان کو دوبارہ وہاں جانا پڑا۔ بعد میں سفارات کی آمد و رفت منقطع ہو گئی۔ یہ ملک سمندر کے کنارے واقع ہے، آب و ہوا گرم اور زمین بنجر ہوتی ہے اور زراعت کے قابل نہیں۔ بارش بہت ہی کم ہوتی ہے۔ اس میں سبزیاں نہیں پائی جاتیں۔ مگر کندر، کافور، اونٹ اور بکری کی کثرت ہے وہاں کے لوگ عموماً ماہی گیر ہوتے ہیں۔ اس کے امیر نے پہلے چین کے حالات سنے اور بادشاہ کی خوبی اور شہرت بھی۔ اور ایک وفد ہدیہ لے کے وہاں بھیج دیا۔ احسا میں جو تجارتی سامان ہے وہ عموماً سونے چاندی، مرچ، خوش بودار لکڑیاں ہیں، جن سے وہاں کے تجار چین کے ریشم، سفالین، برتن، چاول اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا مبادلہ کرتے ہیں"[۱]

چین اور افریقیہ کے تعلقات تیرھویں صدی کے نصف سے شروع ہو چکے تھے، جس وقت مملکت چین آلِ قبلائی خاں کے ہاتھ سے نہیں نکلی تھی۔ وہ ملک جو چین سے اس زمانے میں گہرا تعلق پیدا کر چکا تھا وہ مصر ہی تھا، جس پر سلاطین ممالک کی حکومت تھی۔ ان تعلقات کے ثبوت میں بہت سی تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ قاہرہ کے عربک میوزیم میں کئی ریشم کے ٹکڑے محفوظ ہیں، جن پر ۲۲۲۵، ۶۲۲۶ اور ۶۲۲۷ کا نمبر لگا ہوا ہے۔ ان سے اس بات کی شہادت

---

[۱] ANCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS. P. 328

مل سکتی ہے کہ چین سے سلاطین ممالیک کے تعلقات تھے۔ ان میں نہ
صرف چین کا اسلوب فنی، بلکہ چینی حروف بھی ان میں بنائے گئے ہیں۔
ان صنعتی آثار کو دیکھ کر ہم یہ ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ یہ مصر کے
تیار کردہ تھے اور چین کی صنعتی ڈیزائن (DESIGN) اس میں نقل
کی گئی۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا، تو اس وقت ایسی صنعت کے اور بہت
سے نمونے ملتے۔ قلت نمونہ کی وجہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ
ریشم یا تو ترکستان کے بنائے ہوئے ہیں یا چین کے۔ وہاں کے امرائے
مغول نے سلطان قلاوون کے ہدیہ کے لیے خاص طور پر بنوائے
ہوں گے جس کے نام اور القاب ان ریشم کے ٹکڑوں میں موجود ہیں۔
کیوں کہ ریشم ہی وہ اہم تحفہ تھا جو چین سے غیر ممالک کے سلاطین کے
پاس بھیجا جاتا تھا۔ جیسا کہ کسی سابق فصل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی
بنا پر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ چین کے مغول امرا نے سلطان قلاوون
کے تحفہ کے لیے ایسا خاص ریشم تیار کرنے کا حکم دیا۔ جس میں عربی القاب
کے ساتھ، چینی حروف اور فنی اسلوب بھی ہو۔ اس ٹکڑے میں جو ۲۲۲۶
کے نمبر سے قاہرہ کے عربک میوزیم میں محفوظ ہے، چینی جاموں کے
اندر "ناصر الدین والدنیا محمد قلاوون" اور "عز المولانا السلطان الملک
الناصر" کی عربی عبارات موجود ہیں۔ ایسی صنعت مصر کی نہیں ہو سکتی۔
کیوں کہ تھوڑی دیر کے لیے اگر ہم نے یہ مان لیا کہ چینی جاموں کی نقل
مصر میں تو ہو سکتی ہے، تب بھی ہمارے پاس ایک اور قوی دلیل ہے،
یہ وہ چینی حروف ہیں جو ریشم پر بنائے گئے ہیں۔ عربک میوزیم میں
ان حروف کو نہ پہچاننے کی وجہ سے خط کوفی سمجھا گیا۔ حقیقت میں

۲۲۲۵ نمبر والے ٹکڑے میں ایک چینی حرف ہے جس سے مراد "سعادت" ہے اور ۲۲۲۷ میں دوسرا حرف ہے، جس سے مراد "عمر دوام" ہے۔ یہ قدیم طرز کی لکھائی ہے، جو خط کوفی سے بہت مشابہ ہے، اور اس وجہ سے میوزیم کے افسر بھی غلطی میں پڑ گئے۔

ان کے علاوہ عربک میوزیم میں چار بڑے سفید چینی کے ظروف ہیں جن کو انگریزی میں سلاڈون (CALADON) کہتے ہیں، ان سے بھی انھی تعلقات کی شہادتیں ملتی ہیں کیوں کہ یہ عہدِ تانگ (TANG) کی صناعت ہے جو قاہرہ کی جامع سلطان حسن میں پائی گئی اور اب ۱۲ نمبر کے ہال کی ایک الماری میں محفوظ ہے۔ ان کے نمبر ۱۰۳۹ سے ۱۰۴۲ تک ہیں۔

حقیقت یہ تھی کہ مصر کے سلاطین ممالیک سے چین کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات رہے، یہاں تک کہ اس کے دربار میں چینی امرا پلے جاتے تھے۔ اس کے متعلق پروفیسر بلوشہ نے اپنی اور ایک تصنیف "اسلامی مصوری" میں یوں بیان کیا ہے:-

IN THE 14TH CENTURY IN EGYPT AT THE COURTS OF THE MUMLUKE OF CAIRO, A MANCHU GENERAL KHITAI BY ORIGIN COULD WRITE AN EXCELLENT AND RCMARKABLE HISTORY IN A STYLE OF GREAT REFINEMENT[a]

---

[a] BLOCHER MUSALMAN PAINTING. P. 73

اگر چینی مصادر میں تلاش کریں تو ان تعلقات کا ذکر بھی ملے گا۔ تاریخ مینگ کے جز ۲۳۲ میں یہ بیان ہے کہ مملکت مصر عہد "یونلوی" (۱۴۰۳-۱۴۲۴ء) میں اپنے سفرا چین بھیجتی تھی اور سرزمین چین کی ہر منزل پر اس کا بڑا استقبال کیا جاتا تھا۔ اور وہ سفارت جو ۱۴۴۱ء میں آئی وہ سلطان اشرف برسبائی نے بھیجی تھی۔ یہ اس زمانے میں مصر اور شام کا حکمراں تھا۔ اور بادشاہ "اینگ چونگ" نے اس کو ہر قسم کے ریشم کے تحفے بھیجے، جن میں بعض "شالو" کہلاتے ہیں اور بعض "بالو"۔ بلکہ مصر کے امرا اور شہزادیوں کو بھی علاحدہ علاحدہ تحفے بھیجے گئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مرسل الیہ کے درجے کے لحاظ سے تحفوں کے درجات بھی مختلف تھے۔[۵۱]

مصر کے علاوہ شرق افریقیہ کی دیگر عربی امارات سے بھی چین کا تعلق رہا۔ مثلاً مقدشو، اور براوہ (BARAWA) اور الجب (GUBB) مقدشو کے متعلق چینی تاریخ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ ملک مقدشو (MAKDASHAU) اور سومالی وغیرہ نے ۱۴۱۶ء میں اپنے سفرا چین بھیجے اور بازدید کے لیے حاجی جہان بادشاہ چین کے حکم سے وہاں گئے۔ ان کے وفود دوبارہ آئے اور دوسری مرتبہ حاجی جہان کو وہاں جانا پڑا۔ تیسری دفعہ ان کے سفرا ۱۴۲۶ء میں آئے۔ ان کو اکرام اور انعام سے رخصت کرنے کے علاوہ مقدشو اور سومالی وغیرہ کے حکام کے پاس ہدیے بھیجے گئے۔

---

۵۱ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیان میں کچھ تاریخی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ کیوں کہ اشرف برسبائی کا انتقال ۱۴۳۸ء میں ہو چکا تھا۔ مگر یہ احتمال ہے کہ اس کی وفات سے قبل سفیر مصر سے روانہ ہو گیا ہو گا اور ۱۴۴۱ء میں پہنچا ہو گا۔

ملک مقدشو کے سامنے سمندر ہے، پیچھے کوہستان، بارش اور زراعت کی کمی ہے۔ وہاں کے لوگ بڑے بہادر ہیں، تیراندازی اور گھوڑے کی سواری کے دلدادہ ہیں اور اپنے پالتو جانوروں کو مچھلی کھلاتے ہیں۔ ان کے اغنیا کے پاس تجارتی کشتیاں ہیں جن سے دور ممالک جاکر تجارت کرتے ہیں۔ وہاں کی خاص پیداوار اونٹ، بکری، گھوڑے گائے، کافور اور کندر ہیں، وہ سونے چاندی، خوش بودار لکڑیاں، چینی ظروف اور چاول کی تجارت بھی کرتے ہیں ان کے امرا تعارف اور تعاون پسند ہیں اور وہ بادشاہ چین کے پاس بھی اپنے تحفے بھیجتے ہیں[1]

براوہ مقدشو کے قریب ایک ملک ہے۔ وہاں سے ۱۴۱۶ - ۱۴۲۶ء کے درمیان چار سفارات آئے اور باز دید کے لیے بادشاہ چین نے حاجی جہان کو وہاں بھیجا اور حاجی جہان کا آخر سفر براوہ تک ۱۴۳۰ء میں ہوا۔

ملک "سومالی" اور "الجب" سے جو سفارات آئے وہ بھی اسی زمانے میں تھے چوں کہ حاجی جہان ان ممالک میں کثرت سے آتے جاتے تھے۔ اس لیے ان سفارات کے باز دید کے لیے بھی ان کو بھیجا گیا۔

. . . .

ان وجوہ کی بنا پر ہمارا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ حاجی جہان سب سے بڑا مسلم جہازراں تھا جسے چین نے پیدا کیا اور سب سے بڑا سفیر تھا جسے چین ممالک اسلامیہ میں وقتاً فوقتاً بھیجتا تھا۔ حاجی جہان کے بعد تا وقت حاضر چین و عرب کے تعلقات منقطع رہے اور اب تک بھی باقاعدہ نہیں جوڑے گئے۔

---

[1] ANCIENT CHINAS RELATION WITH AFRICA P.P. 221-222



باب ہفتم

صناعتی اور فنی تعلقات

یہ آسان کام نہیں کہ اس موضوع میں ہم ایسی معلومات پیش کرسکیں جن سے ہر قاری قانع ہو جائے۔ کیوں کہ وہ مصادر جن سے ہم اس موضوع کے لیے کچھ اقتباس کرسکیں یا ان کی طرف رجوع ہوسکیں، بہت ہی کم ہیں اور بسا اوقات ہوتا ہو کہ جن کتابوں میں چین وعرب کے تعلقات کا ذکر آتا ہو، ان میں اس موضوع کی طرف سوائے خفیف اشارے کے اور کچھ نہیں ملتا۔ بہر حال میں اپنا علمی فرض سمجھ کر اس موضوع کے متعلق جہاں تک ہوسکے، مواد جمع کرنے کی کوشش کروں گا۔

صناعتی تعلقات سے میری مراد وہ صناعات ہیں جن کی اصلیت چین سے تھی، اور ممالک اسلامیہ میں ان کا رواج ہوا، یا عرب سے تھی اور چین میں مروج ہوگئی اور یہ بحث ان چیزوں پر بھی ہوگی جو چین میں بنتی تھیں، مگر اسلام کا اثر ان میں پایا جاتا ہو اور یا جو ممالک اسلامیہ میں تیار ہوئی تھیں مگر چین کا اثر ان میں نمایاں ہو۔

صناعتی تعلقات کے مباحث میں کاغذ اور بارود، چینی ظروف خزف، منسوجات اور کانسی آجاتے ہیں۔ کیوں کہ کاغذ چین کی ایجادات

میں سے ہے، اور بعد میں ممالک اسلامیہ میں رواج پایا، اور بارود غالباً عربوں کی ایجاد ہے، اسے چینیوں نے سیکھ لیا۔ ممالک اسلامیہ میں بہت سے ایسے چینی ظروف اور خزف پائے گئے جن پر صناعتِ چین کا اثر نمایاں ہے اور بعض اسلامی پارچے بھی چینی طرز پر بنائے گئے اور چین میں بعض ایسے برتن پائے گئے ہیں جن پر اسلام کا اثر صاف نظر آتا ہے۔

فنی تعلقات سے مراد مصوری اور نقش نگاری ہے۔ موسیقی وغیرہ فنون میں نہ کوئی چینی اثر نظر آتا ہے اور نہ چین میں کوئی عربی یا اسلامی اثر۔ البتہ فن عمارت میں خفیف سا اثر ہے جو چین کی مساجد کی محرابوں میں اور جامع کانتون کے مینارے میں پایا گیا اور اس کتاب کے شروع میں ایک تصویر ہے جو جامع "چوان چاؤ" کی ہے۔ اس میں چینی اور عربی طرز کا امتزاج نظر آتا ہے۔ مگر وہ کسی خاص توجہ کے قابل نہیں، اور اگر کوئی اس اثر کی حد معلوم کرنا چاہتا ہے تو پروفیسر "سلادین" کی کتاب میں دیکھ سکتا ہے۔[۱]

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم صناعتی تعلقات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پہلی چیز جس پر ہم کو بحث کرنی ہے وہ کاغذ ہے۔ یہ بلا شک و شبہ چین کی ایجاد ہے اور عربوں نے اسے سمرقند جاکر سیکھا اور بعد میں ممالک اسلامیہ نے ترویج کی اور عرب کے توسط سے یورپ پہنچا۔

تاریخی شہادت کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صنعت کا رواج ممالک اسلامیہ میں یوں شروع ہوا کہ عرب جیسا کہ آپ سیاسی تعلقات کے باب میں پڑھ چکے ہیں، ان چینی سپاہیوں سے برسرِ پیکار

---

[۱] SEE RALADIN MANUEL D'ART MUSSALMAN I.R. 582

ہوئے جو ترکی امرا اور خاص کر فرغانہ اور سمرقند کے آل اخشید کی مدد کے لیے آئے تھے اور ان کو شکست دے کر ایک بڑی تعداد کو قید کرلیا۔

استاد ثعالبی اپنے لطائف المعارف میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ چینی سپاہی جو زیاد بن صالح کے ہاتھ میں اسیر ہوئے تھے، انھوں نے عربوں کو سمرقند میں کاغذ کی صناعت سکھا دی اور یہ ۷۵۰ء کا واقعہ تھا

مگر گستاف لی بان کا جو "تمدن عرب" کا مولف ہے یہ اعتقاد ہے کہ سمرقند میں عربوں کے فتح سے پہلے کاغذ کا کارخانہ موجود تھا۔ وہ کہتا ہے: بہت ہی قدیم زمانے سے چینی ایک قسم کا کاغذ ریشمی کپڑے کے خول سے بناتے تھے۔ یہ ایجاد اوائل ہجری میں چین سے سمرقند آئی اور جب عربوں نے اس شہر کو فتح کرلیا تو وہاں کاغذ کا کارخانہ پایا۔[1] گستاف لی بان کی رائے سے استاد برتھولد لوفر متفق ہیں۔ یہ ایک مشہور امریکی مولف، اور علوم چین کے خاص ماہر ہیں۔ وہ اپنی کتاب "سینو ایرانیکا" میں لکھتے ہیں کہ کاغذ کی صنعت چین ۶۵۰ء میں پہلی دفعہ لائی گئی، پھر دوبارہ ۷۰۷ء میں۔ چینی کاغذ آل سامان کے زمانے میں ایرانیوں کو معلوم تھا۔ الا یہ کہ یہ نادر شی سمجھا جاتا تھا، اور صرف سرکاری اور امیرانہ رسائل کے لیے مہیا ہوتا تھا۔ لیکن عام روایت یہ ہے کہ یہ صنعت ۷۵۱ء میں سمرقند میں آئی، اور یہ چینی قیدیوں کے توسط سے ہوا۔ اور ۸۳۷ء (۲۲۲ھ) میں مکہ شریف منتقل ہوئی۔[2]

---

[1] تمدن عرب، ترجمہ بلگرامی، صد ۴۴۲

[2] SINO IRANICA

معلوم ہوتا ہو کہ یہ "عام روایت" ثعالبی کے لطائف المعارف اور جوینی کے المسالک والممالک کے بیان پر مبنی تھی۔ مگر دیگر محققین کے اقوال سے استاد لوفر کی رائے کی تائید ہوتی ہو۔ مثلاً "گیبون" اپنی کتاب "انحطاط سلطنت الروم اور اس کے زوال" میں یوں لکھتا ہو "سمرقند کے متعلق، کاسیری (CACIRI) کی روایت سے ایک عجیب بیان SIBLIOLTICA ARABIA HISPAUO) (TONE . P. 208. H.C میں ملتا ہو کہ کاغذ کی صنعت چین سے سنہ ۳۰ھ = سنہ ۶۵۰ء میں لائی گئی۔ پھر سنہ ۸۸ھ = سنہ ۷۰۷ء میں مکہ میں منتقل ہوئی۔ اس کوریال لبریری میں کاغذوں کا ایک مجموعہ ہو۔ جو چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے بنائے ہوئے تھے۔[۵۱]

گیبون کی اس بات سے قارئین تعجب نہ کریں کہ کاغذ کی صنعت سنہ ۸۸ھ = سنہ ۷۰۷ء میں مکہ پہنچ گئی، کیوں کہ عربوں کا سیاسی نفوذ بنی امیہ کے زمانے میں ماوراءالنہر تک پہنچ چکا تھا اور یہ ثابت ہو چکا ہو کہ یہ صنعت سنہ ۳۰ھ میں چین سے سمرقند آئی۔ اس بنا پر یہ احتمال ہو سکتا ہو کہ کوئی ۵۸ سال کے بعد یہ مکہ میں بھی منتقل ہوئی۔ مگر ہم کو استاد کرد علی[۵۲] کے قول سے سخت تعجب ہوا۔ وہ یہ دعوا کرتا ہو کہ عرب سمرقند میں سنہ ۶۵۰ء = سنہ ۳۰ھ میں کاغذ بناتے تھے؛ بعض مصادر میں یہ ذکر آیا ہو کہ کاغذ کی صنعت چین سے سنہ ۳۰ھ = سنہ ۶۵۰ء میں آئی۔ لیکن

---

[۵۱] GIBHON WARD LUCK EDITION. II. P. 480

[۵۲] شام کا وزیر معارف تھا، حال میں ایک کتاب دو حصوں میں "حضارۃ العرب" کے نام سے شائع کی۔

اس کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہو کہ اس سال سے عربوں نے اس کا بنانا بھی شروع کر دیا۔ کیوں کہ سمرقند ولید بن عبدالملک کے آخر عہد میں فتح ہوا، یعنی کوئی ۵۵ سال کے بعد۔ اور عربوں کا سیکھنا اس وقت شروع ہو سکتا ہو جب کہ انھوں نے سمرقند کو فتح کیا جو قتیبہ بن مسلم کے ہاتھ سے ۹۴ھ میں ہوا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ صنعت، واقعہ "تالاسی" سے کوئی ۵۰ سال پہلے مسلمانوں کے علم میں آ چکی تھی۔ اس نقطے پر "لیگیسی آف اسلام" کا مصنف اور استاد لوفر متفق ہیں۔ مگرچوں کہ عربی مصادر میں اس کی کوئی تصدیق نہیں ملی اور جو کچھ "لطائف المعارف" اور جوینی کے "المسالک والممالک" میں ہو۔ ہم کو ۴۵ سال اور پیچھے لے آتا ہو، اس لیے ہم استاد ثعالبی کے قول کو غیروں کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس بنا پر کہ اس کے بیان میں ایک اہم تاریخی واقعہ کا ذکر آیا ہو اور یہ واقعہ تالاس تھا (۷۵۰) اور اس بنا پر کہ چینی مصدر استاد ثعالبی کے قول سے بالکل اتفاق کرتا ہو۔

جہاں تک اس صنعت کے موجد کا تعلق ہو، مشہور روایت کے مطابق اس کا نام زائی لون (TSAI LUN) تھا، اور یہ شہر ہانگ چاؤ (HAUG CHOW) کا رہنے والا تھا، جس کی پیدائش پہلی صدی عیسوی میں ہوئی۔ یہ شہر توت کے درختوں سے مشہور تھا، اور چین میں جو کاغذ بنائے جاتے تھے، اسی درخت کے چھلکوں سے۔ کاغذ کی صنعت ایجاد ہوتے ہی چین کے بڑے بڑے شہروں میں پھیل گئی اور اہلِ چین کو اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ تجّار کے ذریعے

سے کاشغر اور ختن پہنچی اور بعد میں سمرقند اور بخارا میں بھی آگئی۔ اور جتنا زمانہ گزرتا گیا اور ایشا وسطی کے میدان میں چین و عرب کی سیاسی کشمکش ہوئی، تو یہ صنعت عربوں کے ہاتھ میں منتقل ہوئی، چوں کہ ساتویں صدی اور بعد میں عربوں کی قوت غرناطہ سے کاشغر تک پھیل چکی تھی اس لیے اس قوت کی سرپرستی میں یہ صنعت پہلے ممالک اسلامیہ میں مروج ہوئی اور بعد میں یورپ تک پہنچی۔ صحیح قول کے مطابق عربوں نے ۷۵۱ء میں چینیوں سے سمرقند میں سیکھی، مگر اس کی سرعت اشاعت دیکھیے کہ ۷۹۴ء (۱۷۸ھ) میں بغداد میں اس کا رواج ہوا۔ وہاں ایک خاص بازار تھا جو کاغذ کی صنعت اور تجارت کے واسطے مخصوص تھا۔ پاریس کے میوزیم میں کاغذ کے بعض نمونے محفوظ ہیں جو دوسری صدی ہجری کے بغداد میں بنائے گئے اور جن پر عربی عبارات موجود ہیں۔

اس میوزیم میں ایک کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ ریاضی مسائل لکھے ہوئے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ۹۷۰ء میں شیراز کا ساختہ ہے۔ لندن کے میوزیم میں بھی ان کاغذوں کے کچھ نمونے موجود ہیں۔[۵۱]

زرِ کاغذ یا بنک نوٹ:۔ جن کا کاغذ ایک دوسری صورت میں مسلمانوں کے علم میں آیا۔ یعنی کاغذی زر یا موجودہ اصلاح کے مطابق بنک نوٹ کی صورت میں۔ یہ مسلّم بات ہے کہ جس قوم نے زرِ کاغذ کو ایجاد کیا وہ چینی قوم تھی، اور بعد میں مغول نے ایران میں ۱۲۹۴ء میں رائج کیا اور وہ کاغذی زر جو ایران میں بنائے جاتے

---

۵۱ سالنامہ کابل، ۱۹۳۳، ص ۲۹۱

تھے بالکل اس شکل کے تھے جیسے قبلائی خاں نے چین میں بنائے تھے حتیٰ کہ ان پر چینی حروف بھی چھپے رہتے تھے جن سے مالیت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ طریقہ جس سے اہلِ چین زر کاغذ چھپواتے تھے پہلی مرتبہ ۱۲۹۴ء میں بہ مقام شیراز نوٹوں کے چھپوانے میں مستعمل ہوا۔

تیرھویں صدی کے اہلِ یورپ کو بھی اس بات کا علم ہوا۔ مارکوپولو نے جب کہ وہ خانبالق میں تھا، اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ قبلائی خاں حکم دیتا تھا کہ شجر توت کے چھلکے سے کاغذ بنا کے خاص خاص شکلوں میں کاٹ کر چھپوایا جائے۔ یہی زر کاغذ اس وقت چین کے بازار میں مروج تھے، اور خرید و فروخت میں چاندی سونے کا کام دیتے تھے۔ ابن بطوطہ کے مطابق اہلِ چین اس زمانے میں اپنے خرید و فروخت میں دینار اور درہم استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کی بجائے کاغذ کے ٹکڑے استعمال کرتے تھے اور ہر ایک ٹکڑا ہتھیلی کے برابر ہوتا تھا جس کے اوپر بادشاہ کی مہر اور مالی قیمت چھپے ہوتے تھے۔ ۲۵ ٹکڑے ایک "بالشت" یعنی ایک دینار عربی کے برابر ہوتے تھے اور جب کہ استعمال کرتے کرتے پھٹ جاتے، تو سکہ خانہ جا کر بدلے میں ایک نیا مل جاتا اور یہ کاغذ پیسے جو ابن بطوطہ کی زبان میں "دراہم الکاغذ" کہلاتے ہیں۔ تجار کے نزدیک چاندی سونے سے زیادہ معتبر تھے۔ وہ خرید اور فروخت میں چاندی سونے کو چھوڑ کر صرف یہ "دراہم الکاغذ" قبول کر لیتے تھے [1]

ابن بطوطہ کے علاوہ دیگر علمائے اسلام کو بھی ان کاغذ پیسوں

---

[1] ابن بطوطہ، ص

کا علم تھا۔ مثلاً احمد شہاب الدین نے جس کا انتقال ۱۳۳۸ء میں قاہرہ میں ہُوا، اپنے جغرافیہ میں ان دراہم الکاغذ کا ذکر کیا ہے، مقابلہ کرنے سے معلوم ہُوا کہ اس کا بیان ابن بطوطہ کے بیان سے زیادہ مختلف نہیں[۱] اور تاج الدین حسن ابن خلال السمرقندی نے بھی بیان کیا ہے کہ اس نے چین میں ایک قسم کے کاغذ کے پیسے دیکھے جن کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ ایک درہم سے، ۴۰، ۵۰، اور ۱۰۰ تک، اس امر کی سب سے قوی شہادت کہ کاغذ چینیوں کی ایجاد ہے، یہ ہے کہ لفظ "کاغذ" جو اس وقت فارسی اور عربی میں بھی مروّج ہے، وہ ایک چینی لفظ کا بگاڑ ہے۔ جس کا ضروری بیان "نتائج" کے بیان میں آئے گا

بارود:۔ علمائے یورپ کا خیال ہے کہ بارُود جو ایک قسم کا سفوف نمک کبریت کوئلہ وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، چینیوں کی ایجاد ہے۔ مگر چین کے مورخین اس فضل سے انکار کرتے ہیں۔ اس بنا پر کہ تاریخ چین میں اس خیال کے خلاف ذکر آیا۔ چین میں ایام قدیم سے ایک چیز جسے آتش بازی کہتے تھے، بارُود نہ تھی، یہ رنج و غم کے محافل اور مراسم پر چھوڑتے تھے۔ اس آگ لگ جانے سے ایک ایسی آواز نکلتی تھی جیسی اس زمانے میں یورپ کی آتش بازی کی آواز۔

اصل بات یہ تھی کہ بانس چین میں کثرت سے ہوتا ہے، وہاں کے باشندے بانس دیگر خانگی خدمات لینے کے علاوہ کوئلہ یا لکڑی کے بجائے کھانا پکانے کے لیے بھی جلاتے تھے۔ چوں کہ بانس میں گرہیں[۱] ہوتی ہیں، اس لیے اس میں آگ لگ جانے سے ایسی زور کی آواز

---

[۱] SINE IRANICA. P. 564

نکل آتی ہے جیسے گولہ پھٹنے سے۔ اور اس کے زور سے اینٹ کے بنائے ہوئے چولھے ہل جاتے تھے۔ اسی سے غور کرتے کرتے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کوئی چیز اگر اس کے درمیان خالی ہو اور دونوں طرف مسدود ہو، ایسی حالت میں آگ لگ جانے سے ضرور آواز دے گی۔ چناں چہ اس اصول پر چینیوں نے یہ پٹاخے بنانے شروع کیے۔ مگر وہ جنگ و قتال میں بارود کی طرح کام نہیں دیتا تھا۔ کہاں یہ اور کہاں وہ، زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس سے سوائے خوشی و غم کے مراسم میں اور کوئی کام نہ تھا۔ بارود سے تو سر جسم سے اُڑ جاتا ہے۔

اس چیز کا علم اہلِ چین کو مغول کے توسط سے اوائل تیرھویں صدی میں ہوا۔ اس سے قطع نظر کہ اس کا موجد کون تھا، کن قوموں سے تھا، وہ عرب تھا یا غیر عرب، اس سے بھی قطع نظر کہ لفظ 'بارود' ترکی ہے یا فارسی اور اس سے بھی قطع نظر کہ یہ لفظ کیوں کر عربی ڈکشنری میں داخل ہوا اور کس زمانے میں ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بارود کا استعمال مغولوں میں اس وقت سے ہونے لگا جب کہ ان میں اور عرب میں سیاسی اتصال ہوا اور ان سے اس کا استعمال سیکھا چینی مصادر میں اس نقطے کے متعلق کافی شہادتیں مل سکتی ہیں۔ مندرجہ واقعات پر غور کریں۔

تاریخ سونگ (SUNG) میں توپ اور بارود کے متعلق کافی تفاصیل ہیں جن کو مغول دارالسلطنت شرقیہ یعنی "کائی فانگ" (KAI FANG) کے حملہ کرنے میں استعمال کرتے تھے اور یہ اوائل تیرھویں صدی عیسوی کا واقعہ تھا ان تفاصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مغول

نے منجنیق اور توپ قلعہ "لونگ ٹہ" (LONG TEH) پر حملہ کرنے میں استعمال کیا۔ یہ خاندان کین (KIN) کا ایک زبردست قلعہ تھا جسے مغول نے فتح کیا۔ وہ اس حملے میں پہاڑوں سے پتھر نکالتے تھے اور ان کو کاٹ کر منجنیقوں میں بھرواتے تھے۔ اس قلعے کی فصیل پر سو سے زیادہ برجیاں تھیں اور ہر ایک برجی پر ایک پتھر کی توپ یعنی منجنیق رکھ دی گئی۔ جس کے ذریعے پتھروں کے ٹکڑے شہر کے اندر پھینکے جاتے تھے منجنیقوں سے اس قدر پتھروں کی بارش ہوئی کہ شہر کے بازار اُن کے ٹکڑوں سے بھر گئے اور بے شمار مکانات ان کی ضربات سے چور چور ہو گئے۔ وہ لوگ جو قلعہ کے اندر تھے، دفاع کے لیے گائے اور بھینس کے چمڑوں سے کام لینے لگے۔ یعنی انھوں نے سوکھے ہوئے چمڑوں کو خیموں کی طرح مکانات کی دیواروں پر پھیلایا کہ پتھروں کی ضرب روک لیں۔ لیکن مغولوں نے ان چمڑوں کے پردوں کو فنا کرنے کے لیے توپ آتش سے کام لیا۔ اور جب اس کے شرارے ان پر پڑتے تو فوراً آگ لگ جاتی اور ان چمڑوں کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔

مغول لوگ بسا اوقات اپنے لشکر گاہوں کے ارد گرد ایسی لمبی دیواریں بنا لیتے تھے جو پچاس میل تک پھیلتیں اور ان پر برج بنا کر سپاہی ان میں پناہ لیتے تھے اور ان دیواروں کے نیچے ایسی خندق کھودی جاتی تھی جو دس ہاتھ سے زیادہ گہری ہوتی۔ پھر ہر چالیس قدم کی دوری پر ایک توپ آتش نصب کی جاتی جسے "صاعقہ" کہتے تھے۔ اس میں ایک لوہے کا آلہ تھا جس میں بارود رکھا جاتا تھا اور آگ سے پھٹ جاتا تھا اور تیس میل کے باہر تک اس کی آواز سنی جاتی، اور جو شخص چار

ایکڑ رقبہ کے اندر ہوتا تو خطرے سے بچنا مشکل ہوتا اور مغول کے پاس بندوق بھی تھی جس سے آگ پھینکی جاتی تھی اور جو دس قدم کے اندر ہوتا جلایا جاتا اور لوگ نزدیک جانے سے بہت ڈرتے تھے۔"

اس تاریخی واقعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ مغول چین کے دارالسلطنت شرقیہ پر حملہ کرنے میں منجنیق اور توپ آتش دونوں استعمال کرتے تھے۔ یہ تو معلوم ہے کہ معاویہ نے جب کہ قسطنطنیہ کا محاصرہ ۴۸ھ میں کیا۔ منجنیق سے کام لیا، اور حجاج بن یوسف نے بھی ایسا کیا جب کہ وہ مکہ کا محاصرہ کر کے ۷۳ھ میں عبداللہ بن زبیر سے لڑ رہا تھا۔ ان باتوں کی بنا پر ہمارا یہ کہنا غالباً غلط نہ ہوگا کہ مغول نے منجنیق کا استعمال بالواسطہ یا بلاواسطہ عربوں سے سیکھا۔ اور رشیدالدین فضل اللہ کے مطابق، مغول نے جب کہ "سیانگ یانگ فو (SIANG YANG FU) کا محاصرہ کیا تو عرصے تک اسے فتح نہیں کر سکے۔ کیوں کہ یہ بہت ہی مستحکم اور نہایت مضبوطی سے حفاظت کیا ہوا قلعہ تھا، آخر بعلبک اور دمشق سے منجنیقوں کے انجنیر طلب کیے اور وہاں سے جو اس کام کے لیے آئے، ابوبکر، ابراہیم، محمد وغیرہ تھے۔ انھوں نے "سیانگ یانگ فو" آکر مغول کے لیے سات منجنیقیں تیار کیے جن کی مدد سے یہ قلعہ فتح ہو گیا۔[1]

توپ آتش جس کو گولے کے پھینکنے میں بارود کی ضرورت ہے چینی مصادر سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد ہے، البتہ یہ ثبوت کی محتاج ہے کہ آیا یہ مسلمان عرب سے تھے۔ مگر میرے نزدیک عربوں کا احتمال زیادہ ہے۔

---

[1] جامع التواریخ، در حکایت احمد بناکیتی۔

چین کی متعدد کتابوں میں یہ ذکر آیا ہے کہ مغول نے جب کہ "سیانگ یانگ فو" کا محاصرہ کیا، تو مسلمانی توپ سے جسے چینی زبان میں "ہُوی ہُوی پھو" کہتے ہیں، کام لیتے رہے۔ "یوان تیہ" یعنی تاریخ مغول میں ایک خاص باب ہے جس میں جنرل علی یحییٰ اویغوری کے متعلق ذکر آیا ہے کہ یہ قائد اعلا تھا جس کو قبلائی خاں نے "سیانگ یانگ فو" کے فتح کرنے کو بھیجا تھا۔ ان کے لشکر میں ایک مسلم تھا، اسماعیل نامی۔ تفنگ بنانا جانتا تھا۔ جنرل مذکور کے لیے کئی تفنگ بنائے اور ان کے ذریعے شہر فتح ہوا۔

تاریخ مغول میں قبلائی خاں کے ذکر میں یہ آیا ہے کہ ایک قائد جو "لانگ کیا" (LONG KIA) کے نام سے معروف تھا اس نے تفنگ اور توپ آتش کے تمام صناعوں کو صوبہ خوئی (KHUI) میں بلایا، جہاں چھ سو مسلمان، مغول اور چینی جمع ہوئے اور ان کو دیگر توپ چیوں کے ساتھ جو "دائدو" میں تھے، صوبہ جات شرقیہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا اور ان جنگوں میں جس توپ سے کام لیا وہ "مسلمانی توپ" تھی "ہُوی ہُوی پھو"۔ [1]

"تھونگ جیانگ" یعنی چین کی تاریخ عام (ج ۹۴) میں یہ ذکر ہے کہ شہر فانگ (FANG) میں بغاوت ہوئی (سنہ ۱۲۳۲ء) اور وہاں کا حاکم بغاوت میں قتل ہوگیا اور یہ بغاوت شہر "سیانگ یانگ فو" میں پھیل گئی۔ اور اکثر مغول جو وہاں مقیم تھے فنا ہوگئے۔ تب قبلائی خاں نے اپنے قائد اعلا یحییٰ اویغوری کو حکم بھیجا کہ دونوں شہروں کو

---

[1] SHIN POO YUEH KAN, 15 ON. 1934 SHANSHAI

باغیوں کے پنجے سے چھڑائے۔ چناں چہ وہ گیا، اور شہر" فانگ پر حملہ کر دیا۔ ان کے لشکروں میں جو مسلمان سپاہی تھے انھوں نے ایک نئی قسم کی توپ بنائی، اور اس کے ذریعے سے شہر کو فتح کر لیا گیا۔ پھر "سیانگ یانگ فو" متوجہ ہوئے اور وہاں بھی ان توپوں سے کام لیا گیا اور گولے جو بڑی بڑی عمارتوں پر گر جاتے تھے، تو گرج کی طرح گونجتے تھے۔ باشندے ان کی گرج ہی سے مر جاتے تھے اور سرداران باغیان جو اندر تھے اکثر فصیلوں سے بھاگ کر باہر نکل آتے تھے اور اپنے آپ کو علی یحییٰ کے سپرد کر دیتے تھے۔ پھر جنرل علی یحییٰ نے اندر داخل ہو کر قبلائی خاں کے حکم سے لوگوں کو امان دی۔

اس سلسلے میں سب سے قوی دلیل ہمارے پاس لفظ "پھو" ہے۔ لغات چین میں اس لفظ کی شرح میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ ایک آلۂ آتش ہے جو جنگ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ "اہل غرب[1]" کے باشندوں میں سے اسماعیل اور علاء الدین نے مغلوں کے لیے 'سیانگ یانگ فو' کے حملے میں (۱۲۷۲ء) میں بنایا اور اس وقت سے چینیوں کو "توپ آتش" کا علم ہوا۔

تاریخی اقوال بالجملہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ بارود اور توپ چینیوں کی ایجادات سے نہ تھے۔ اس بنا پر ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر یہ عربوں کی ایجاد نہ تھی تو بھی مسلمانوں کی ایجاد ضرور تھی۔ یہ بات ہم صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہم اسماعیل اور علاء الدین کے

---

[1] "غرب" مراد وہ ممالک اسلامیہ تھے جو غرب چین سے لے کر بحر ابیض تک واقع ہیں۔

نسب اور حسب سے ناواقف ہیں، کیوں کہ تاریخ چین میں صرف ان دونوں کے نام کا ذکر ملتا ہو اور نسب حسب کا احوال نہیں۔

تاریخ اسلام سے یہ پتا چلتا ہو کہ عربوں نے دیگر جنگوں میں بھی بارود استعمال کیا تھا۔ استاد کونڈ (ج۔ای۔کونڈ) نے اپنی کتاب "حکومت عرب در اندلس" میں یہ بیان کیا ہو کہ وہاں کے عرب بعض جنگوں میں بارود استعمال کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، اسماعیل بن فراز شاہ غرناطہ نے جب کہ اس نے ۱۳۲۵ء شہر بوزا (BOZA) کا محاصرہ کیا، آتشیں گولے پھینکنے کے آلات استعمال کیے۔

جس طرح مغلوں نے سب سے پہلے چین میں بارود اور توپ کا استعمال تیرھویں صدی کے شروع میں رائج کیا تھا، اسی طرح انھوں نے سولھویں صدی میں ہندستان میں ان کا استعمال کیا اور بادشاہ بابر نے جس نے سلطان دہلی ابراہیم سے بہ مقام پانی پت ۲۰ اپریل ۱۵۲۶ء میں جنگ کی تھی اور اس جنگ میں آخر الذکر مارا گیا، بارود اور توپ سے کام لیا۔ غرض ہندستان اور چین میں ان آلاتِ حرب کا رواج مغلوں کی بدولت ہوا۔

چینی ظروف (پورسلین) اور خزف:۔ بہت سے علمائے اسلام نے اپنی تصانیف میں چینیوں کی صناعت اور ان میں ان کی مہارت کا ذکر کیا ہو۔ ان علما میں سے جو قابلِ ذکر ہیں جاحظ مسعودی، ابن فقیہ اور ابن بطوطہ ہیں۔ جاحظ کا قول "چینیوں کی صناعات، یونانیوں کی حکمت، ساسانیوں کی ملک گیری اور ترکوں کے فن حرب[1]۔

[1] اهل الصین فی الصناعات والیونان فی الحکم وآل ساسان فی الملک والاتراک فی الحروب (جاحظ)

ایک ایسی جامع تعریف ہے جس سے ان چار قوموں میں سے ہر ایک کی طبائع دوسروں سے بالکل متمیز ہو جاتی ہیں۔ چینی قوم گویا صنعت کے لیے پیدا کی گئی اور ان کی طبیعت سوائے صنعت کے اور کسی عمل کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ وہ زمانۂ قدیم سے صنعت میں منہمک رہے اور زمانۂ قدیم سے وہ ایک صنّاع قوم کی حیثیت سے دنیا میں مشہور رہی۔

جن صناعات میں چینیوں کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی تھی، وہ ریشم، چینی، ظروف (پورسلین) خذف اور نقش نگاری کی صناعات تھیں۔ صنعتِ ریشم کا ذکر تو کسی سابق باب کے ضمن میں آچکا ہے، مگر ہم اس کے متعلق مزید بحث کریں گے جب کہ ہم ان اسلامی منسوجات پر کچھ لکھیں گے جن میں چین کا اثر صاف نمایاں ہے۔ یہاں بالفعل ان کو چھوڑ کر "پورسلین" یعنی چینی ظروف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کا علم عربوں کو دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ہو چکا تھا۔ اگر ہم طبری اور ابن اثیر کے قول پر یقین کریں تو لازم ہے کہ ہم یہ مانیں کہ غزوۂ کش (۱۳۴ھ) میں جو کچھ واقع ہوا تھا، وہ صحیح تھا۔ طبری اور ابن اثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ابو داؤد بن ابراہیم جس کو ابو مسلم خراسانی نے غزوۂ کش کے موقع پر قاید اعلا مقرر کیا تھا، جب کہ سخت جنگ کے بعد اسے فتح کر لیا، انھیں ایسی چینی مصنوعات ہاتھ لگیں جن کی نظیر اس وقت کی دنیا میں نہیں مل سکتی تھی۔ ان مصنوعات میں سے چینی ظروف جن کی نقش نگاری، خالص سونے سے کی گئی تھی، زین و لگام اور دیبائے چین اور دیگر ساز و سامان تھے[۱]۔ یہاں ہم کو اس کا سراغ

---

[۱] طبری، ج ۹ صہ ۱۵۰، ابن اثیر ج ۵، صہ ۱۸۳

ملتا ہو کہ عباسیہ کے زمانے میں سرّمن رای میں جو چینی صناعات کی نقل اتاری گئی، غالباً ان نمونوں سے تھی۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ سرّمن رای یا "سامرا" وہ شہر ہو جس کو خلیفہ مستعصم نے ۸۳۶ء میں بغداد کے باہر بنایا تھا اور جب تک وہ زندہ رہا تو بغداد کے بجائے سامرا ہی وادی دجلہ کی دلھن بنی رہی۔ مگر مستعصم کے بعد جو خلفا آئے انھوں نے سامرا کو اپنے رہنے کے لائق نہیں سمجھا۔ چناں چہ اس کو زمانے کی امانت پر چھوڑ دیا گیا اور اس وقت سے کوئی ذی ہمت اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ وہ اس حالت میں ہزار سال گزار چکا تھا کہ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں دو جرمن عالم، آثارِ قدیمہ کی تلاش میں وہاں آپہنچے اور وہاں کے کھنڈرات کو کھودنا شروع کیا۔ ان کی علمی کوششیں بے کار ثابت نہیں ہوئیں۔ اور جو چیزیں وہاں سے برآمد ہوئی ہیں ان سے اس کی تصدیق ہوتی ہو کہ نویں صدی میں دار السلطنت چین اور دار السلام (بغداد) کے درمیان صناعی تعلقات موجود تھے[1] کیوں کہ سامرا کے انکشافات میں دو قسم کی چیزیں پائی گئی ہیں۔ ایک تو اسلامی پورسلین جو چینی طرز پر بنائی گئی اور دوسرے چینی خزف جو ان زمانوں کے ساختہ ہیں، اور یا تو تجار کے توسط سے لائے گئے، یا ان وفود کے توسط سے جو چین اور بغداد کے درمیان آتے جاتے رہے۔ استاد ہوبسن نے

A GUIDE TO THE ROCELAI (HOBSON) اپنی کتاب[N]
AND CHINA WARE IN THE FOREASR میں کوئی آٹھ

[1] HOBSONS GUIDE TO ISLAMIC POTTERY. P. 2

صفحے ان بحثوں کے لیے وقف کیے ہیں جو سامرا کے انکشافات سے متعلق ہیں۔ یہ انکشافات سفید پورسلین، سلادوں، مختلف قسم کے خزف اور نقش دار شیشوں کے مصنوعات پر شامل تھے، ان میں سے صرف سلادوں کے علاوہ باقی سب چیزیں چینی صناعات کی نقالی تھی۔ اور نقل بھی اس درجے کی نقل تھی کہ ان میں اور اصل چین کی صناعات میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ نقلی ظروف سامرا کی نرم مٹی سے تیار ہوئے تھے جس کا رنگ چمڑوں کے رنگ سے مشابہ تھا۔ اور جب چاقو سے اس کو کاٹیں تو جلد چور ہو جاتے مگر اصل چین کی پورسلین چاقو کی کاٹ برداشت کرتی ہے، اور اگر کاٹ لی جائے تو چور نہیں ہوتا۔ سفید پورسلین روشنی کی طرح چمکتا ہے۔

سامرا کی نقالیوں میں سے آبریز بھی ہے جس کا چھوٹا مگر سیدھا منہ ہے، اور اس پر دستہ بھی ہے۔ آبریز پر جو نقوش ہیں وہ عہد تانگ (۶۱۸ - ۹۰۸) کی صناعات سے منقول ہیں۔

سامرا کے علاوہ، ایران، سمرقند، مصر اور شام کے اسلامی خزف اور پورسلین میں چینی صنعت کی نقالی پائی جاتی ہے، جن پر چین کا اثر نظر آوے تو اس کی نقالی سمجھ لینا چاہیے۔ صناعات کی نقل کئی طرح سے ہو سکتی ہے۔ رنگ میں، شکل میں اور نقش نگاری میں۔ شہر سوسا (SUSA) میں ایرانی پورسلین کے ایسے نمونے ملے جو عہد تانگ (TANG) کی پورسلین کی شکلوں پر بنائے گئے۔ دیمانڈ کی کتاب میں ۶۱ نمبر کی تصویر میں[۱] دکھایا گیا ہے۔ اس

---

[۱] DIMAND: A HAND BOOK TO MOHMMADAN DECORATIVE ARTS. P.

میں عجیب وغریب اشکال جو ساسانی روایات پر مبنی ہیں اور اس کے ساتھ نینو فرہی جو چین کی نقش نگاری کی نقل ہی۔

خزف میں سے ایک قسم جسے "خزف زجاجی" (GLAZED EARTH WARE) کہتے ہیں۔ بارھویں اور تیرھویں صدی کے ایران میں بنایا جاتا تھا۔ یہ نقوش میں دوسرے خزف سے مختلف تھا۔ اس کا ایک نمونہ دیماند نے اپنی کتاب میں (۶۶) دیا ہی۔ اس کے نقش ونگار میں جو مچھلی، پرندے اور پتیاں ہیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ یہ چین سے نقل کی گئی ہیں۔ استاد یورست ماسی V.EURSIT MACY کے مجموعات میں بھی اس کے دو نمونے موجود ہیں جو سنہ ۱۲۱۵ء میں بنائے گئے۔

ایران میں یہ صناعتی نقل، خصوصاً پورسلین کے بنانے میں سترھویں صدی تک رہی۔ یہ ان چینی ظروف کا اثر تھا جن کو ایران کے امرا لاتے تھے۔ یہاں تک کہ صناع ان کو دیکھ کر، بناوٹ اور نقش میں ان کی نقل کرنے لگے۔ مثلاً ایران کے صناع نے عہد "مینگ" (MING) کی پورسلین سے نقل کرنے کی کوشش کی۔ اس عہد کی پورسلین کی خاصیت یہ تھی کہ نیلا اور سفید دونوں رنگ ہوتے تھے ایرانی پورسلین پندرھویں اور سولھویں صدی کے ساختہ بہت سی چینی طرز کی ملی ہیں، جن کے اندر سفید اور نیلے نقوش چین سے نقل کیے گئے ہیں۔ دیماند کے مجموعات میں ایسے نمونے بہت ہیں۔

ایران کے پورسلین میں سے ایک اور قسم کا ہی، جو سترھویں اور اٹھارھویں صدی کا ساختہ ہی، اس میں بھی نیلا اور سفید رنگ ہی۔

یہ صرف برتنوں اور طشتوں پر شتمل تھا۔ جن کے جسم بہت ہی سخت اور مضبوط تھے۔ ان کے اوپر طبیعی مناظر اور ایسے پرندوں کی شکلیں تھیں جن سے چینی رموز ظاہر ہوتے ہیں۔ اس قسم کی نقاشی عصر مینگ (MING) کے خذف اور پورسلین میں بہ کثرت ہوتی تھی۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ چینی صناعات کی نقل ایران کے ایک دو شہروں پر منحصر نہ تھی، کیوں کہ ایک یورپی سیاح گاردین (GARDIN) نامی نے جب کہ سترھویں صدی میں ایران کا سفر کیا، تو بہت سے شہروں میں پورسلین کی صنعت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ شیراز، مشہد، یزد، کرمان اور سلطان آباد میں اس وقت بہت اچھی پورسلین تیار ہوتی تھی اور وہ مٹی جس سے ایرانی صناع پورسلین بناتے تھے، بالکل چینی پورسلین کی مٹی کی مانند تھی، صفائی اور خوب صورتی میں تقریباً ایک ہی تھی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ بہت سے تجار جب کہ ایسے خذف یا پورسلین کو دیکھتے تو یہ خیال کرتے کہ وہ چین کا ساختہ ہے اور اسی وجہ سے ان زمانوں میں ہولنڈ (HOLLAND) کے تجار اس قسم کی پورسلین اور خذف یورپ لے جاکر مصنوعاتِ چین کی طرح اور ان کی قیمت پر فروخت کرتے تھے۔ ان ایرانی صناعات میں جو کمالات تھے وہ نقوش میں تھے جن میں عہد مینگ کی چینی صناعات کی ہو بہو نقل ہوتی۔ اس عہد کی صناعات اپنے نیلی اور سفید نقش و نگار سے ممتاز ہے اور ہوبسن کی کتاب میں ایک نمونہ (۸۲) ہے، جو بالکل عہد مینگ کی صناعات کے مانند ہے[1]

---

[1] HOBSON - P. 67

ایران کے سب سے مشہور پورسلین اور خذف وہ ہیں جو سلطان آباد اور کرمان میں بنائے گئے۔ استاد ہوبسن نے اپنی کتاب میں ایک خاص فصل، سلطان آباد کی ان پورسلین اور خذف کے متعلق لکھا جن میں چینی اثر خوب نمایاں ہے۔ ہوبسن کے مطابق سلطان آباد صناعت خذفی اور ظروف دو قسموں میں تقسیم ہو سکتی ہیں، ایک وہ جو رے کی صناعات سے مشابہ ہے۔ ان میں اور چینی خذف میں کسی قسم کا تشابہ نہیں اور دوسرا وہ جن کے نقوش اور تصویروں میں چینی صناعات کی نقالی ہے۔ اس قسم کے خذف اور پورسلین میں آپ پرندے چرندے، چینی طرز کے طبیعی مناظر دیکھیں گے۔ استاد ہوبسن کی کتاب میں (۶۸) ایک نمونہ ہے جس میں ایک مغول اور نینوفر جو خالص چینی چیز ہے، دکھایا ہے اور دیگر نمونوں میں تنین اور عنقا نظر آتے ہیں، یہ دونوں خیالی جانور خالص چینی رموز ہیں جو ان کے عقائد سے متعلق ہیں۔[۱]

اگر ہم ایران کو چھوڑ کر مصر پر نظر ڈالیں تو یہاں کی صناعات میں بھی چینی اثر پائیں گے۔ مصر کا وہ شہر جو قرون وسطی میں پورسلین اور خذف کی صناعات میں مشہور تھا، فسطاط تھا۔ یہاں کے سفال اور خذف، رنگ کے لحاظ سے چار اقسام میں تقسیم ہو سکتے ہیں:
(۱) وہ جو رملی مادہ سے بنے ہیں ان کا رنگ سرخ ہوتا ہے یا خاکی۔
(۲) وہ جو ایران یا شام کے بنے ہوئے خذف سے مشابہ ہے۔ اس کا رنگ گہرا نیلا ہے (۳) وہ جو نیلے کالے رنگ کے ہیں اور (۴)

---

۱ HOBSON. P. 54

چوتھی قسم مختلف الالوان ہوتے ہیں۔ اور اسی قسم میں چینی اثر صاف ظاہر ہے۔ استاد ہوبسن کا قول ہے کہ اہلِ مصر اپنے سفال اور خزف کے بنانے میں عہد سونگ (SUNG) اور عہد یوانگ (YUAN) کے صناعتی نقوش کی نقل کرتے تھے۔ خصوصاً ان ظروف کی جو صوبہ چیکیانگ (CHEKIANG) میں تیار ہوتے تھے۔ وہاں کی صناعات نویں صدی عیسوی کے توسط سے مشرقِ ادنیٰ لائی گئی تھی اور بغداد و شام کے بازاروں میں ان کی خوب فروخت ہوتی تھی۔ اہلِ مصر چینی سلادوں کے زجاجی رنگ اور ان کے نقوش کی نقل کرنے میں بھی بڑی حد تک کام یاب ہوئے۔ مچھلی، پرندے اور مڑی ہوئی پتیاں جو مصر کے سفالوں میں پائی گئی ہیں، چینیوں کی نقل ہے۔ مگر مواد اور اشکال کے لحاظ سے مصر کے خزف چینی خزف سے بہت ہی مختلف ہیں اور اوّل نظر میں آپ ان کی تمیز کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے خذف پورسلین کے نمونے قاہرہ کے عرب میوزیم میں بہت ملتے ہیں اور اس میوزیم میں چار پرانے چین کے سلادہیں جو جامع سلطان حسن میں برآمد ہوئے اور استاد ہوبسن کے قول کے مطابق دیگر پرانے چین کے ظروف فسطاط میں پائے گئے[1]

چودھویں اور پندرھویں صدی کے شامی خزف کی نقاشی بالکل عربی طرز کی تھی، اس میں عربی حروف سے زیادہ کام لیا جاتا تھا، اور مختلف رنگوں سے مگر تناسب کے ساتھ کی جاتی تھی اور عام طور پر کالے، نیلے اور فیروزی نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ اور ایک قسم پائی

---

[1] HOBSON - P. 61

جاتی ہو جو فسطاط کی چوتھی قسم کے خزف سے مشابہ ہو جس میں طبیعی مناظر، چینی پرندے اور پھول پتیاں، کالے نیلے رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اس قسم کا ایک نمونہ دمشق میں پایا گیا۔ یہ ایک برتن تھا جس کے درمیان ایک طاؤس بنا ہو۔ استاد دیماند کا خیال ہو کہ یہ شام کا ساختہ تھا جو چینی طرز پر تیار ہوا[1]۔

ترکی سفالوں میں چینی اثر بھی نظر آتا ہو، خصوصاً کوباچہ (داغستان) میں۔ استاد دیماند نے یہ ذکر کیا ہو کہ ایسے خزف کے بعض نمونے جامع خضرا، اور سلطان محمد اول کے مقبرے میں جو شہر بروصہ BRUSA میں ہیں، ملے، اور جامع مذکور جس کی تعمیر سلطان محمد اول کے عہد میں ہوئی تھی (۱۴۱۳ - ۱۴۲۱ء) کے محراب میں عربی زخارف کے ساتھ چینی نقش و نگار بھی نظر آیا۔ اس کا سبب یہ ہو کہ اس محراب کی نقش و نگاری اہلِ تبریز کے ہاتھوں سے ہوئی۔ یہ لوگ اس فن میں چینیوں سے بہت کچھ سیکھے تھے اور زخارف عربی کے ساتھ انھوں نے ایسے پھول بنائے جن کی وضع اور رنگ بالکل چینی وضع اور رنگ ہو گئے۔ استاد دیماند کی کتاب میں ایک تصویر ہو (۱۰۵) جو پندرھویں صدی عیسوی میں بروصہ میں بنی۔ اس میں چینی اثر صاف ظاہر ہو[2] اور ہوبسن بھی اس نظریے کی تائید کرتا ہو۔

کوباچہ داغستان کا ایک گانو ہو، وہاں کے سفال اور خزف کو کافی شہرت حاصل ہو۔ ان کا رنگ عام طور پر آسمانی، سبز اور زرد ہوتا ہو۔ اور ایک قسم گلابی رنگ کی ہو جو ترکی کے خزف سے مشابہ ہو۔

---

[1] DIMAND. P. 164 [2] DIMAND. P. 172

ان میں علی العموم عورتوں کے سر اور چینی طرز کے پھول، اور بعضوں میں چینی جانوروں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ اس قسم کے خذف سولھویں صدی یا اس سے بھی بعد کے بنے ہوئے ہیں[1]۔

استاد میجون (MIGEON) اپنی کتاب "مسلمانوں کے فنون" میں بیان کرتا ہے کہ چینیوں نے بہت سے خذف ایرانی ذوق کے مطابق بھی بنائے۔ ان کے بہت سے نمونے اپنی کتاب میں دیے ہیں، جن کی وضع اور تشکیل میں ایرانی ذوق نظر آتا ہے۔ مگر ان خذف کے نیچے چینی صناع کی مہر لگی ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ چینیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے سفال یا تو ان چینی کارخانوں میں بنائے گئے جو ایران میں تھے یا ایرانیوں کے کارخانوں میں جن میں چینی خذف اور سفال کے بہت سے نمونے جمع کیے گئے اور چینی صناع وہاں کام کرتے تھے۔

جس زمانے کی ایرانی صناعات میں چینی اثر خوب نمایاں تھا۔ اس زمانے کے بعض ظروف کرمان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جن میں ایک طرف ایرانی ذوق نظر آتا ہے اور دوسری طرف چینی نقاشی اور اس میں عنقا اور تنین کی لڑائی دکھائی دیتی ہے[2]۔

اسلامی منسوجات میں چین کا اثر:۔ جو علماء اسلامی صناعات کے موضوع پر بحث کرتے ہیں۔ اسلامی منسوجات میں بھی ان کو چین کا اثر نظر آیا۔ اس کے اسباب اور عوامل بہت سے ہیں جن میں ایک

---

[1] HOBSON: P. 75. [2] MIGEON MANUAL DART MUSSALMAN II. P. 290

عربوں کے غزوات تھے جو دوسری صدی ہجری میں ایشیا وسطی کی اقوام پر کیے گئے۔ اس سے پہلے ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ ابوداؤد نے جب کہ شہر کَشّ کو فتح کیا، بہت سے چین کے ریشم اور دیگر عجیب مصنوعات ملے۔ دیبا ایک قسم کا ریشم ہے جو سنہری اور روپہلی تاگوں سے بنتا ہے۔ چینی دیبا میں پھولوں، پرندوں، تنین، عنقا، نینوفر اور دیگر نباتات اور طبیعی مناظر کی تصویریں ضرور ہوتی تھیں۔ اسی بنا پر یہ کوئی بعید بات نہیں کہ وہ چینی منسوجات جو ابی داؤد کے ہاتھ سے عربوں کے گھروں میں منتقل ہوئے۔ بعد میں بعض اسلامی منسوجات کے نمونے بن گئے۔

غزوات عرب ایک دوسرے طریقے سے بھی چین کے فن صناعت کو اسلامی منسوجات میں منتقل کر سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ عربوں نے ان جنگوں میں بہت سے چینی صناع قید کر کے، ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے شہروں میں بھیجے اور ان سے ایسی صناعات سیکھتے ہوں گے جن میں وہ خوب مہارت رکھتے تھے، جیسا کہ ان سے کاغذ کی صنعت سمرقند میں سیکھی گئی۔ البتہ ہمارے اس زعم اور رائے کی تاریخی شہادت ہونی چاہیے جس کی روشنی میں یہ ثابت ہو سکے کہ اس صناعتی اثر کا انتقال، چین سے بلاد عرب یا بلاد اسلامیہ میں فعلاً واقع ہوا۔ ہم نے مختلف مصادر میں ایسے تاریخی نصوص کی تلاش کی جن سے ہمارا قول صحیح ثابت ہو۔ ہمارے مساعی اس سلسلے میں ہرگز رائگاں نہ ہوئے۔ ایک پرانی چینی کتاب میں سے جو آٹھویں صدی عیسوی کی لکھی ہوئی تھی۔ بہت اہم شہادتیں ملیں جن کی روشنی میں مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ یہ

"تو وان" کا سفرنامہ ہے۔ "تو وان" (TU HUAN) ایک ممتاز چینی عالم تھا، چینی فوجوں کے ساتھ سمرقند گیا، اور چینی فوجوں نے عربوں سے شکست کھائی تو ۷۵۱ء میں یہ بھی اسیر ہو گیا۔ اس کو عراق لے گئے اور بارہ سال تک رہا، اور بعد میں رہا ہو کر بصرہ سے جہاز پر بیٹھا اور ۷۶۲ء میں شہر کانتون پہنچا۔ پھر دارالسلطنت چین "سی آن" (SI AN) گیا اور وہاں اپنا سفرنامہ لکھا جس کے اس وقت چین کے کتب خانوں میں بہت سے نسخے ملتے ہیں۔ عراق میں جو کچھ دیکھا اور سنا سب بیان کیا اور ضمنی کلام میں کوفہ کے احوال کا ذکر بھی کیا۔ اس نے وہاں کئی چینی صناع دیکھے جو [۱] "قانصو" [۲] اور "لیوجی" دارالسلطنت چین، یعنی "سی آن" کے رہنے والے تھے، اور (۳) "کوہوان" اور "لیولی" صوبہ "ہاتونگ" (HA TUNG) کے۔ وہاں یہ لوگ عربوں کو ریشمی کپڑے بنانا، زرگری اور مصوری سکھاتے تھے [۱]۔ یہ بعید از قیاس نہیں کہ عربوں کے ہاتھ میں جو چینی قیدی تھے ان میں بہت سے اور صناع بھی تھے اور انھوں نے مسلمانوں کو اپنے فنون اور صناعات جو وہ جانتے تھے سکھائے۔ اور اس طریقے سے اسلامی نسوجات میں غالباً عصر عباسی کے شروع میں چینی اثر پڑنے لگا۔

ان عوامل میں سے ایک تجارت بھی تھی، جو نویں صدی سے لے کر پندرھویں صدی تک چین کی بندرگاہوں اور خلیج فارس کے درمیان

---

[۱] KAHLE ISLAMIS THE AUELLEN-P. 6-7.

AUCIENT CHINAS RELATION WITH THE ARABS-P. 56

خوب رہی۔ پہلی صدی ہجری میں تو عرب تجارت کے واسطے سواحل ہند جانے لگے اور بعد میں جب کہ ان کی تجارت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا تو چین میں بھی ان کا قدم پہنچ گیا۔ سلیمان سیرانی پہلا عرب تھا، جس نے چینی ریشم اور اس کی صنعت کا ذکر کیا، اور بعد کے علمائے اسلام سلیمان سیرانی کے نقش قدم پر چلے۔ ان کی تصانیف میں چینی ریشم کمخاب اور دیبا کا ذکر بہ کثرت ملتا ہے۔ یہ کوئی بعید بات نہیں کہ تاجروں کے ذریعے سے جو ریشمی مصنوعات یا منسوجات ممالک اسلامیہ میں پہنچے، ان کے طرز پر بعد کے مسلمان صناع، جب کہ ریشم کے کیڑوں کی تربیت کا علم ہوا، پارچہ بناتے ہوں گے۔

اس کے علاوہ اور ایک سبب ہے جو چین کے صناعتی اثر کو اسلامی منسوجات میں نقل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ وہ سفارات ہیں جو ملوک چین اور ممالک اسلامیہ کے درمیان مختلف زمانے میں تبادلے ہوئے۔ یہ تو مسلّم بات ہے کہ ملوک چین خلفا اور امرائے اسلام کی خدمت میں نفیس نفیس اور نادر تحفے بھیجتے تھے، جن میں ریشم، کمخاب، دیبا، پورسلین وغیرہ ضرور ہوتے تھے۔ امرائے اسلام ان کی دقیق صناعت اور باریک کام دیکھ کر ضرور یہ رشک کرتے ہوں گے کہ ان کے ملک میں بھی ایسی صناعت اور کاری گری ہو۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ان کی ہمت افزائی سے اسلامی صناعوں نے چینی طرز پر ریشمی منسوجات بھی تیار کیے ہوں۔

چینی اثر اگرچہ عباسیہ کے زمانے سے اسلامی منسوجات پر پڑنا شروع ہوا۔ مگر زیادہ صاف نظر نہیں آیا۔ لیکن جب کہ مشرق اقصیٰ

کہ چین، مشرق ادنا کے ممالکِ اسلامیہ کے ساتھ ایک ہی قوم یعنی مغلوں کے زیر حکم ہوئے تو یہ اثر دن بہ دن زیادہ نمایاں ہوتا گیا۔ اس کا سبب غالباً وہ چینی صناع تھے جن کو چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے چین سے عراق لے جا کر آباد کر دیا۔ محققین کا قول ہے کہ ہلاکو ایک ہزار چینی صناع ہجرت کرا کے عراق میں لایا تھا[1]

عصر مغول سے پہلے کا کوئی نمونہ نہ ملنے سے ہم تفصیل کے ساتھ یہ بحث نہیں کر سکتے کہ تیرھویں صدی سے پہلے کے اسلامی منسوجات میں چین کا صناعی اثر کہاں تک پڑا ہے، اس واسطے ہم اس اثر کے تاریخی پہلو اور عوامل کی بحث پر اکتفا کر کے اب عصر مغول اور بعد کے زمانوں پر متوجہ ہوتے ہیں اور یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان ایام کے اسلامی منسوجات میں چین کے کیا کیا اثر پائے جاتے ہیں۔

یہ تو مسلّم ہے کہ تیرھویں صدی میں مغلوں کے ظہور نے ملک چین کو ممالک اسلامیہ سے مختلف حیثیتوں سے متعارف کیا۔ جن میں ایک صناعی پہلو بھی ہے جو زیر بحث موضوع ہے۔ محققین کے نزدیک جو بات معلوم تھی وہ یہ کہ جن اسلامی منسوجات میں چین کا اثر پایا گیا ہے ان میں سے بعض ایران کے ساختہ تھے اور بعض مصر و شام کے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اندلس کے منسوجات میں چین کا اثر نہیں پہنچ سکا۔

چوں کہ ایران کا جغرافی محل چین اور بلاد عرب کے درمیان

---

[1] HOBSON - P. 54

واقع ہو۔ اس لیے یہ چینی اثر کو اسلامی صناعات میں نقل کرنے کا بھی واسطہ بنا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چین کا صناعتی اثر جب تک ایرانی صناعات میں منتقل نہ ہوا، تب تک اسلامی صناعات پر نہیں پڑسکا۔ تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ ایرانیوں کو چینی صناعات سے ظہورِ اسلام سے کئی صدیوں پہلے اطلاع تھی، اور وہاں کی صناعات ایک حد تک چینی صناعات سے متاثر ہوئی تھیں اور زوال بغداد سے قبل چین کا اثر ایران پر کافی پڑ چکا تھا۔ اور اس زمانے میں جب کہ مشرقِ اقصیٰ اور ادنا مغولوں کے تسلّط میں آ گئے، تو ایرانی منسوجات، چینی زخارف اور نقاشی سے اس درجہ متاثر ہوے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوے تھے۔ ایران کے ان منسوجات میں جن کی ساخت تیرھویں صدی سے متعلق ہو، چین کا فنی اثر اس قدر نمایاں ہو کہ جن کے اوپر نظر پڑنے سے آپ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ خود چینیوں کے بنائے ہوے ہیں۔ "تراث الاسلام" میں پروفیسر کریستیبہ کے ایک مقالے "معمولی فنون در اسلام" میں اور اسلامی منسوجات کے متعلق کافی بحث کی گئی ہو جو چین کی فن صناعت سے متاثر ہوے۔ اس کے ساتھ ایک قطعہ منسوجات کی تصویر بھی دی گئی ہو جو دیبا کی ایک قسم ہو اور سونے کے تاروں سے مزین کیا گیا ہو۔ اس کے اندر ایک خیالی پرندے کی شکل ہو، جسے اہلِ چین "عنقا" کہتے ہیں، اس پر نظر ڈالنے سے آپ ضرور یہ یقین کریں گے کہ یہ چین ہی کا بنا ہوا ہو، مگر درحقیقت یہ تیرھویں صدی کے ایران کا ساختہ تھا[1]۔

ہم یہ دعوا نہیں کرتے کہ یہ قطعہ چین کا ساختہ تھا، اس لیے کہ اس

[1] LEGACY OF ISLAM. A

میں جو عربی عبارات ہیں وہ چینیوں کا کام نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ فن عربی یا زخرف اسلامی کا اثر چین کی صناعات میں اس وقت تک نہیں پڑا تھا اور ان عربی عبارات کی وجہ سے ہم کو مجبوراً یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ ایران کی مصنوعات ہیں جن میں چین کا اثر پڑا ہے۔

یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اہلِ ایران، مغول کے عہدِ حکومت میں چینی زخارف اور نقش بندی کی نقل کرتے تھے۔ ان میں عنقا، تنین اور "کیلین" (KILIN) کی شکلیں اور چین کی خاص نباتات مثلاً نینوفر، وخشخاش وغیرہ ہوتے تھے[1]

استاد دیماند نے اپنی کتاب میں ایران کے بعض ایسے سجّادوں کا ذکر کیا ہے جن کی تاریخ صنعت پندرھویں اور سولھویں صدی سے متعلق ہے۔ اس کتاب میں جو ۱۴۵ نمبر والی تصویر ہے ایک ایرانی سجّادہ کی ہے جو آلت مان (ALTMAN) کے ذخیرے میں شامل ہے۔ اس سجّادہ کے درمیان ایک بڑا وسّام (MEDALLION) سفید رنگ کا ہے اور اس کے ساتھ نیلے تارے کی شکل بھی ہے جو آٹھ کونے کا ہے۔ اس کے اندر جو نقش بندی ہے نینوفر اور خشخاش کی شکلوں سے منقول ہے۔ یہ دونوں چین کے خاص نباتات ہیں۔[2]

اور دیماند کی کتاب کی ۱۴۶ نمبر والی تصویر میں ایک نہایت خوب صورت ایرانی قالین کا نمونہ دیا ہے، جو شاہ تہماسپ کے زمانے میں بنائی گئی۔ اس میں بجائے ایک بڑے وسّام کے جو ۱۴۵ نمبر میں

(1) DIMAND: P. 124. MIGEON: 268

(2) MIGEON: P. 238

ہو تاروں کی طرح نو چھوٹے وسامات نظر آئے اور ان وسامات میں چینی اشکال "جنگ، تنین و عنقا" کی صورت میں صاف نظر آتے ہیں۔ اور ۱۵۰ نمبر میں ایک سجّادہ کی تصویر ہو جو اردبیل کی جامع شیخ صفی میں پایا گیا۔ اس کی نقش بندی سے یہ ظاہر ہو کہ شیر اور ببر چینی کیلین (THE CHINSE KILIN) پر حملہ کر رہے ہیں۔ استاد دیماند کی تحقیق کے مطابق یہ سولھویں صدی کی غربی ایران کی صنعت ہو۔

ایران کو چھوڑ کر اگر مصر کی طرف دیکھیں تو وہاں کی منسوجات میں بھی چین کا اثر ملتا ہو۔ عہد فاطمی میں ایسے منسوجات بہت بنائے گئے جن کے نمونے یورپ کے عجائب خانوں میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ استاد دیماند ذکر کرتا ہو کہ برسلز میں ایک قطعہ ریشم میں پرندوں کی تصویر ہو جو کھجور کے درختوں کے نیچے اُڑ رہے ہیں اور کھجور کی پتیاں ان پرندوں کے بعض جسموں کو چھپاتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان کے پھیلے ہوئے بازو میں عربی عبارات ہیں۔ اس کے طرز اور نقش بندی کے دیکھنے سے فوراً ان سفالوں کی یاد آتی ہو جو گیارھویں اور بارھویں صدی میں بنائے گئے۔ یہ کوئی بعید بات نہیں کہ یہ بھی اس زمانے کی صناعت ہو گی۔

تیرھویں اور چودھویں صدی میں سلاطین ممالیک کے عہد میں بہت ایسے ریشم تیار کیے گئے جن میں عربی زخارف کے ساتھ ہی ساتھ چینی نقش بندی بھی داخل تھی۔ استاد دیماند کی کتاب میں ایک تصویر (۱۲۹) خوب صورت ریشم کی ہو جو مصر کا بنا ہوا ہو،

سبز اور نارنجی رنگ ہیں۔ اس کی نقش بندی میں پرندے اور گریفین (GRIFF iN) کے حلقے دکھائے گئے ہیں۔ یہ اس طرح سے بنایا کہ کھجور کے درختوں کے نیچے پرندوں کا ایک جھنڈ، پھر گریفین کا اور ان دو جھنڈ سے نقش بندی کا ایک حلقہ بن جاتا ہے۔ اسی قسم کے منسوجات مصر میں بھی بنائے جاتے تھے[1]

برلن اور لندن کے عجائب خانوں میں عہد ممالیک کے منسوجات کے بہت نمونے محفوظ ہیں۔ استاد دیماند اور دیگر محققین کی رائے ہے کہ اس قسم کے منسوجات چینی صناعات سے متاثر ہوئے جو اس وقت مشرق ادنا میں خوب مروج تھے۔

بعض دیبا کے تھانوں میں ابن قلادون کا لقب و نام بھی بنایا گیا ہے۔ اس قسم کا ایک تھان دانزیگ (DANZiG) کے گرجا سینٹ میری میں موجود ہے۔ اس میں ایک جوڑا طوطے، اور چینی تنین اور ناصر کا لقب سنہری تاروں سے کالی زمین پر بنائے گئے ہیں' ناصر سے مراد ناصر محمد ابن قلادون ہے۔

اس کے جیسے بعض نمونے قاہرہ کے عربک میوزیم میں ہیں بعض میں چینی حروف موجود ہیں، جن سے مراد "عمر دراز اور سعادت مندی" ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ قطعات ایشیا وسطی میں، ابن قلادون کے لیے خاص طرز پر بنائے گئے اور استاد دیماند کی رائے یہی ہے۔[2]

ان کے علاوہ اندلس کے اسلامی منسوجات میں چینی اثر بھی پایا

(1) DiMAND: P. 210

(2) " P. 211

گیا، جو عموماً مڑی ہوئی پتیاں اور پرندوں کی شکلوں میں نیلی زمین پر نظر آتا ہے۔ استاد دیماند کا بیان ہے کہ نیویارک کے میوزیم میں ایسے نقش بندی کے دو دیبا موجود ہیں۔ ایک میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ پتیوں اور نیلوفر کے نیچے ایک جوڑا خرگوش کا ہے اور دوسرے میں کھجور کی پتیوں کے درمیان سے پرندے دکھائے ہیں جو ایک فوارے سے پانی پی رہے ہیں۔ یہ چودھویں صدی عیسوی کی صناعت ہے[1]

....

فن مصوری :- جن فنون اسلامی میں چین کا اثر پڑا ہے، ان میں فن مصوری بھی ہے۔ کوئی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس فن میں اہلِ ایران اور مغول دیگر امم اسلامیہ کی نسبت چین کی زیادہ تقلید کرتے تھے۔ لیکن کب سے چین کا اثر ایران کے فن مصوری میں پڑنے لگا اور کیوں کر؟- یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب دینا قطعی طور پر ممکن نہیں کیوں کہ ہمارے پاس ایسی شہادتیں موجود نہیں جن سے اس اثر کا آغاز معلوم کیا جا سکے۔ مگر تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ چین اور اہلِ ایران اسلام سے بہت زمانے پہلے فن مصوری سے واقف تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس فن میں چینیوں کا علم ایرانیوں سے اقدم اور اسبق تھا۔ مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ ایرانیوں نے چینیوں سے اس فن کو اخذ کیا تھا۔ اس لیے کہ اصول فن مصوری جو ایران میں تھے چین کے اصول فن مصوری سے بہت مختلف ہیں۔ ایرانیوں کے اصول اور عقائد سے متعلق ہیں جو ایرانیوں کے لئے مخصوص تھے، مگر چین کے فن مصوری

---

(1) DIMAND - P. 227

میں عقیدے کو بہت ہی کم دخل ہے۔ اس کے اصول طبیعی اور مناظر طبیعی ہیں۔[1] اور اگر ایران کے فن مصوری کا ماخذ چینی فن مصوری ہوتا تو دونوں کے اصول میں ضرور اتحاد ہوتا گو کہ اسالیب کی تفصیلات میں اختلاف کیوں نہ ہو۔ اس اصولی اختلاف سے ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام سے قبل ایران کا فن مصوری مستقل بذات تھا اور کسی قوم کا مقلد نہ تھا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس پر یونان و روما کا اثر پڑا ہو۔

جب کہ اسلام آیا اور اپنے دائرۂ نفوذ کو ایران کے توسط سے حدود چین تک پھیلایا تو چین کا اثر اپنے گھوارے سے نکل کر ترکستان پھر عراق تک منتقل ہوا۔ ہم قطعی طور پر یہ کہہ نہیں سکتے کہ بنی امیہ کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں جس سے اس فنی اثر کا سراغ ملتا ہے، مگر "توہوان" (TU HUAN) کے قول سے جو اوپر کسی جگہ گزر چکا ہے، یہ شہادت ملتی ہے کہ چینی مصوّر اور نقاش عہدِ عباسیہ کے اوائل میں کوفہ میں موجود تھے اور وہاں عربوں کو مصوری اور نقاشی سکھاتے تھے۔ ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی کے شروع میں چین کا فن مصوّری عراق میں داخل ہو گیا، مگر عربوں نے اس فن کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی اور ان کی طبیعت اس فن کے لیے مستعد بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ ان ایام میں وہ دولت کے نظم و نسق اور مفتوحہ ولایات میں عربی نظام جاری کرنے میں مشغول تھے۔

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں کہ چین کی بعض تصویروں میں بدھ مت کی مذہبی زندگی دکھائی دیتی ہے مگر یہ بدھ مت سے متاثر ہوئے اور چین کے مصوری اصول سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔

اور ان کی عملی زندگی کو فن مصوری کی کوئی حاجت نہ تھی، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس فن کو نظرانداز کیا، مگر اہلِ ایران جن کو پہلے سے مصوری کی قدر تھی، خلافت اسلامیہ میں شامل ہو جانے کے بعد، چینی مصوری کے وہ خاص عناصر قبول کرنے لگے جو ان کی مصوری میں اصلاً نہ تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں انھوں نے اپنی مصوّری میں ان چینی زخارف کی تقلید کرنے کی کوشش جو عہد'تانگ' کی پورسلین اور سفالوں میں پائے۔ پھر ان چینی نقاشوں اور مصوروں سے بلا واسطہ نقل کرنے لگے جو قافلۂ تجار کے ساتھ ایران اور بغداد وارد ہوتے تھے۔

عربی مصادر سے جو تیسری صدی ہجری کا علمی ترکہ ہے، یہ پتا چلتا ہے کہ عربوں کو چین کے فن مصوری کا خوب علم تھا۔ کیوں کہ ابن وہبان بن اسود نے جو بصرہ سے سوار ہو کر چین پہنچا۔ دار السلطنت میں بہت سے قدیم انبیا کی تصویریں بادشاہ کے پاس دیکھیں۔ بادشاہ جب ایک تصویر نکالتا تھا تو ابن وہبان سے پوچھتا کہ یہ کون سے نبی کی تصویر ہے اور دنیا میں کیوں کر گزرا۔ اس سے مطلب ابن وہبان کا امتحان کرنا تھا۔ اور یہ دیکھنا تھا کہ ابن وہبان نے بادشاہ کے پاس اسلام اور آنحضرت کے متعلق جو باتیں کہی ہیں آیا وہ سچ ہیں یا جھوٹ۔ ایک عرصے تک ابن وہبان دار السلطنت چین میں محترم اور معزز رہا۔ اس لیے کہ اس نے نبیوں کے متعلق جو جوابات دیے تھے وہی تھے جو ہر تصویر کے نیچے لکھے ہوئے تھے۔

چینیوں کی مہارت فن مصوری میں مانی ہوئی تھی اور نویں صدی کے عالم اسلامی اس سے بے خبر نہ تھے اور بہت سے علمائے اسلام

نے اپنی تصانیف میں اس کی طرف اشارہ کیا ہو، مثال کے طور پر مسعودی یہ کہتا ہو "ان اھل الصین احذق اللہ کفا بنقش و صنعت و کل عمل لا یتقدمھم فیہ احد من سائر الامم و الرجل منھم یصنع بیدہ ما یقدر ان غیرہ یعجز عنہ" اس کے بعد وہ یہ بیان کرتا ہو کہ ماہرینِ فن کو کیوں کر بادشاہ چین کی طرف سے انعام دیے جاتے ہیں۔ اس طریق سے کہ جو کوئی اپنے ہاتھ سے عمدہ تصویر بنا لیتا ہو۔ اسے شاہی محل کے سامنے لے جاتا ہو اور ایک سال تک نمائش کی جاتی ہو۔ اس اثنا میں اگر کسی اور ماہر فن نے آکر اس تصویر کے عیب نہیں نکالے تو بنانے والے کو نہ صرف انعام دیا جائے گا۔ بلکہ سرکاری ماہرین کے زمرہ میں داخل کیا جائے گا۔[1]

اب اہلِ ایران کی طرف دیکھیے۔ ایران کی تاریخ ادبیات سے پتا چلتا ہو کہ وہاں کے اہلِ فن چینی مصوروں اور نقاشوں کی مدد سے اپنی ادبی کتابوں اور اشعار کی تصویر کرتے تھے۔ یہ آپ کو رودکی کے قصیدوں میں نظر آئے گا جو نصر بن احمد سامانی کے لیے سنہ ۹۲۰ء میں نظم کیے گئے۔ پروفیسر آرنولڈ کی تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ شاعر فارسی رودکی نے امیر نصر بن احمد کے لیے کلیلہ و دمنہ کی حکایات کو نظموں میں تیار کیا اور مکمل ہونے کے بعد اس منظومہ نسخے کی تصاویر اہلِ فن کے ہاتھ سے بنوائی گئیں۔ اور ان تصاویر کا بعد کی اسلامی مصوری پر کافی اثر پڑا۔

بعض علمانے اس حقیقت سے انکار کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] المسعودی - ص ۱۷۷

(2) ISLAMIC PAINTNG . P. 26

ان کی حجت یہ تھی کہ قصیدۂ رودکی کی تصویروں میں اور عہد مغول کی فنِ مصوری میں کوئی اتصال نہ تھا۔ اور پروفیسر آرنولد بھی اس رائے کی طرف جھک رہا تھا، مگر اس دوسری دلیل نے جو پہلے سے زیادہ قوی تھی۔ اس غلطی کے ارتکاب سے بچا لیا۔ وہ یہ تھا کہ ایران کے مشہور شاعر جامی نے ایک چینی مصور کو آمادہ کیا کہ ایک ہی کاغذ پر زلیخا اور یوسف کی تصویریں بنائے۔ یہ تصویر اس وقت علمائے فنون کے نزدیک "یوسف و زلیخا" کے نام سے مشہور ہے۔ اس تصویر کو دیکھ کر پروفیسر آرنولد کو مجبوراً یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعتہً اہلِ ایران، چینی مصوروں سے اپنی کتابوں اور اشعار کی تزئین کرنے میں مدد لیتے تھے اور یہاں سے چین کے فن مصوری کا اثر، ایران کے فن اسلامی پر پڑنا شروع ہوا اور بعد میں جب کہ انھوں نے اس حکمت کو چینیوں سے سیکھ لیا۔ تو اپنی تصویروں میں طبیعی مناظر اور چینی مصوری کی خصائص داخل کرنا شروع کیا۔

البتہ ہم اب یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ دسویں صدی میں ایران چین کے فن مصوری سے کہاں تک واقف تھا۔ استاد ثعالبی کے قول سے جو ۹۶۱ء سے ۱۰۳۸ء تک زندہ رہا۔ ہم کو ان کی معلومات کے متعلق ایک اندازہ ہوتا ہے۔ یہ حضرت مسعودی کی طرح چینی فن مصوری کے دلدادہ تھے۔ اس کی معلوت، چینیوں کی فنی مہارت کے متعلق بلاواسطہ ان چینی مصوروں سے حاصل ہوئے، جو اس کے سامنے کام کرتے تھے ان لوگوں کے توسط سے جنھوں نے خود اپنی آنکھوں سے چین کی نقاشی اور مصوری دیکھی۔ اس واسطے وہ کہتا ہے کہ چینی مصور ہنستا ہوا شخص

ایسا بنا سکتا ہے جو بالکل فطری طور پر ہنستا دکھائی دیتا ہے۔

چینی مصوری کے متعلق ایرانیوں کی معلومات کا سکندر نامے سے بھی پتا چلا ہے۔ اس فارسی مثنوی میں جس کو نظامی نے بارھویں صدی عیسوی میں نظم کیا تھا، ایک فنی مسابقت کا ذکر ملتا ہے جو سکندر کے سامنے ایک چینی مصور اور دوسرے رومی مصور کے درمیان ہوئی تھی۔ ملک سکندر حیران رہ گیا جب کہ ان دونوں کی کاری گری میں کوئی فرق معلوم نہیں کر سکا۔ دونوں تصویروں کا طرز ایک ہی تھا اور رنگ بھی۔ اصل بات یہ تھی کہ رومی مصور کمرے کے ایک طرف تصویر بنا رہا تھا، اور چینی مصور دوسری طرف۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ لگا ہوا تھا تاکہ ایک دوسرے کی تصویر نہ دیکھ سکیں۔ مگر اس کمرے کی چھت چمک دار تھی اور کمرہ کے اندر رومی مصور جو تصویر بنا رہا تھا اس کا عکس چمک دار چھت پر نظر آیا۔ اسے دیکھ کر دوسری طرف کا چینی مصور بھی ایسی ہی تصویر بنانے لگا۔ جب کام ختم ہوا تو دونوں تصویریں یکساں تھیں۔ ملک سکندر حیران رہ گیا۔ مگر مزید تحقیق اور جانچ کرنے سے اس نے یہ فرق معلوم کیا کہ رومی کی تصویر اصلی تھی اور چینی کی نقلی۔[1]

اس قصے سے نظامی یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ چینی مصوروں کا کمال یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تصویر بنانا چاہتے ہیں تو اسے ہو بہو بنا لیتے ہیں کہ اس میں اصلی چیز سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔

یہ قصہ اگرچہ خیالی ہے۔ لیکن اس سے اس تائید کا اشارہ ملتا ہے

---

[1] سکندر نامہ نظامی جلد ۲، صہ ۱۹۷ دہلی (۱۳۱۶ھ)

جو چین کے فن مصوری سے ایرانی فنون لطیفہ پر ہوئی۔ میں جب یہ قصّہ پڑھتا ہوں تو مجھے ابن بطوطہ کے سفرنامے کی یاد آتی ہے۔ اس میں وہ اپنے مشاہدات کی باتیں لکھتا ہے:-

"فن مصوری میں کوئی چینیوں کی برابری نہیں کر سکتا، نہ رومیوں میں سے، اور نہ اور قوموں سے۔ ان کو اس میں بڑی قدرت حاصل ہے۔ ہمارے عجیب مشاہدات میں سے ہے کہ کوئی ایسا شہر نہیں جس ہم داخل ہوئے ہوں اور واپس آنے کے وقت اپنی تصویریں بازاروں میں لٹکتی ہوئی نہ دیکھی ہوں۔ ہم دارالسطنت میں داخل ہوئے اور نقاشوں کے بازار سے گزر کر شاہی محل پہنچے اور ہم سب عراقی لباس پہنے ہوئے تھے۔ جب کہ شام کو ہم شاہی محل سے واپس آئے اور بازار مذکور سے گزرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ میری اور میرے ساتھیوں کی تصویریں سب کاغذوں پر کھینچی ہوئی دیواروں پر ٹنگی ہوئی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی تصویر دیکھنے لگے کہ کیسی ہو بہو اُتاری ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ بادشاہ نے ان نقّاشوں کو دربار میں بلایا تھا، انھوں نے ہماری صورتیں دیکھ کر کاغذوں پر اتاریں اور ہم اس سے غافل تھے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ عہدِ مغول کی اسلامی مصوری میں چین کا اثر اور زیادہ جلی اور قوی نظر آتا ہے۔ سبب یہ تھا کہ ان فاتحین نے چین کے بہت سے اہلِ فن اور نقاشین کو بغداد میں ہجرت کرائی اور ان کے عوض میں بہت سے مسلم صناع قراقرم بھیجے گئے۔ پروفیسر آرنولد نے اپنی تصنیف "کتب الاسلام" میں یہ بیان کیا ہے کہ ہلاکو نے نہ صرف چینی نقّاشوں کو ایران بھیجا بلکہ بہت سی تصویردار

کتابیں بھی [1]۔ دوسرے مصادر سے ہم کو یہ معلوم ہو کہ اس وقت ایران میں کثرت سے چینی صناع پائے جاتے تھے۔ ایک چینی راہب کا قول ہو جس نے ۱۲۲۱ء اور ۱۲۲۴ء کے درمیان خشکی کے راستے سے ایران کی زیارت کی تھی کہ چینی صناع سمرقند کے ہر محل میں دکھائی دیتے ہیں [2]۔

مغلوں کا تسلط ایران اور بغداد پر ۱۲۵۸ء میں مکمل ہو چکا تھا. عربی ادبیات کو بے شک کافی نقصان پہنچا، مگر وہ فن تصویر اور علم فلک کے زبردست حامی بنے۔ ان کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے فن مصوری عالم اسلام میں اس درجے پر پہنچا جس کی نظیر اس سے پہلے تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ بغداد، تبریز اور سلطانیہ سب فنون لطیفہ کے مراکز بن گئے۔ خصوصاً ایلخان کے عہد میں۔ استاد دیماند نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہو کہ نیویارک کے مورگان (MORGAN) لائبریری میں "منافع" کا ایک بڑا نایاب قلمی نسخہ ہو جو فارسی زبان میں ابن بختیشو کی تصنیف ہو اور جس میں ۹۴ تصویریں ہیں۔ یہ کتاب غازاں خاں کے حکم سے ۱۲۹۵ء اور ۱۳۰۰ء کے درمیان تصنیف ہوئی۔ قیاس غالب یہ ہو کہ اس کی تصویریں تبریز میں تیار کی گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تصویروں میں سے بعض قدیم ایران کی اسلوب پر تیار ہوئیں، مگر اکثر میں مناظر طبیعی اور جانوروں کی اشکال اس طرح نظر آتی ہیں جن کے دیکھنے سے عہد سونگ (SUNG) کے فنون لطیفہ

---

(1) ISLAMIC BOOK: P. 69

(2) PAINTIG IN ISLAM. P. 68

کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ چینی مصوّروں کے کارنامے ہوں گے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ چینی فنِ مصوری کی کام یاب نقالی ہے۔

یہ تاثیر جیساکہ اکثر علما کا خیال ہے، ان تعلقات کی بدولت ہے جو ملوک چین اور ایلخاں کے درمیان قائم تھے اور خود مغلوں کے ذوقِ مصوری کو بھی اس تاثیر میں کافی دخل ہے۔ اگر مغلوں کی طبیعت، عربوں کی طرح اس فن کی طرف مائل نہ ہوتی یا ان کا ذوق فنی قبول نہ کرتا تو غالباً چین کے فن مصوری کو ایران میں کوئی اہمیت حاصل نہ ہوتی۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس فنی نفوذ اور اثر کے پھیلانے میں خود اہلِ چین نے کوئی خاص کوشش کی، بلکہ مغول اور اہلِ ایران اس کی بداعت اور کمالات دیکھ کر خود بہ خود مبہوت ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے چین سے مصورہ کتابیں اور مصور بُلواتے تھے اور معمار بھی طلب کرتے تھے۔[1]

"منافع الحیوان" کا اور ایک قلمی نسخہ جو نیویورک کے مترو پولتان میوزیم میں محفوظ ہے، اس میں ایک تصویر ہے جس میں دو اُڑتے ہوئے عقاب اور مناظرِ طبیعی جیساکہ بادل، پھول اور نباتات دکھائے ہیں، یہ چینی فن مصوری کے خصائص میں سے ہے جس کو ایران کے نقاشوں نے مغول کے عہد میں اپنے ہاں نقل کیا۔[2]

لندن کے رائل ایشیائک سوسائٹی میں تاریخ رشید الدین کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ جس میں کئی ایسی تصویریں ہیں جن کے اسالیب رنگ

---

[1] رشید الدین فضل اللہ

(2) DIMAND: P.21

اور مناظر، خالص چینی نظر آتے ہیں۔ ان کی جیسی تصویریں یورپ میں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ پروفیسر آرنولد بلوشہ اور دیماند وغیرہ نے ان کے متعلق کافی بحث کی ہے۔

تاریخ رشید الدین کی تصویروں سے متعلق بعض اوراق مصورہ ہیں جو شاہ نامہ کے کسی قلمی نسخے سے منتشر ہوکر یورپ اور امریکہ کے پرائیویٹ مجموعات میں محفوظ ہیں۔ ان اوراق میں فنی اسلوب کے مختلف عناصر پائے جاتے ہیں۔ چینی، ایرانی اور مغولی، یعنی ہر ایک اسلوب کا کچھ حصّہ اپنی جگہ پر دکھائی دیتا ہے۔[1]

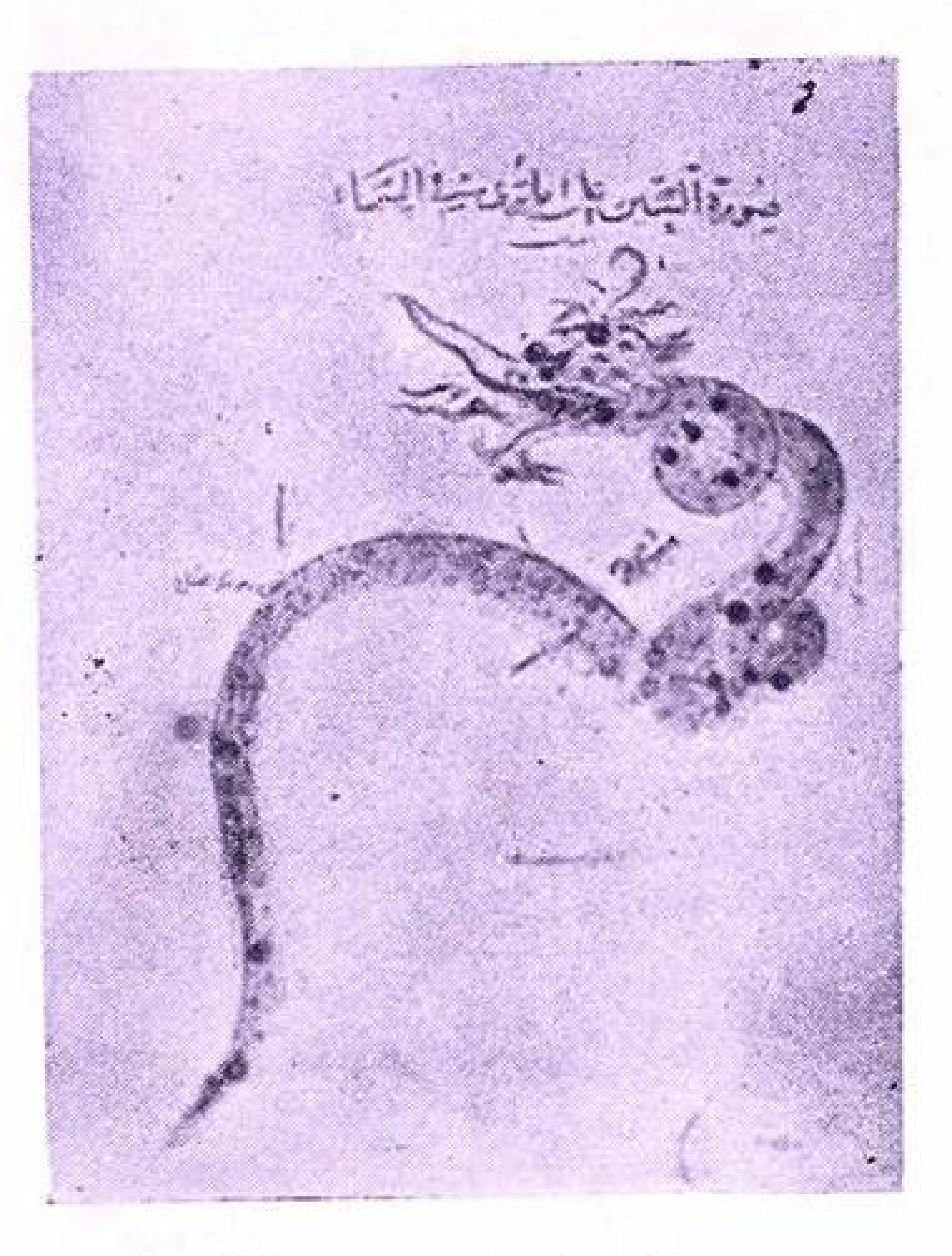
عہد تیموری میں چین کا اثر ایرانی مصوری میں قائم رہا۔ آل چنگیز کے بعد جب آل تیمور کو ایران اور ایشیائے وسطی میں حکومت کرنا نصیب ہوا، تو سمرقند اور ہرات کے مدرسے چینی فنون لطیفہ کی تقلید کرتے رہے۔ اس زمانے کے نمونے اگرچہ نادر ہیں مگر مفقود نہیں۔

قارئین سے یہ بات مخفی نہ رہے کہ شاہ رخ کے تعلقات چین کے ساتھ ان کے باپ تیمور گورگاں کے زمانے سے زیادہ مستحکم رہے اور چین کے اثر فنی کو ایرانی مصوری میں باقی اور محفوظ رکھنے کے لیے ان تعلقات کو بڑا دخل ہے۔ کیوں کہ ان سفرا میں جو شاہ رخ کے حکم سے ۱۴۱۳ اور ۱۴۱۹ء کے درمیان چین گئے تھے۔ ایک نقاش بھی تھا جو غیاث الدین کے نام سے اب تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔ شاہ رخ نے اس کو ہدایت کی کہ پائے تخت چین جانے تک راستے میں جو عجائب و غرائب دیکھے

---

(1) DIMAND, p. 22

متعلق صفحہ ۳۹۸



زیچ اولغ بک کی ایک تصویر چینی اژدہے کی شکل میں

توان کی تصویریں اُتارتا لائے۔[1]

اور بائی سنغر میرزا جو شاہ رخ کا فرزند ارجمند تھا (۱۳۹۷-۱۴۳۳ء) فنون لطیفہ کا بڑا دلدادہ تھا۔ اس کے جوش و خروش کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ ہرات میں اس نے فنون لطیفہ کے لیے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی، اور اس میں چالیس اشخاص۔ مصوّر، نقّاش، خطاط اور جلد ساز نوکر رکھے۔ اس مدرسے نے ایران کے فنون لطیفہ میں ایک نیا مذہب قائم کرنے میں بڑی مدد کی تھی، یہ نیا مذہب بھی چین کی تاثیرات سے آزاد نہیں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میر علی تبریزی کے کئی شاگرد اس مدرسے میں کام کرتے تھے، اور یہ لوگ اپنے استاد کی طرح چینی منہج کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس مدرسے کی وجہ سے ہرات کی علم و فن کی دنیا میں ہمیشہ کے لیے یاد رہ گئی۔

فارسی مصادر سے یہ ثابت ہی کہ اولغ بیگ نے اپنے عہد حکومت کے دوران میں بہ مقام سمرقند ایک رصدگاہ بنائی اور اس میں بہت سے ممتاز علما مقرر کیے جو اجسام سماویہ اور گردشِ افلاک کا مطالعہ کرتے تھے۔ ان علما کی بہت سی تصانیف ہیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور "زیچہ اولغ بیگ" ہی۔ نیویارک کے میوزیم میں اس کا ایک قلمی نسخہ اس عہد اولغ بیگ سے منسوب کیا جاتا ہی، اس نسخے میں پچاس تصویریں افلاک سے متعلق ہیں۔ ان میں اس مذہب کی تقلید کی ہی جو عہد تیمور کے شروع میں رائج تھا اور چینی اثر ان میں خوب نمایاں ہی۔ استاد دیماند کا قول ہی کہ اس کی ملکیت میں شاہ نامہ کی کئی اہم تصویریں موجود

---

(1) NOTICE AND EXTRAITS VOL 14 P. 308

ہیں جو اولغ بیگ کے زمانے میں تیار کی گئی ہیں۔ شاہ نامہ میں ایک قصہ "رستم اور رخش کی جنگ" کا ہے۔ اس قصہ کی تصویر میں چین کے شان دار مناظر طبیعی اور درختوں کے نیچے سے اُڑتے ہوئے ہنس راج دکھلائے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایران کی چینی مصوری کا فن اسلامی پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس اثر کا عکس نہ صرف ہندستان کے مغول آرٹ میں جو ایران کا مقلد تھا، نظر آیا[1] بلکہ اسلامی ادب میں بھی اس کی بازگشت سُنائی دیتی ہے۔ اس نقطے کے واضح کرنے کے لیے پروفیسر آرنولد نے دو مثالیں پیش کی ہیں۔ اوّل یہ کہ ابن وردی نے جو پندرھویں صدی کا بڑا جغرافیہ داں تھا ان صناعات کے سلسلے میں جن میں اہلِ چین کو غیر قوموں پر تفوق حاصل تھا، ان کی مصوری کا ذکر بھی کیا ہے، اس کے بیان کے مطابق اہلِ چین، درختوں، پرندوں، چرندوں اور درندوں، پھولوں اور میووں کی تصویریں مختلف اوضاع واشکال کی اپنی طبیعی حالت میں ایسی بناتے تھے گویا ان میں جان پڑگئی ہے۔[2]

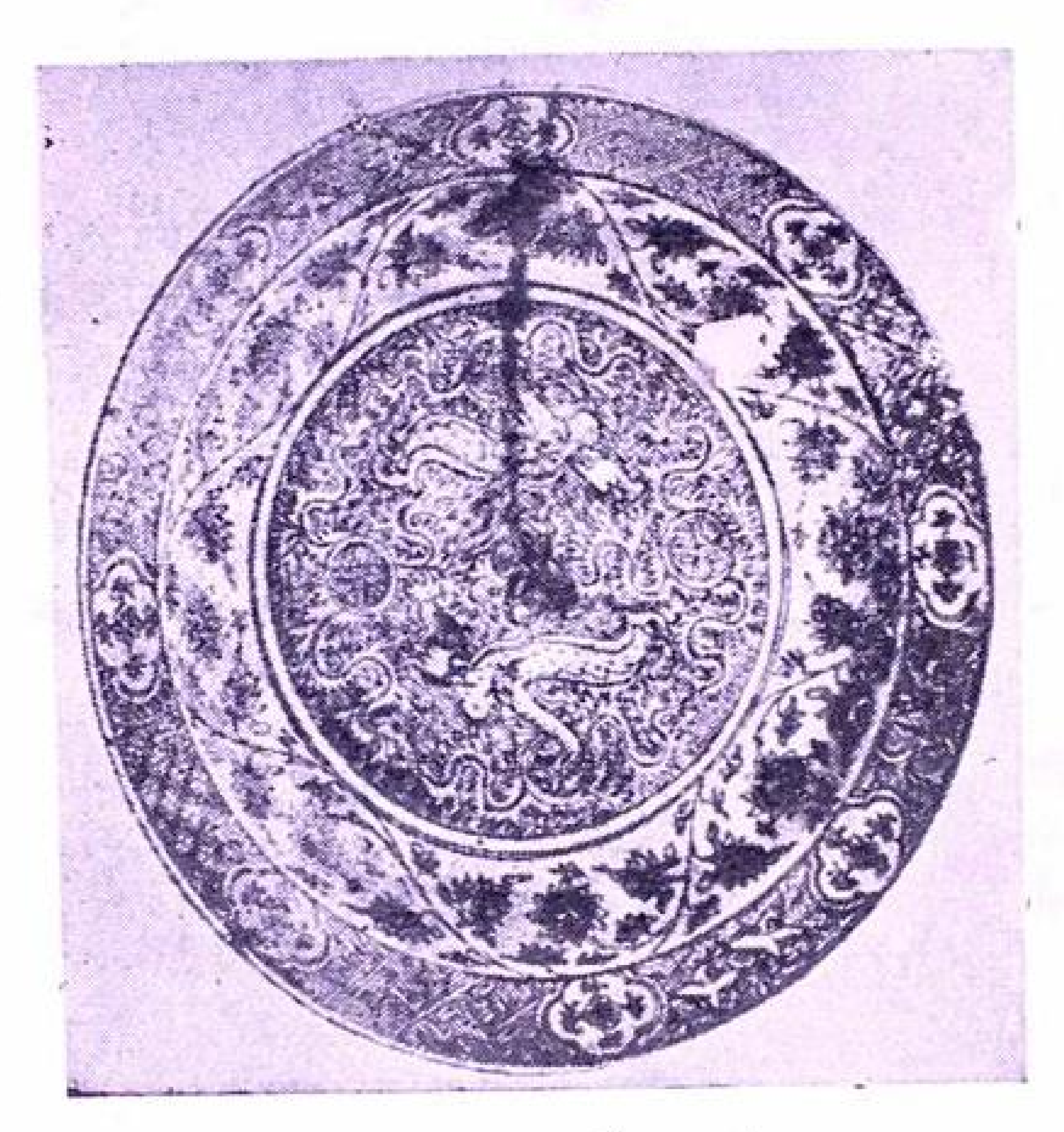
دوسرا یہ ہے کہ پندرھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں جب کہ کلیلہ ودمنہ کا فارسی ترجمہ ہوا، اس میں اُس مصور کا وصف جس نے اس مترجم نسخے کی تصویریں بنائی تھیں، یوں کیا گیا کہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ وہ کلیلہ ودمنہ کی تصویروں میں مُنہ بنالیتا ہے تو چینی نقاشوں کی روحیں وادیٔ تعجب میں حیران رہ جاتی ہیں کیوں کہ اس کی

---

(1) ARNOLD: PAINTING IN ISLAM: P. 109

(2) خریطۃ العجائب صہ ۱۶۸ (بقاہرہ)

متعلق صفحہ ۳۰۱



چینی نقش و نگار کی قاب (ایرانی)

(سترھویں صدی)

سحر خیز قلم نے چین کے مصورین کو حیرت اور تعجب کے عالم میں مسحور چھوڑ دیا۔

چین کا اثر فنی شاہ عباس کے زمانے تک رہا، بلکہ اب تک ہے اور اس دورِ طویل کے نمونے بہ کثرت ملتے ہیں۔ دیکھو سامنے کے صفحے میں۔ عام طور پر چین کا اثر، عنقا، تنین اور "کیلین" کی شکلوں میں، بادلوں میں، نیلوفر اور خشخاش کے پھولوں اور پتیوں میں اور مناظر طبیعی میں دکھائی دیتا ہے، اگر آپ کو کسی عربی یا فارسی نسخے میں ان چیزوں میں سے کوئی نظر آئے تو یقین کیجیے کہ چین کے فن مصوّری سے متاثر ہے اور اس تاثر اور تقلید کی حد کا اس مقدار سے اندازہ ہو سکتا ہے جو کسی زمانے کے اسلامی فنون میں پائی جاتی ہے۔

مسلمانوں کے فن تجلید میں بھی چین کا اثر پڑا ہے، یہ معلوم ہے کہ فن تجلید ایران میں. خصوصاً تیمور کے عہد میں درجۂ کمال تک پہنچ گیا۔ وہ بڑے خوب صورت نمونے جن پر چین کے مناظر طبیعی نظر آتے ہیں. بہت سے ایسے قلمی نسخوں پر پائے گئے ہیں جو ۸۴۲ و ۸۵۰ و ۸۸۷ھ = ۱۴۳۸ و ۱۴۴۶ و ۱۴۸۲ء کے ساختہ ہیں اور جواب استنبول کے متحّف اوقاف میں محفوظ ہیں۔ ان نسخوں میں ایک کے غلاف کے اندر جاموں کی شکل ہی جو جلد میں نقش کی گئی ہے۔ یہ ۸۵۰ھ = ۱۴۴۶ء کے آثار میں سے ہے۔ استاد دیماند کی ملکیت میں بھی اس قسم کا اور اس عہد کا ایک نمونہ موجود ہے جس میں عہد تیموری کے فن تجلید کا کمال دکھائی دیتا ہے۔ چینی فن نقش بندی اس میں غالب ہے جو مُڑی ہوئی پتّیوں اور دو عنقا کے لڑنے کی شکل میں صاف ظاہر ہے۔

. . . .

چینی فنون میں اسلام کا اثر :- اوپر کی سطور میں ہم نے چین کا اثر عربی فنون و صناعات میں دیکھنے کی کوشش کی جس کی مدد سے مزید تحقیقات کے دروازے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ تحقیق اور بحث کی اپنی قدرت اور وسعتِ معلومات کے مطابق، اب محققین کو چاہیے کہ جس بات میں اضافہ کرنا چاہیے اور اپنی مزید تفصیلات سے لوگوں کو مستفید فرمانے کی کوشش کریں۔ یہ تو چینی اثر در صناعات عرب اور مسلمین کے متعلق تھا۔ مگر صناعتی تعلقات میں اور ایک پہلو ہے۔ وہ اسلامی اثرات در صناعات چین کا ہے۔ اس واسطے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس پہلو کے متعلق بھی چند سطریں لکھوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ صناعات عرب اور فنونِ مسلمین میں چینی اثرات کے مقابلے میں چینی صناعات میں اسلام کا اثر کہاں تک اور کسی زمانے میں ہوا۔

"عرب سے قدیم چین کے تعلقات" سے جس سے ہم نے سفارتی تعلقات کی بحث میں بہت کافی اقتباسات کیے ہیں۔ ہم نے ایک چینی زبان کی کتاب کا نام معلوم کیا تھا جو پروفیسر چینوان (CHEN YAN) استاد تاریخ (جامعہ پکین) کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں اس نے "فنون اسلامیہ در چین" کے موضوع میں ایک خاص باب لکھا ہے[1]۔ میں نے اس کتاب کے حاصل کرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ خود پروفیسر موصوف کو دو خط لکھے جن میں اس کی درخواست کی گئی کہ ایک نسخہ خاکسار کے پاس روانہ

---

(1) ANCIENT CHINCE RELATION WITH THE ARABE - P. 303

فرماویں تاکہ یہ دیکھوں کہ اس فصل ہیں فنون اسلامیہ در چین کے متعلق کیا کیا خاص باتیں لکھی ہیں، مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ استاد شیخ عبدالرحیم ماسون ٹینگ جب ۱۳۵۵ھ کے رمضان میں مصر تشریف لائے تو ان کے واپس جاتے وقت بھی اس بات کی تائید کی گئی کہ جس طرح سے ہو سکے ایک نسخہ حاصل کر کے بھجوادیں۔ مگر ان کے کام زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کام کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے۔ اس حرمان کے باوجود مجھے ایک دوسرے ذریعے سے اس موضوع کے متعلق کچھ معلومات مگر اہم ملے۔ استاد برتھولڈ لوفر نے پاریس کے رسالۂ فنونِ اسلامیہ ہیں ...... ایک پُر از معلومات مقالہ لکھا جو "چین کے اسلامی برتر" کے عنوان سے شائع ہوا۔[۱] اصل ہیں پروفیسر لوفر نے دو مرتبہ چین کی زیارت کی تھی، ایک ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۴ء تک اور دوسرے ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۰ء تک اور دونوں مرتبہ علمی مہمات کی وجہ سے وہاں گئے اور اس کا بیان ہو کہ وہ خود بہت سے چینی مسلمانوں کی انجمنوں ہیں حاضر ہوئے اور بہت سے چینی آثارِ اسلامیہ کا مطالعہ کیا اور وہاں کی اسلامی سوسائٹی کے مختلف حالات کو دریافت کیا۔ اور زیارتِ چین کے اثنا ہیں اس نے ایسی بہت سی چیزیں جمع کیں جو چین کی اسلامی زندگی اور مظاہر سے متعلق ہیں۔ جن ہیں سے اسلامی کتبات کے نقشے ہیں چینی

---

[۱] ڈاکٹر محمد زکی ایمن دار الآثار العربیہ (القاہرہ) میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس مقالے کی تلخیص کرنے ہیں میری مدد کی۔ مصر ہیں اس رسالہ کا صرف ایک نسخہ دار الآثار العربیہ کی ملکیت ہو اور ڈاکٹر موصوف کی مدد سے مجھ کو اس سے اقتباس کرنے کی اجازت مل گئی۔

اور عربی زبان میں اسلامی مطبوعات ہیں۔ تسبیحیں ہیں، ٹوپیاں ہیں، جن میں سونے اور چاندی کے تاروں سے کام کیا گیا ہے اور جن پر عربی ضرب الامثال اور نصیحتیں لکھی ہیں اور اسلامی ظروف جن پر عربی اور چینی نقش و نگار دونوں موجود ہیں۔ ان چیزوں کو اس نے نیویورک کی "نیوبری لائبریری" (THE NEWBURY LiBRARY) کے لیے جمع کیا تھا۔

یہ مدنظر رکھتے ہوے کہ اسلام اوائل قرن ہجری چین میں داخل ہوا اور عہد مغول میں اس کی نہضت ہوئی اور اوائل عہد مینگ میں اس کی شان اور بڑھی اور اب تک چینی قوم کے اخلاق اور عادات پر اس کا کافی اثر ہے۔ یہ بات غیر معقول نہیں ہو سکتی کہ اسلام کا اثر چین کے صناعات اور فنون پر بھی پڑے۔ لیکن بحث کرنے والے اب تک اس موضوع کی طرف متوجہ نہیں ہوے گو کہ انھوں نے اتفاقاً کسی اور بحث میں اس کا ذکر بھی کیا ہو۔ اس عدم توجہ کا سبب غالباً ایسے مصادر کی قلت ہے جن سے کچھ اقتباس لیے جا سکیں۔ مگر استاد برتھولد لوفر نے جو چینی تمدّن اور مدنیہّ کے دلدادہ ہیں چینی تہذیب کے اس پہلو کی طرف بھی خاص طور پر توجّہ کی جو امم اسلامیہ سے متعلّق ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بڑی کوشش کی تھی اور یہ تحقیق کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ چین کے مدنیات پر اسلام کا بڑا اثر پڑا ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو کہاں تک اور وہ نمونے جن کو انھوں نے نیوبری لائبریری کے لیے جمع کیا تھا۔ چند اہم تمدنی مسائل کے حل کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں ان نمونوں سے یہ ثابت ہے کہ عہد مینگ کے صناعات میں خصوصاً بھرت کے برتنوں

میں بڑی حد تک اسلام کا اثر پڑا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نمونے جن کو استاد برتھولد لوفر نے جمع کیا تھا، چین کے اسلامی صناعات کے معدودے چند نمونے ہیں ان کی بڑی تعداد حوادث زمانہ اور گردش ایّام سے ضائع ہوگئی۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ ان اسلامی صناعات کے ایک اہم تعداد عامۃ الناس کے گھروں میں مخفی اور چین کے مختلف شہروں میں متفرق ہیں جن کی دریافت کرنے اور جمع کیے جانے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی اسلامی تمدن کے عالم اس مسئلے کی طرف توجہ کریں تو یقیناً کامیابی کا دروازہ ان کے لیے کھل جائے گا اور تھوڑی مدت میں ایک بڑا مجموعہ جمع ہو جانے کا امکان ہے۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ اسلام کا اثر کب سے چینی صناعات پر پڑنا شروع ہوا تو اس سوال کا جواب دینا صحت زمانہ اور واقع کے لحاظ سے کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن احتمالاً ہم یہ معقول سمجھتے ہیں کہ ظہورِ مغول سے کئی سو سال پہلے نویں اور دسویں صدی عیسوی میں جب کہ عرب اور ایرانی تجار کثرت سے چین وارد ہوئے، تو اس زمانے سے یہ اثر شروع ہو گیا ہوگا۔ مغول کے عہد میں تو یہ بہت صاف نظر آتا ہے کیوں کہ قبلائی خاں نے بعلبک اور دمشق سے منجنیق کے صناع چین بلائے اور اسماعیل و علاء الدین کا "سیانگ بانگ فو" میں توپ کا بنانا، اس بات کی بیّن شہادت ہے کہ چین کے امرائے مغول نے اسلامی صناعات وہاں نقل کرنے کی کوشش کی۔ اور فارسی مصدروں سے یہ ثابت ہے کہ مغلوں نے جب کہ بلاد اسلامیہ کو فتح کیا تو وہ بہت سے

مسلمان صناع عراق سے مغولیا کے قراقرم کو لے گئے۔[1] پروفیسر "چنیوان" کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ مسلم انجنیر نے جو تاریخ چین میں "یختیر"[2] کے نام سے مشہور ہے۔ قبلائی خاں کا شاہی محل، جسے ابن بطوطہ "خانقو" کہتے ہیں۔ خانبالق میں بنایا۔[3] پس ظاہر ہے کہ اس زمانے کے مسلمانوں کو چینی صناعات اور چین میں عربی یا اسلامی نقش و نگار کے استعمال کرنے میں بڑا دخل ہوگا

چودھویں صدی کے اواخر میں مغولوں کے چلے جانے کے بعد خاندان "مینگ کی حکومت ہوئی۔ اس عہد میں اسلامی صناعات نے چین میں بڑی ترقی کی اور خاص کر پندرھویں اور سولھویں صدی میں اور اس صناعت کا فروغ اٹھارھویں صدی تک باقی رہا اور گزشتہ صدی میں انحطاط کی طرف مائل ہو کر اب خاص ذکر کا مستحق نہ رہا۔

اور یہ بات کہ اسلام نے چینی صناعات میں کہاں تک اپنا اثر چھوڑا اور اس اثر کی حدود کیا ہیں؟ اس سوال کے متعلق ہم بالفعل کوئی جواب شافی نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ ہمارے تصرف میں اس وقت جو ماخذ اور مصادر ہیں وہ بہت ہی کم ہیں۔ مناسب ہے کہ جب تک ہمارے پاس کافی وسائل اور ذرائع جمع نہ ہو جائیں ہم اس امر کے متعلق آخری حکم نہ لگائیں اور انتقاد علمی کے لیے بھی مفصل گواہی کی ضرورت ہے جو اس وقت ہمارے پاس نہیں ہے۔

---

(1) DIMAND: P.68

[2] معلوم ہوتا ہے کہ یہ "بختیار" کی تعریف ہے اور یہ نام ترک اور ایرانیوں میں بہت مقبول ہے

(3) THE STUDY ISLMIC HISTORY IN CHINA

استاد لوفر نے اور ایک دشواری کا بیان کیا ہے جس کی وجہ سے یہ تحقیق نہیں کی جا سکی کہ اسلام نے خاص طور پر چین کی صناعت پر کیا اثر کیا اور عام طور پر وہاں کی ثقافت میں کیا حصہ لیا۔ دشواری یہ ہے کہ وہاں کے مسلمان ہمیشہ خاموشی سے کام کرتے ہیں۔ وہ بدھ مت والوں کی طرح نہیں ہیں جو اشتہار اور پروپیگنڈہ کی قیمت اور فوائد سے خوب واقف ہیں اور ان سے ہرگز نہیں تھکتے۔ وہ مختلف تدابیر سے اپنی ثقافت اور آثار مدنیہ کا اعلان کرتے رہے اور اس اعلان سے ان کو بڑا فائدہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ چین کی موجودہ تہذیب اور تمدن میں بدھ مذہب کا حصہ اور نفوذ، جلی اور واضح نظر آتا ہے، مگر کون ہے جو اس کا صحیح جواب دے کہ اسلام نے چین کی تہذیب اور تمدن میں کہاں تک اثر کیا ہے۔ غالباً کوئی جواب دینے والا نہیں ملے گا، کیوں کہ اسلامی ادبیات عربی زبان یا کسی اور زبان میں اس موضوع کے متعلق مطلقاً بحث نہیں کرتے۔ اس دشواری کی وجہ سے اب ہم یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اسلام نے جس کا داخلہ چین میں تیرہ سو سال قبل ہوا تھا اور جس کے پیرووں کا وہاں اب پچاس ملین کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چین کی موجودہ تہذیب کی تکوین کرنے میں کیا حصہ لیا؛ اور صناعات اور فنون کے علاوہ تمدن کے کسی اور پہلو میں اس نے کچھ اثر کیا ہے یا نہیں۔

اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو چاہیے کہ چینی صناعات و فنون، فن ظروف سازی اور مصوری اور منسوجات کی نقش بندی اور خصوصاً ان صناعات کا جو عہد مینگ سے متعلق ہیں۔ مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کریں اور اُن کے مناہج و اسالیب کا اسلامی صناعات

اور فنون سے مقابلہ کیا جائے تاکہ یہ تمیز ہو سکے کہ چین کے اصلی صناعات و فنون کے اسالیب کیا تھے اور اسلامی فنون اور زخارف سے متاثر ہونے کے بعد کیا کیا تبدیلیاں نظر آئیں۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی راہ نہیں ہو جس سے اسلامی اثر کی حد یا حصّہ معلوم کیا جا سکے۔

استاد لوفر کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے سب سے پہلے چینی فنون کے متعلق بحث کی وہ پروفیسر پالیو لوگ (M. PALEOLOGUe) تھا۔ اس نے اپنے نقطۂ بحث کو ظروف کی تین تصویروں سے واضح کیا، جن پر عربی حروف زیادہ خوب صورت شکلوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ مگر اس نے ان عبارات کا ترجمہ نہیں کیا، غالباً اس وجہ سے کہ عبارت صاف اور عام فہم تھی اور ترجمہ کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اس نے ان نمونوں کو استاد شیفر (SHUFFER) کے نفیس مجموعہ سے حاصل کیا۔ یہ پاریس کے مدرسۂ لغات شرقیہ کا صدر تھا جس نے خطائی نامہ کے کچھ حصوں کا ترجمہ کر کے اپنی کتاب "اہلِ چین سے مسلمانوں کے تعلقات" (TES RELAHONS DES MUSALMAN AUER CHINOIS) میں شامل کر دیا۔

ان ظروف کا سنہ ساخت جیسا کہ ان نمونوں میں کندہ کیا گیا ہو، اوائل پندرھویں صدی کی طرف منسوب ہو اور استاد پالیو لوگ کا خیال ہو کہ یہ تین قطعے جن کی تصویریں ان کی کتاب میں دی گئی ہیں، ایک ہی جوڑ کی چیزیں تھیں جن کو چینی مسلمان اپنے مذہبی رسوم میں استعمال کرتے تھے۔ اس سیٹ میں ایک چھوٹی ڈبیہ ہو جس میں خوش بودار لکڑی، اور بتّی رکھی جاتی ہو، اور ایک مبخرہ ہو جس میں بتّی یا خوش بودار

لکڑی کی تیلیاں جلائی جاتی ہیں اور ایک لمبا سا بکس ہے جس میں ان تیلیوں کو اٹھانے کا چمٹا رکھا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ چین کے مسلمان اپنے دینی مراسم اور مذہبی محافل میں بتیاں اور خوش بودار لکڑی کی تیلیاں جلاتے تھے اور اب تک یہی کرتے رہے ہیں، اس کے لیے ایک خاص آلہ جسے وہ اپنی زبان میں "شیانگ لو" (SCEUT LUERNER) کہتے ہیں۔ یہ چینی مسلمانوں کی خاص ساختہ ہے۔ اور جہاں تک اس عادت کا تعلق ہے ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا انھوں نے اس معاملے میں وثنی چینیوں کی تقلید کی ہے جن میں بتی جلانے کی عادت زمانۂ قدیم سے چلی آتی ہے، یا ایران کی۔ کیوں کہ ایرانیوں کے ہاں بھی یہ عادت موجود تھی اور نویں اور دسویں صدی میں ایران سے ایک قسم کی بتیاں آتی تھیں جن کو اہلِ چین ایرانی بتی پکارتے تھے۔ ان کے ادبیات میں "ایرانی بتی" کا ذکر بہ کثرت آیا ہے۔ اور اگر ہم اہلِ عرب کی طرف دیکھیں تو ہم یہ ہی پائیں گے کہ خوش بودار تیلیاں جلانا اب تک ان کے ہاں مروج ہے تب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ عادت ان کے ہاں سے آئی ہو۔ اس کے ثبوت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چین کے مسلمان خوش بودار بتیاں یا تیلیاں جلانا، دینی محافل میں خصوصاً مجالس وعظ اور ذکر کلام پاک میں ضروری سمجھتے ہیں۔

استاد پالیولوگ کے بعد بوشل (S.W. BUSHALL) نے اپنی کتاب "چینی فنون" میں تین تصویریں دی ہیں۔ ایک تانبے کا بنا ہوا مجمرہ ہے جس میں عربی عبارات ہیں اور یہ عہد "صوان تہ"

(SUAN TEH - ۱۴۲۶ - ۱۴۳۵ء) کی صنعت ہے۔ دیگر دوسری تصویریں زجاجی سفالین کی ہیں۔ دونوں پر عربی کلمات ہیں ان میں سے ایک عہد "یونگ جنگ" (۱۸۲۳ - ۱۸۲۵ء) کی صنعت ہے۔

اور جس نے اس صدی کے شروع میں چین کے فن اسلامی کے متعلق لکھا ہے، وہ پروفیسر کال (KAHLE) ہے جو اس وقت بون یونی ورسٹی میں (BONN UNIVEOSITZ) ہے اس نے "خطائی نامہ" کے سلسلۂ بحث میں جو ایک عالمِ ایرانی علی اکبر کی تصنیف ہے اور جو پروفیسر شیفر کے توسط سے یورپ کو معلوم ہوئی، اس فن اسلامی کی طرف بھی اشارہ کیا۔ پروفیسر کال کی تحقیق کے مطابق علی اکبر جو سولھویں صدی کا عالم ہے، چین جاکر وہاں دو سال تک (۱۵۰۵ - ۱۵۰۶ء) رہا۔ اور علی اکبر کے بعض بیانات سے یہ شہادت ملتی ہے کہ بادشاہ "ھبوچونگ" (HIOO CHUNG) دین اسلام کی طرف سخت مائل تھا اور مسلم شرفا اور علما کو اپنے دربار اور سرکاری وظائف میں ترجیح دیتا تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملوک مینگ میں سے ایک دوسرے حکمراں "چینگتہ" نے عربی زبان سیکھی جس کی وجہ سے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ وہ مسلمان ہوگیا، مگر آیا حقیقت میں وہ مسلمان ہوا یا لوگوں کا خیال ہی خیال تھا۔ یہ امر مزید تصدیق کا محتاج ہے جس کی تحقیق کرنا ہمارے موجودہ موضوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر اکثر صناعات اسلامیہ جن کا ذکر پروفیسر کال نے کیا تھا۔ ان بادشاہوں کے عہد میں بنی تھیں۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف ان کے میلان نے اسلامی فنون کے ترقی دینے میں

[illegible]

تعلق صفحہ ۴۱۰



نمبر ا۔ کانسہ کا چینی لوبان دان مورخہ ۱۴۳۱ء

نمبر ۲۔ نمبر ا کا زیریں حصہ

چینی صناعات ان زمانوں میں تیار ہوئیں۔اور ان صناعات میں سے وہ سفید زرد رنگ کی پورسلین تھی جو چینگ تہ (CHENG TEH) کے عہد میں تیار ہوئی۔ ان کی خصوصیات وہ عربی اور فارسی کلمات ہیں جن سے اس پورسلین کی نقش بندی کی گئی۔ اس صنعت کے نمونے استنبول میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

ہم نے کہا تھا کہ چین میں ایک قسم کے اسلامی ظروف موجود ہیں جو عہدِ "صوان تہ" (SUAN TEH - ۱۴۲۶ - ۱۴۳۵) کے بنائے ہوئے ہیں۔ استاد برتھولد لوفر نے جس کی سند پر یہ چند سطریں لکھی گئی ہیں، ان کی دو تصویریں دی ہیں۔ یہ بنجروں کی تصویریں ہیں جن میں اس وقت بھی اس قسم کے بنجرے بہ کثرت ملتے ہیں مگر ان دونوں کی خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں تاریخ موجود ہے اور چھ چینی حروف ہیں جن سے بعض اہم باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ استاد لوفر نے ان کو سیان کے ایک مسلم تاجر سے خریدا جو اس شہر کے مشہور اشیائے قدیم کا بیوپاری تھا۔ لوفر کے مطابق اس شہر کے فنون و صناعات کا بازار مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔

یہ دو بنجرے جن کو لوفر نے خریدا ہے، پکین کے شاہی کارخانے کے ساختہ تھے، ایک سنہ ۱۴۳۰ء میں اور دوسرا سنہ ۱۴۳۱ء میں بنا۔ تصویروں سے پتا چلتا ہے کہ دونوں کی صنعت نہایت دقیق اور خوب صورت تھی اور ان کا بنانے والا وو پانگ ٹو (WU PONG TO) تھا جس کا نام بنجرہ کے نیچے نقش کیا گیا ہے۔

استاد لوفر نے اس بنجرہ کے جو سنہ ۱۴۵۰ء میں بنایا گیا تھا، دو

عکس پاریس کے رسالے فنونِ اسلامیہ میں دیے تھے، یہ بادامی رنگ کے تھے جو عہد "صوان تہ" کے فن کی ممتاز خاصیت ہے۔ ان میں کلمہ طیبب یعنی "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہایت خوب صورت خط میں منقوش ہے۔

استاد لوفر نے وو پانگ ٹو کے اغراض پر بڑی لمبی بحث کی ہے جس کے ماتحت اس نے ان کلمات کو اس مجمرہ میں نقش کیا ہے جو دین اسلام کا اصل الاصول ہے۔ اس موقع پر وہ مختلف سوالات کرتا ہے اور یہ پوچھتا ہے۔" اس سے مقصد بادشاہ "صوان تہ" کو اسلام کی طرف مائل کرانا ہے یا صرف عربی حروف کے جمال کا اظہار مقصود ہے یا اس سے اپنی ترقی چاہتا ہے کہ وکیلِ وزارت اشغال کے رتبہ سے بڑھ کر دوسرے سال میں وزیر کے رتبے پر فائز ہوا"۔ ہر احتمال سے وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ" وو پانگ ٹو" ایک پکا مسلم تھا، قوی الایمان اور دولت کا خیر خواہ تھا۔ استاد لوفر نے اپنے دلائل کی تائید میں ان بڑے بڑے مسلمانوں کا ذکر بھی کیا جو اس وقت سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔

لوفر کے مجموعے میں سے دو برتن کئی ٹکڑوں سے مرکب تھے اور ہر ٹکڑے کے درمیان عربی زخارف دکھائی دیتے ہیں۔ مگر وہ زیادہ واضح نہیں، اور پڑھنا مشکل۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس میں ارکانِ اسلام لکھے ہوئے ہوں گے۔ مثلاً توحید، نماز، روزے، حج اور ذکر و شکر وغیرہ۔ یہ دو برتن صنعت اور ترکیب اور عربی عبارات کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ مگر دوسرے کا کنارہ شش قوسی ہے اور پہلے کا بالکل مستدیر۔

متعلق صفحہ ۴۱۳

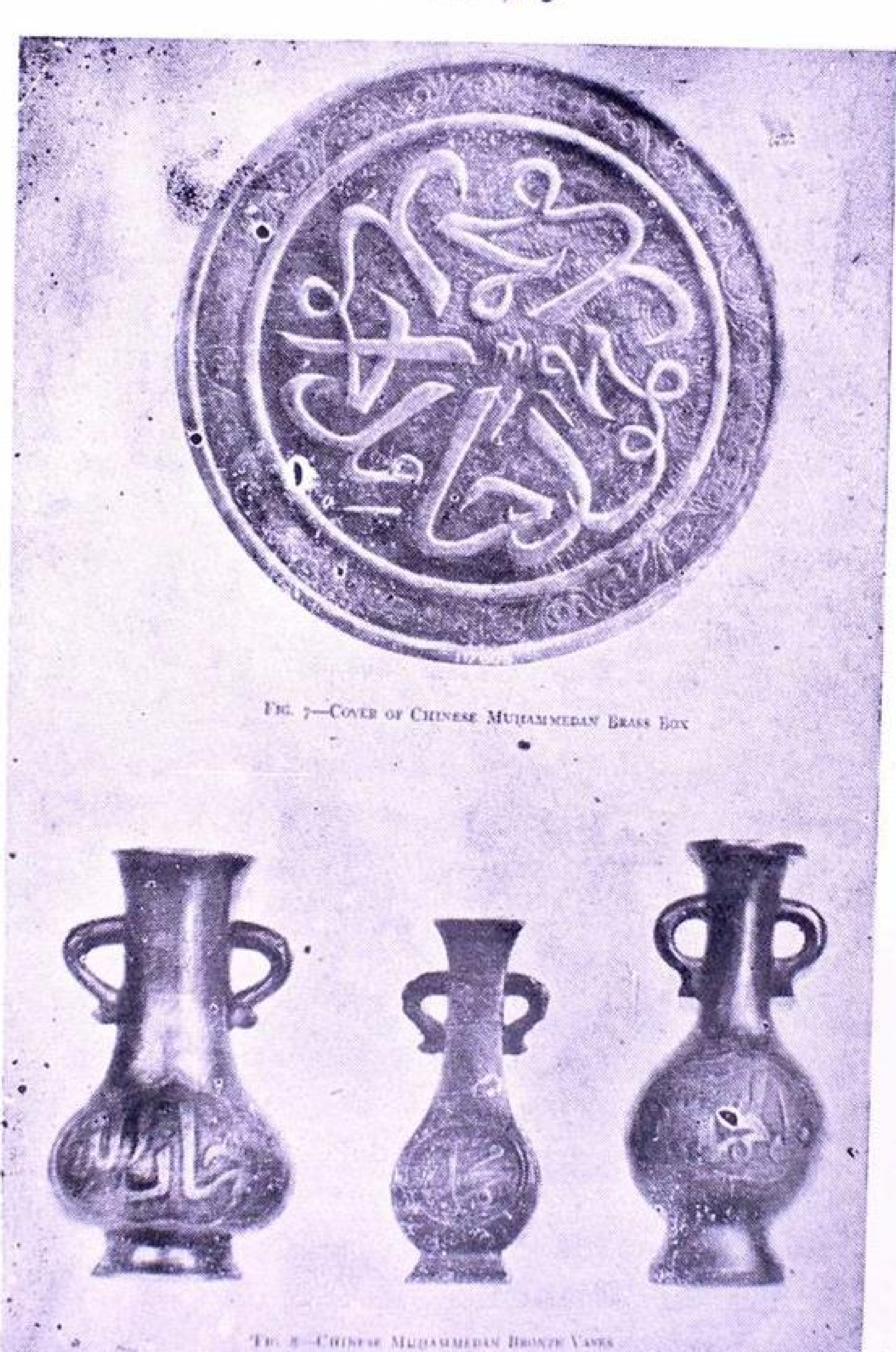


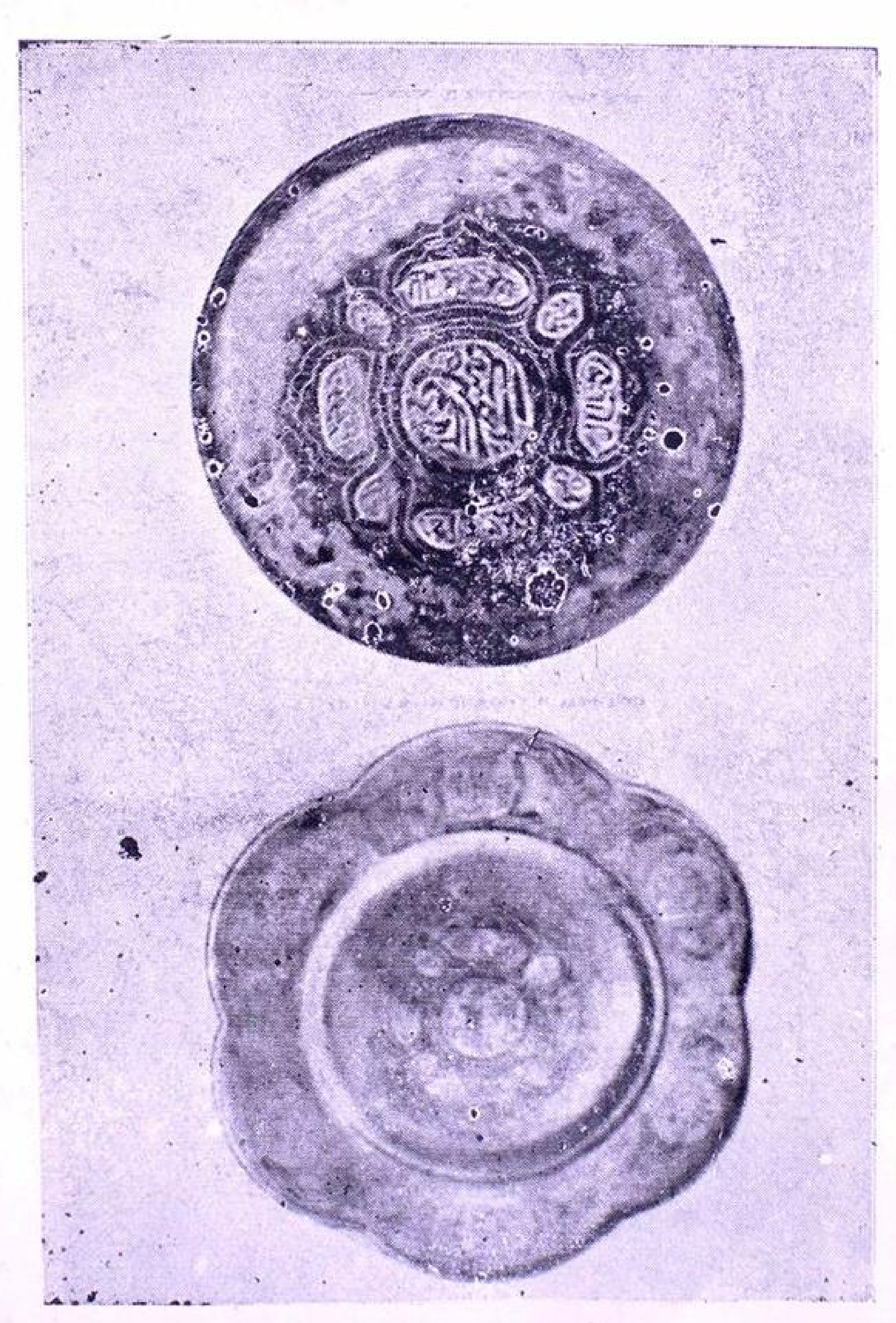
FIG. 7—COVER OF CHINESE MUHAMMEDAN BRASS BOX

FIG. 8—CHINESE MUHAMMEDAN BRONZE VASES

نمبر ۱۔ ایک پیتل کی ڈبیا کا چینی ڈھکنا جس پر اسلامی حروف ابھرے ہوئے ہیں

نمبر ۲۔ گلدان کانسے کے جن پر اسلامی حروف ہیں

متعلق صفحہ ۳۱۴



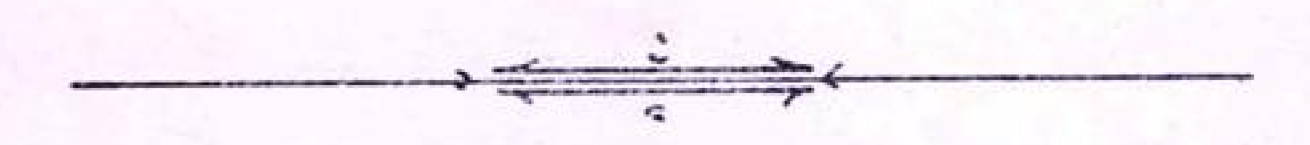
ایک ڈبیا کا ڈھکنا جو عربی حروف سے مزین ہو

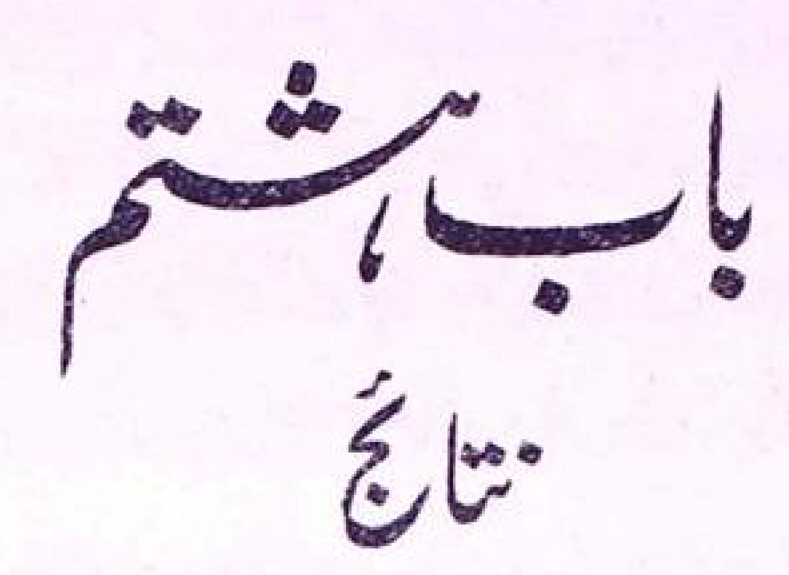
ــــــــــ شکل میں ایک ڈبیا کا ڈھکنا ہے جو عربی حروف سے مزین ہے۔ اس میں جو کلمات ہیں وہ صاف پڑھے جاتے ہیں "محمد، محمود، احمد، حامد" نہایت خوب صورت خطوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس ڈھکنے کے خارجی حواشی میں عربی نقش بندی نظر آتی ہے،

اور تین پھول دان آخر عہد "مینگ" کی صنعت ہیں۔ ہر ایک میں دو خوب صورت دستے ہیں۔ بائیں اور درمیان والے پھول دان کی گردن پھولوں کی اشکال سے سجائی ہے۔ بائیں طرف کے پہلے گُل دان میں "سبحان اللہ" لکھا ہے، اور دوسرے میں "محمدؐ" اور تیسرے میں "والحمد اللہ" ان نمونوں سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ چین کے فنون اسلامیہ کے عہد "مینگ" میں بڑی شان تھی اور امراء اغنیار اس قسم کی صنعت کا اہتمام کرتے تھے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ عہد مینگ ہی وہ عہد تھا جس میں اسلام کو ہر اعتبار سے ترقی ہوئی۔ ادبی اعتبار سے، فنی اعتبار سے، سیاسی اعتبار سے اور صناعتی اعتبار سے۔ مگر عالم اسلام کو چین سے اس وقت تک قطع تعلقات رکھنے کی وجہ سے ان حالات سے بہت کم واقفیت ہے۔ بہر حال ہم یہ امید کرتے ہیں کہ ہمارے واپس جانے پر ہم اس موضوع کی طرف اور مزید توجہ کر سکیں گے اور بہت ممکن ہے کہ چین کے فنون اسلامیہ کے متعلق ہم ایسی معلومات جمع کر لیں جن کو دیکھ کر ہر سچا مسلم سرشار ہو جائے گا۔

یہاں ہم کو یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ دو طرز کی مختلف خوش خطی عربی اور چینی جو ایک دوسرے سے بالکل کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ چین کی اسلامی صناعات میں اس خوبی سے آمیز کی گئی ہے کہ دونوں میں کسی قسم کی وحشت اور تصادم نظر نہیں آتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عربی

حروف نے اپنی فنی صلاحیت کو چین کے فنون میں ظاہر کیا اور یہ ثابت کیا کہ وہ چین کے ذوق فنی کے مطابق ہے، اور اہلِ چین اس کے جلال اور جمال کے دلدادہ ہو گئے اور ان دو طرز کے ازدواج اور تقرب سے، چین کے فنون میں ایک نئے فن کا ظہور ہوا، جسے "چینی اسلامی فن" کہنا چاہیے اور جس کا وجود عہد "مینگ" سے قبل چین میں نہ تھا۔





ان تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم مناسب سمجھتے ہیں، کہ ان کے نتائج سے بحث کریں۔ پہلے یہ معلوم ہو چکا ہو کہ ان تعلقات کے چھ پہلو تھے۔ سیاسی، علمی، دینی، تجارتی، سفارتی اور صناعی یا فنی۔ مگر جن تعلقات سے خاص نتائج مرتب ہوئے، میرے خیال کے مطابق تین ہی ہیں، یعنی سیاسی، دینی اور تجارتی۔ اغلب نتائج تجارتی تعلقات سے مرتب ہوئے۔

جہاں تک سیاسی تعلقات کے نتائج کا تعلق ہو، خشکی سے اسلام کا شمال اور غرب چین میں داخلہ ان علاقوں میں چین و عرب کے اختلاط اور صناعت کاغذ کی اشاعت کا باعث ہوا۔ پہلے ممالکِ اسلامیہ میں پھر بلاد یورپ میں۔

ہم کو یہاں لفظ 'کاغذ' کے متعلق کچھ کہنا ہو۔ اس لفظ کا استعمال عربی اور فارسی کتابوں میں بہ کثرت ہوتا ہو۔ اور تیرھویں صدی عیسوی میں ابن بطوطہ نے "کاغذ" کو ایک عربی لفظ کی طرح استعمال کیا اور عربی قاعدے سے "کاغذ" کی جمع "کواغذ" لکھی ہو۔ بہت سے علمائے اسلام

کا خیال ہے کہ یہ فارسی لفظ ہے اور عربی کتابوں میں بہ کثرت آنے سے اس پر عربی قاعدہ جاری کر دیا گیا، مگر زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کی اصل فارسی نہیں بلکہ چینی ہے۔ وہ کاغذ جس کو اہلِ چین شجر توت کے چھلکے سے بناتے تھے، اپنی زبان میں (KUKDZ) کہلاتے تھے۔[1] جنگ تالاس (TALAS) کے بعد اس لفظ نے فارسی زبان میں کاغذ کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس کا استعمال وہاں عام ہو گیا۔ بعد میں جب کہ ایران کا تمدنی اثر عربی زبان پر پڑنا شروع ہوا تو یہ لفظ دیگر فارسی الفاظ کے ساتھ عربی زبان میں آگیا اور اب ایک کلمہ معرّبہ کی طرح عربی زبان میں مستعمل ہے۔

یہ کہنا کہ خشکی کے راستے سے اسلام کا چین میں داخلہ، سیاسی تعلقات کا ایک نتیجہ ہے۔ نہایت واضح اور بیّن ہے جس کی شرح کے لیے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ قتیبہ بن مسلم کا کوچ ایشیائے وسطی کی طرف اور ۹۶ھ = ۷۱۵ء میں کاشغر کی فتح سے حکمرانِ چین کو احساس ہو گیا تھا کہ اسلام اب اس کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور صورت حال اس سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسلام کے قبول اور اس کے احکام ماننے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں قتیبہ بن مسلم نے ایک وفد ہبیرت بن شمرج کے زیر رسالت بادشاہ چین کے پاس بھیجا اور تین باتوں میں سے ایک کا اختیار چین کے حکمران کو دیا گیا: اسلام کا قبول یا جزیہ کا ادا کرنا۔ ورنہ جنگ۔

اگرچہ قتیبہ بن مسلم کی امیدیں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات

---

(1) LAUFER SIVO IRANICA. P.

کے سبب سے عملی صورت میں ظاہر نہ ہو سکیں، پھر بھی چند روز کے بعد چین کے داخلی حالات میں کچھ ایسا تغیر ہوا جس کی وجہ سے چینی خود بہ خود قوت اسلام کے استقبال کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ ہیبت ناک اور زبردست بغاوت جو "آن لوشان (AN LUSHAN) کی شخصیت میں ظاہر ہوئی، اور جو ۷۵۴ء سے ۷۵۸ء تک برابر قائم رہی۔ اس نے بادشاہ چین کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ اسلامی قوتوں سے مدد مانگے۔ اس امید پر کہ ان کی مدد سے یہ بغاوت فرو ہو جائے اور سلطنت پھر اس کے ہاتھ میں آسکے۔ چناں چہ کئی ہزار مسلمان فوج جو تاتار، ایغوری اور عرب پر مشتمل تھی۔ بادشاہ "شیو چونگ" کی مدد کے لیے "یعبور" کے زیر قیادت آئی۔ ان کی قوت و شوکت سے اس بغاوت کا استیصال ہوا جو "شیو چونگ" کی حکومت کے ارکان کو ہلا رہی تھی، اور اس کی زندگی بھی خطرہ میں پڑ گئی تھی۔

ان کی اس خدمتِ عظیم کے بدلے میں بڑے اکرام اور اعزاز کیے گئے اور ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہے وہ چین میں اقامت کریں اور چاہے وہ واپس جائیں۔ جن لوگوں نے دارالسلطنت چین میں اقامت اختیار کی ان کے لیے مسجد اور مہمان خانوں کی تعمیر کی گئی۔ یہاں تک کہ چین کی آب و ہوا ان کے موافق آئی۔ وہاں کے حالات سے خوش ہو کر ان میں سے اکثر نے شمالی چین میں دائمی سکونت اختیار کر لی اور اس وقت سے ان کی تعداد بڑھنے اور پھیلنے لگی۔

فطرتی طور پر ان کی زندگی وہاں مستقر اور مطمئن نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ ان کے ساتھ بال بچے نہ ہوں۔ عرب سپاہی جنگوں کے

زمانے میں ابن اثیر کے مطابق اپنے بال بچے اور بیویوں کو سمرقند اور دیگر شہروں میں رکھتے تھے۔ ترکستان اور دیگر علاقوں میں بھی ان کی آبادی تھی اور جہاں وہ بس گئے اسے اپنا وطنِ جدید سمجھ لیا۔ اور وہ لوگ جو حکمران چین کی دعوت پر وہاں گئے اپنے اہل و عیال لے کے نہیں گئے۔ اس حالت میں جب کہ وہ وہاں دائمی سکونت اختیار کرنے لگے تو طبیعی طور پر ان کی خواہش یہ ہوئی کہ نئے گھر آباد کریں، اس کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اپنی اصلی بیویوں کو جو ایشیائے وسطی میں چھوڑ کے آئے تھے، چین لے جائیں، یا چینی عورتوں سے شادی کرلیں۔ چناں چہ اکثر مسلمان سپاہی جو "بادشاہ شیو چونگ" کی مدد کو آئے تھے، چین میں شادی کر کے وہیں ہمیشہ کے لیے آباد ہو گئے۔ بعد میں ان کی نسل بڑھی۔ یہاں تک کہ ایامِ متاخرہ میں شمال چین میں ایک نئی نسل کا ظہور ہوا جو اس سے پہلے چین میں موجود نہ تھی۔[1]

جو لوگ شمال و مغرب چین کے مسلمانوں کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہیں ان کا قول ہے کہ ان علاقوں میں تین قسم کے مسلمان اس وقت پائے جاتے ہیں۔ ایک قسم جس میں عربی خون غالب ہے اور دوسری جس میں ایغوری خون ملا ہوا ہے اور تیسری مغولی خون سے ہے۔[2] صورت اور قد قامت کے لحاظ سے جو سب سے زیادہ خوب صورت اور موزوں ہے وہ نسل ہے جس میں عربی خون ہے۔ پھر اس کا نمبر آتا ہے، جو ایغوری نسل

---

[1] چینی مسلمان، ص۱۰

(2) C.I. ANDREW THE ERESCENT IN THE NORTH WERTERN CHINA. P. 12

سے متعلق ہو۔ ان کی قامت طویل، اعضا قوی، ناکیں اونچی، سر لمبے، پیشانی چوڑی، آنکھیں بڑی اور ڈاڑھی ان لوگوں سے مشابہ ہو جو شمالی ہند، جنوب افغانستان اور بخارا میں بستے ہیں۔ یہ لوگ احکامِ اسلام کے بڑے پابند ہیں اور عربی و فارسی زبان کے دلدادہ ہیں۔ ان میں بڑے بڑے علما پیدا ہوئے جو حدیث اور فقہ کو خوب سمجھتے تھے، مگر وہ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ مائل نہ تھے، بلکہ علمائے عرب، عجم، مصر، ہند اور استنبول کی تصانیف پر خواہ وہ کتب دینی ہو، یا لسانی اکتفا کرتے تھے۔

....

دینی تعلقات کے نتائج کئی ہیں۔ مساجد کی تعمیر اور مسلمانوں کی تعداد کا بڑھنا، عربی اور فارسی زبان کا دینی اغراض کے لیے چین کی اسلامی قوم میں مروج ہونا اور بعض علومِ عربیہ کا چینی زبان میں منتقل ہو جانا یہ سب دینی تعلقات کے نتائج میں گنے جا سکتے ہیں۔

یہ طبیعی بات ہو کہ مساجد کی کمی اور زیادتی اشاعت اسلام اور چینی مسلمانوں کی تعداد پر موقوف ہو۔ پہلے یہ امر معلوم ہو چکا ہو کہ "تانگ تائی چونگ" کے عہد میں اسلام کا داخلہ چین میں ہو چکا تھا۔ عہد "سونگ" (۹۶۰ - ۱۲۷۶ع) میں اس کی اشاعت آہستہ آہستہ ہوتی رہی اور عہد یوان (مغول ۱۲۷۷ - ۱۳۶۷ع) اور عہد مینگ (۱۳۶۸ - ۱۶۴۳ع) میں اس کی خوب ترقی ہوئی اور اس ترقی کے آثار چین کے مختلف شعبوں میں نظر آئے۔ مگر مانچو کا عہد، مسلمانوں کے لیے مصائب اور آفات کا زمانہ تھا اور اس عہد میں ہزاروں مسلمان فنا ہو گئے اور

جو زندہ بچ کر باقی رہ گئے، وہ نہ آزادی کا سانس لے سکتے تھے اور نہ ترقی کی راہ پر قدم رکھ سکتے تھے۔ اس عہد طغیانی میں وہ دینی اور اقتصادی حیثیت سے بالکل مقید اور مختلف پابندیوں سے جکڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ ادبی میدان میں بھی ان کو آزادی نہ تھی۔ ان کو آزادی جو ملی صرف مساجد میں سجدہ کرنے کی اور وہ ۱۹۱۱ء کے انقلاب تک اسی تاریک اور گری ہوئی حالت میں رہے۔

چین میں مسجدوں کی تاریخ تعمیر ۴۲ھ میں شروع ہوتی ہے۔ اس سال پہلی مسجد کی تعمیر شہر "چانگ آن" میں ہوئی۔ پھر دوسرے شہر کانتون میں اور تیسرے شہر نانکین میں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں مسجدیں عہد "تانگ" کی تعمیر کردہ ہیں۔ پہلی مسجد کی تعمیر ان مسلم سپاہیوں کے لیے ہوئی جو ترکستان اور ماوراءالنہر سے آئے تھے اور بعد میں دارالسلطنت چین میں سکونت پزیر ہوئے اور دوسری اور تیسری ان تجار کے واسطے جو بحری راستے سے چین پہنچے۔ ان میں سے اکثر عرب ہوتے تھے، مگر بعض ایرانی بھی تھے۔ عہد "سونگ" میں اسلام کی کچھ تھوڑی اشاعت ہوئی۔ ان تجارتی تعلقات کی وجہ سے جن سے چین و عرب کے روابط مستحکم ہو گئے تھے، تو مسلمانوں نے اور مساجد شہر "چوان چاؤ" اور "ہانگ چاؤ" میں بنائیں۔ اور ان مساجد کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام کی اشاعت آخر عہد "سونگ" تک صرف چین کی چند بندرگاہوں میں محدود رہی۔ جن کے ساتھ مسلمانوں کی تجارت ہوتی تھی، مگر سیاسی میدان میں مغول کا ظہور اور ان کا چین پر تسلّط۔ اس سے اسلام کو دیگر ولایات

میں پھیلنے کے لیے اچھے موقعے مل گئے، یہاں تک کہ خانبالق ہی میں سولہ مسجدوں کی تعمیر کی گئی۔ جن میں سے چھو کے مصارف امیر آننده نے اپنے ذمے لیے تھے[1] ایک لاکھ آدمی ان میں نماز پڑھ سکتے تھے۔ اور باقی مساجد "شیکوم" کی تعمیر کردہ تھیں اور ان نئی مساجد کے باوجود بہت سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔

اسلام کی ترقی اور اشاعت عہد مغول میں بجلی کی طرح چین کے صوبہ جات میں ہونے لگی۔ علما حیران تھے کہ اس تیز رفتار کی وجہ کیا ہے۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ آیا عہد مغول کے مورخین نے اپنے بیان میں مبالغہ کیا۔ عہد مغول کی حکومت میں جو بارہ ولایات تھی۔ آٹھ پر مسلم حاکم تھے اور ان کے علاوہ وزیر مالیہ سید اجل اور وزیر حربیہ علی یحییٰ ایوغوری تھے۔

چین میں اسلام کا چرچا اور ترقی، دولت مغول کے انقراض کے بعد بھی باقی رہی۔ وجہ یہ تھی کہ بہت سے مسلم زعما نے چینیوں کو حکومت مغول کے الٹ دینے میں مدد دی، اور جب کہ خاندان "مینگ" (MING) کی حکومت قائم اور مستقل ہوئی تو ان مسلم زعمار کو بڑے بڑے عہدے ملے۔ اگر آپ تاریخ مینگ کے اوراق الٹ کر دیکھیں تو آپ کو بہت سے بڑے اسلامی نام نظر آئیں گے۔ یہ لوگ اس نئی حکومت کے ارکان اور ستون تھے اور بڑی بھاری خدمات انجام دیتے تھے۔

عہد 'مینگ' میں اسلام کی ترقی کا آپ ان مساجد سے اندازہ کر سکتے ہیں جن کی تعمیر ان ایام میں ہوئی۔ اس وقت چین میں کئی ہزار مساجد ملتی

---

[1] الاسلام و ترکستان الصینین ص

(2) BLOCHET INTRODUCTION. P. 95

ہیں۔ ان میں سے ایک کی تاریخِ تعمیر اس عہد سے منسوب کی جاتی ہے اور پتھروں کے کتبے جو ان مساجد کی یادگار کے لیے نصب کیے گئے، اکثر عربی اور فارسی زبان میں لکھ کر کندہ کیے گئے اور بعض ترکی زبان میں۔ یہ مساجد دیگر زمانوں کی مساجد سے اس لیے ممتاز نظر آتی ہیں کہ ان کی عمارات بڑی بڑی، اور رقبے لمبے چوڑے اور شکل وہیئت میں کانفوشیوس کے بڑے ہیکلوں کی طرح ہے، جن سے ہیبت اور جلال ٹپکتا ہے۔ جامع "نیوکائی" اور جامع "تونگ سی پای لوی" جو پکین میں ہیں ان مساجد کے نمونے سمجھنے چاہییں۔

عہد مینگ (۱۳۵۰ - ۱۶۵۰ء) کے بعد چین میں اسلام کی اشاعت موقوف ہوگئی، اس لیے کہ وہ اسباب جن سے مسلمانوں کی ہمت افزائی ہوتی تھی غائب ہوگئے۔ مانچو حکام، مسلم افسروں سے نفرت کرنے لگے اور سرکاری وظائف اور انتظامی ادارات پر ان کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ مانچو حکام کو مسلم افسروں سے یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خاندان مینگ کے حامیوں کے ساتھ اتحاد کرکے کوئی بغاوت کر بیٹھیں۔ مسلمان خاندان مینگ کے انصار تھے۔ اور اس خاندان کے عہدِ حکومت میں بڑے بڑے کام ان کے ہاتھ سے انجام پائے۔ مگر مانچو کے عہد میں ان کے ساتھ خاندان مینگ کے افراد کی طرح سلوک کیا گیا۔ ان زبردست موانع کی وجہ سے اسلام کو مانچو کے عہد میں کوئی نیا معتقد نہ ملا، بلکہ حالت اس کے برعکس نظر آئی، یعنی ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ان بغاوتوں میں فنا ہوگئے جن کا علم انھوں نے مانچو حکام کے مظالم سے تنگ آکر

غرب اور جنوب چین میں اٹھایا تھا مظالم کا پیالہ لبریز ہو گیا تھا، اور مسلمانوں کو مزید صبر کی طاقت نہ رہی، خروج کا جھنڈا بلند کیا اس امید پر کہ کوئی نجات کی راہ مل جائے، مگر حکامِ وقت کے ہاتھ لوہے کی طرح سخت تھے، اور مجاہدین نصف صدی کے مقابلے اور جنگ کے بعد آخر شکست کھاکر، شہادت کے سایے میں ہمیشہ کے لیے سو گئے۔

ان دردناک حوادث اور وقائع کا بیان کرنے کے لیے بڑی بڑی جلدوں کی ضرورت ہے۔ مگر ان مصائب اور آلام کے باوجود مسلمانوں نے چین میں اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھا۔ گو کہ سیاسی اور سرکاری ادارات میں ان کی کوئی آواز نہیں تھی۔ مگر ادبی میدان میں ان کے گھوڑے تیزی سے دوڑنے لگے۔ اور اگر حکومت اس وقت ان کی ادبی ترقی کو نہیں دباتی تو بہت امکان تھا کہ ان کی ادبی تحریکیں اور ذہنی بیداری غیر مسلم سوسائٹی میں پھیل جاتیں، مگر اللہ کی مشیت یہ نہ تھی۔

اس ذہنی بیداری کے آثار میں سے "لیوتش (LIU CHIH) اور مافوٹو (MA FOO TCHUH) کی تصانیف ہیں[1]۔ یہ تصانیف اپنے خاص امتیازات کے ساتھ چین کے اسلامی ادبیات میں ہمیشہ باقی رہیں گی۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ "لیوتش" کی ایک کتاب جو سیرت کے موضوع پر ہے، انگریزی زبان میں (THE ARABIAN PROFHER) کے عنوان سے ترجمہ ہو کر شائع ہوئی ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ "مافوٹو" اور "لیوتش" کی تصانیف سے بہت سے غیر مسلمان بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسلام کے محاسن اور اس کے افکار کی بلندی

---

[1] چینی مسلمان میں دیکھو ص ۱۰۱-۱۰۴

کے سمجھنے کے لیے وہ ان دونوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ عصر "مینگ" کے بعد چین میں اسلام اپنی اشاعت اور دعوتِ عمل میں ان خارجی عوامل اور اسباب سے محروم رہ گیا، جو عہد "مینگ" اور اس سے قبل کے زمانوں میں تھے۔ مثلاً تجارت، سفارات کے تبادلے سرکاری منصب وغیرہ سے ان ایام میں اس کو بڑی تقویت ہوتی تھی۔ مگر اس حرمان کے باوجود ایک طبیعی اور فطری سبب جسے اللہ تعالیٰ نے چین میں اسلام کی حفاظت کے لیے مہیا کیا تھا، خاموشی سے کام کرتا رہا اور اسلام کو انحطاط اور زوال سے محفوظ رکھا۔ چینی مسلمانوں کا مسکرات سے پرہیز اور مخدرات سے اجتناب، ایسے طبیعی اسباب ہیں جن سے ان کے قوائے جسمیہ ضعف سے محفوظ رہتے ہیں۔ عام طور پر آپ وہاں کے مسلمانوں کو اقوی الاجسام دیکھتے ہیں۔ ان وثنی چینیوں کے مقابلے میں جن کے اعصاب مضطرب اور صورتیں بگڑی ہوئی ہیں، کیوں کہ وہ کھانے پینے میں ایسی چیزوں سے پرہیز نہیں کرتے جن سے سوائے پیٹ بھرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

یہ وہ قوت مخفی ہے جو چین کے مسلمانوں کو نہ صرف باقی رکھے جاتی ہے بلکہ باقی رکھ کر اس کے قابل بنا دیتی ہے کہ حلال کے کمانے میں تکلیفیں برداشت کریں اور اس میدانِ عمل میں کود پڑیں جس میں سوائے قوی البدن اور مضبوط ہاتھ کے اور کوئی نہیں کما سکتا۔ چین کے مسلمان مانچو کے عہد میں سنگین مظالم کے باوجود، تجارت اور زراعت کے ذریعے سے اپنی مالی حالت کو یہاں تک بچائے رہے کہ وہ ایک

بڑی تعداد اولاد کفار چین کی تربیت پر قادر ہوے۔ جن کو ان کے والدین
نے آفات سماوی کے سبب سے جیساکہ قحط، سیلاب وغیرہ موت کے
حوالے کردیا تھا۔ اس قسم کی فطری یا سماوی آفات برابر لوگوں کے
گھروں میں پہنچ جاتی ہیں اور ہزار در ہزار قربانیاں مانگتی ہیں۔ ایسے
موقعوں پر وہ بچّے جن کے سر سے والدین کا سایہ اٹھ گیا یا راستے کے
کنارے بلا ماوی و ملجا کے چھوڑ دیے گئے ان کو مسلمان اٹھاکر لاتے
ہیں اور اپنے گھر میں اپنی اولاد کی طرح ان کی تربیت کرتے ہیں۔

یہ ہے دوسرا طبیعی سبب جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد، مانچو
کے عہد میں بھی بڑھی، خصوصاً اس کے آخر ایام میں جب کہ تمام امرا
اور اغنیا فسق و فجور میں ڈوبے ہوے تھے اور آسمانی آفات ان کے سر پر
آپہنچی تھیں اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔ اور جہاں تک چین میں مسلمانوں
کی تعداد کا تعلق ہے۔ صحیح قراین تخمین کی بنا پر چار کروڑ سے کچھ زیادہ ہے
اور بعض اقوال کے مطابق پانچ کروڑ تک ہو گئے ہیں[1]۔ یہ لوگ چین
کے مختلف ولایات اور شہروں میں آباد ہیں، ان کی خاص پوزیشن ہے
جہاں وہ رہتے ہیں اور صوبجات "یوننان"، "قانصو" اور اس کی
ہمسایہ ولایات میں ان کا غلبہ ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی اور دینی
مراکز چین میں وہ مساجد ہیں جن کی انھوں نے وقتاً فوقتاً تعمیر کی۔ تاکہ
ان کی اجتماعی زندگی اور ان حقوق کی حفاظت کی جائے جن کے وہ مستحق

---

[1] "چینی مسلمانان" کے آخر باب میں باشندگان مسلمانان چین کے متعلق بحث کی گئی
ہے اور مختلف آرا کے ساتھ میں نے اپنی دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔

ہیں۔ اور اگر یہ مساجد نہ ہوتیں، تو بہت ہی ممکن ہے کہ وہ دہریت اور وثنیت میں جذب ہو جاتے جو موجودہ چین کے عام مذہب ہیں اور بعد میں چین کی تاریخ میں ان کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے مساجد ہی وہ مراکز ہیں جہاں جا کر وہ اجتماعی مشکلوں کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہیں مسلم سے مسلم کا تعارف ہوتا ہے اور ایک دوسرے کا معاون اور مددگار بن جاتا ہے۔ اس وقت جب کہ گردشِ ایام ان کو بُرے دن دکھاتی ہے یا مصیبت ان کے سر پر آ پہنچتی ہے، مساجد ہی میں آبِ حیات ہے جسے پی کر مریض شفا پاتا ہے، اور فضیلت کی گولیاں ہیں جن کو کھا کر گری ہوئی ہستیاں پھر اُٹھتی ہیں۔ ان میں زبردست قوت موجود ہے جس سے مسلمانوں کی زندگی خطرے اور فساد سے محفوظ رہتی ہے۔ یہی تعلیم اسلام کا مرکز اور فضیلتِ انسانی کا منبع ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو وجود مسلماناں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ان مساجد کی تعداد کا دس ہزار سے زیادہ کا اندازہ کیا جاتا ہے، جن کی بہ دولت مسلمان وہاں زندہ ہیں اور ان شاء اللہ اپنی خصوصیات اور امتیازات کے ساتھ وہ زندہ ہی رہیں گے۔

دینی تعلقات کے نتائج میں سے ایک عربی اور فارسی زبان کا چینی سوسائٹی میں داخلہ اور زندگی کے بعض شعبوں میں ان دونوں کا اثر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان دونوں کی اشاعت ہو رہی ہے کیوں کہ کسی زبان کی اشاعت سے مراد وہ منظم طریقہ یا پالیسی ہے جس کے ماتحت اس کی طرف دعوت کی جاتی ہے۔ چین میں عربی و فارسی کا داخلہ اور وہاں ان دونوں کا اثر منظم طریقے کے ماتحت نہ تھا اور نہ اس

حالت کے ماتحت تھا جس حالت میں ماوراء النہر اور ہندستان میں عربی اور فارسی زبان کی اشاعت ہوئی بلکہ ان دونوں کا داخلہ غیر محسوس طریقے سے ہوا۔ اور نہ صرف وسیع دائرے تک نہ پہنچ سکا، بلکہ اسلامی سوسائٹی میں بھی عام نہیں ہوا۔ اس بنا پر ہم کلیتہً یہ نہیں کہہ سکتے کہ چین میں عربی زبان کی کوئی اشاعت ہوئی یا کہ جہاں کہیں مسلمان ہیں وہاں یہ زبان سمجھی جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ چین کی تمام ولایات اور تقریباً ہر بڑے شہر میں مسلمان پائے جاتے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عربی زبان بھی ہر ولایت اور شہر میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ حقیقی حالت یہ ہے کہ جس شہر میں مسلمان ہیں وہاں کے تین چار آدمی ایسے ہوتے ہیں جو چینی لہجے میں کئی چھوٹی چھوٹی قرآن مجید کی سورتیں پڑھ سکتے ہیں۔ وہ 'را' کو 'لام' پڑھتے ہیں 'با' کو 'پا'، 'سین' کو 'ثا' اور 'تشدید' کو 'تنوین' اور 'مد' کو 'قصر' اور اکثر حروف میں غنہ زیادہ کر دیتے ہیں۔ لیکن جو کچھ وہ پڑھتے ہیں معنی نہیں سمجھتے اور اس عدم فہم کو "اعجاز قرآن" تصور کرتے ہیں۔

اکثر شہروں میں زبان عربی کی حالت یہی ہے۔ غنیمت سمجھنا چاہیے اگر ہزار مسلمان میں سے ایک، قرآن شریف کی تھوڑی سورتیں، کچھ عربی زبان کی دعائیں اور درود شریف پڑھ سکے، جن کے ذریعے سے وہ عامۃ الناس کی دینی واجبات کے ادا کرنے میں قیادت کرتے ہیں اگر ان پر یہ فرض نہیں ہوتا کہ نماز میں قرآن شریف پڑھنا ضروری ہے، تو غالباً وہ عربی زبان کا ایک لفظ

بھی نہیں سیکھتے اور اگر جہنم کا ڈر اور جنت کی امید نہ ہوتی جس نے ان کو تھوڑی کچھ عربی دعائیں سیکھنے پر آمادہ کیا تو وہ عربیت سے دور دور بھاگتے۔ مگر بعض مستثنیات بھی ہیں، جن کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ "یونان" اور "قانصو" کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں ہے۔ ان دونوں ولایتوں میں ایک بڑی تعداد مسلمان عربی پڑھ سکتے ہیں اور بول بھی سکتے ہیں۔ ان کی یہ قابلیت، کتب فقہ، حدیث اور تفسیر کے کثرتِ مطالعہ سے حاصل ہوئی، اور تھوڑے کچھ ادبی ذوق بھی دکھاتے ہیں۔ بعض اس درجے تک پہنچ جاتے ہیں کہ عربی زبان سے احکامِ دین اور مسائل شرعیہ اخذ کر سکتے ہیں۔ یہ فضل خدا کا ہے جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اللہ ہی بڑا فضل کا مالک ہے۔

یہ ذکر کرنا غالباً بے موقع نہ ہوگا کہ قانصو اور یونان کے مسلمانوں کی زبان جو دیگر صوبوں کی بہ نسبت زیادہ عربی کی طرف مائل ہیں اس کا ایک سبب مسلمانوں کی کثرت ہے۔ قانصو میں مسلمانوں کی نسبت چالیس فی صدی ہے اور یونان میں ۳۵ فی صدی۔ ان میں عربی خون کا ہونا بھی ایک سبب ہے جس سے متاثر ہو کر عربی زبان کی طرف ان کا میلان زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ قانصو کے مسلمان خالص چینی نسل کے نہیں، بلکہ چینی عربی خون سے یا چینی ایوغوری خون کی ایک مخلوط نسل ہیں اور اس خلط و ملط سے یہ نتیجہ مرتب ہو جاتا ہے کہ وہاں کے لوگ احکامِ دین کی زیادہ پابندی اور عربی زبان کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور دینی تعصب ان میں اور صوبہ جات کے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور سبب ہے، وہ یہ کہ صوبہ قانصو چینی ترکستان اور ماوراء النہر

سے قریب ہے۔ ان علاقوں میں اسلامی علوم دوسری صدی ہجری سے مغول کے ظہور تک خوب پھیلتے رہے۔

تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یونّنان کے اکثر مسلمان سید اجل کی اولاد ہیں۔ اس سید کی اصلیت بخاری تھی اور وہ قبلائی خاں کے زمانے میں چین ہجرت کر کے آئے، شروع میں وہ قبلائی خاں کے وزیر مالیہ رہے، اور بعد میں صوبہ یونّنان کے فتح کے لیے ان کو قائدِ اعلا بنایا گیا۔ ان کے نو فرزند تھے، ناصر الدین محمود، بیان نثار، حسن وحسین، احمد، مسعود وجعفر۔ ان سے کئی بڑے خاندان قائم ہوے۔ یہاں تک کہ آج کل یونّنان کے اکثر مسلمان سید اجل کی اولاد کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ یوسف کا فونیں جس کا نام، لیوتنش کے ساتھ اوپر مذکور ہوا اور نور الحق جس کا ذکر عنقریب آنے والا ہے، یہ بھی سید اجل کی نسل سے ہیں۔

ان اسباب سے صوبہ قانصو اور یونّنان میں عربی زبان کی طرف زیادہ اعتنا کی جاتی ہے مگر صوبوں میں عربی زبان کی حالت ذکر کی مستحق نہیں اور اس وقت جو کچھ ہم پکین کے اسلامی حالات کے متعلق سنتے ہیں۔ جنگِ عظیم سے قبل، خلافتِ عثمانیہ کی یہ دولت تھی اور اب ازہر شریف کی عنایت اور توجہ سے ہے اور اس تحریکِ جدید کا نتیجہ کیا ہوگا عنقریب زمانہ ہمیں بتادے گا۔

تاریخی لحاظ سے چین میں عربی زبان کی حالت کیا تھی؟ اس سوال کا جواب دینا ہمارے بس کی بات نہیں ہے مگر بعض تاریخی کتابوں میں ایسے اشارات ملتے ہیں جن کے ذریعے سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابوزید حسن

سیرانی نے جو تیسری صدی ہجری میں گزرا ہو، سلسلۃ التواریخ کے دوسرے
جز میں یہ بیان کیا جاتا ہو کہ ابن وہبان، جب کہ بادشاہ چین کے دربار
میں حاضر ہوئے تو ترجمان کے توسط سے ان سے بلاد عرب اور
دین اسلام کے متعلق بہت سے سوالات پوچھے گئے۔ "ترجمان" کے
لفظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہو کہ ابن وہبان عربی زبان بولتے تھے
جس کو بادشاہ چین نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر دربار میں ایسے لوگ ضرور موجود ہوں گے
جن کے توسط سے بادشاہ چین ابن وہبان کی باتیں سمجھ لے۔ یہ اس
بات کی شہادت ہو کہ عربی زبان کے سمجھنے والے اس زمانے میں کم سے
کم دارالسلطنت چین میں موجود تھے اور اس پر یہ تصور کیا جا سکتا ہو کہ
ان ایام میں عربی زبان ان بندرگاہوں میں بھی سمجھی جا سکتی تھی جہاں عرب
اور ایرانی تجار جاتے تھے مگر انھوں نے ان علاقوں کی چینی سوسائٹی میں
عربیت کا کوئی اثر نہیں چھوڑا بلکہ ان کے واپس آنے کے بعد۔ اس کا
تداول بھی ختم ہو گیا۔ البتہ عہدِ مغول میں جس میں مسلمانوں کو بڑے بڑے
منصب ملے۔ ایک حد تک عربی زبان اور فارسی زبان کا رواج ہوا۔
یہ غالباً ان مسلم زعما کی بہ دولت تھا، جو دولت کے ارکان اور حکومت
کے ستون تھے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہو کہ قبلائی خاں کے حکم
سے، دادو میں (خانبالق) مسلمانوں کے لیے ایک خاص مدرسہ بنایا
گیا[1]۔ یہ خیال کرنا غلط نہ ہوگا کہ عربی تعلیم اس مدرسے میں لازمی
ہوگی۔

---

(1) HOWORTH HISTORY OF THE MONGOLS II. P. 259

ہوورتھ ایک فارسی مصدر سے روایت کرتا ہے کہ امیر آننده ایک غیور مسلمان تھا۔ صوبہ قانصو میں اسلام پھیلانے کے لیے اس نے بے حد کوشش کی۔ یہ قرآن شریف کا حافظ تھا اور عربی بھی خوب لکھتا تھا۔ اس نے اپنے ارد گرد علما کی ایک جماعت جو، تاتاری، ایرانی اور عرب پر مشتمل تھی، جمع کی۔[1] انھوں نے وہاں عربی زبان کے رائج کرنے میں ایک حد تک کوشش کی ہو گی۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ عربی زبان کی اشاعت عہدِ مغول سے بہت پہلے ترکستان میں ہو چکی تھی اور وہاں کے لوگ اس کی طرف بڑی توجہ کرتے تھے اس لیے وہاں کی عربی پانچویں صدی ہجری میں اس درجہ پر پہنچی جو علمائے بغداد اور خراسان کے اسلوب کا مقابلہ کرتی ہے، اس کے ثبوت میں ہم محمود کاشغری کی شخصیت پیش کر سکتے ہیں۔ اس نے ۴۶۶ھ = ۱۰۷۳ء میں ایک کتاب "دیوان لغات الترک" عربی میں لکھی۔[2] مقدمہ کی تھوڑی سی عبارت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:

قال العبد محمود بن الحسین بن محمد الکاشغری لما رأیت ان اللہ تعالی قد اطلع شمس الدولة فی بروج الاتراک وادار بملکهم دائرة الافلاک فسماهم الترک وولاهم الملک وجعلهم ملوک العصر ووضع فی ایدیهم ازمة اهل الدهر فقیضهم علی الخلق وایدهم

(1) HOWORTH HISTORY OF THE MONGOES. I. P. 292

(2) اس کتاب کی پہلی اشاعت آستانہ کے مطبع عامرہ سے ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔

على الحق واعز من انتمى اليهم وسعى بين يديهم ونال منهم بلغة في المراد وسلم من معرة اوباش العباد حق لكل ذي لب التمسك بحبالهم توقيا من وقع نبالهم ولا ذريعة لدينهم احسن من التواطن بلسانهم لاصغائهم اليه اسماعهم واستمالة جنانهم فاذا اعتصم به عدوه من فرقهم وامنوه من فرقهم فيلوذ به غيره ويكشف عنه ضيره ۔

اگر آپ محمود کاشغری کی عبارت سے ادبائے بغداد اور خراسان کے اسلوب کا مقابلہ کریں تو آپ ان میں کوئی خاص فرق نہیں پائیں گے۔ اور وہ سجعات جو اس نمونے میں نظر آتے ہیں ان کو دیکھ کر ضرور یہ یقین کریں گے کہ اس کا مولف عہد عباس کے تیسرے دور میں گزرا ہے۔ اگر آپ اس کی تاریخ ولادت یا تاریخ وفات سے ناواقف ہوں ۔

چینی ترکستان قانصو کا دروازہ ہے، جب کہ پانچویں صدی ہجری میں وہاں ادب عربی کی حالت اس درجہ پر پہنچی، تو اس کا اثر کیوں کر قانصو کی مسلم جماعت پر نہ پڑا ہوگا، خصوصاً اس زمانے میں جب کہ اس پر ایک غیور مسلم حاکم ہو اور اس کے ساتھ علماء و فضلا کی ایک جماعت۔

حق یہ ہے کہ عربی زبان کا رواج بعض شہروں میں بھی تھا۔ ابن بطوطہ کا قول ہے کہ جب کہ "ہانگ چاؤ" (الخنسا) پہنچا۔ وہاں بہت سے علماء پائے جن میں سے مشہور فخرالدین جو وہاں کا قاضی اور شیخ الاسلام تھا اور اولاد عثمان بن عفان سے المصری۔ مصر کا ایک بڑا تاجر تھا، اس شہر کو پسند کیا اور وہیں آباد ہوگیا۔ وہاں ایک اسلامی فرقہ جو عثمانیہ کہلاتے ہیں اس مصری تاجر کی طرف منسوب ہے۔ اس نے اپنی زندگی

میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس کے ساتھ ایک زاویہ قائم کیا جس میں عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ عثمان نے ان پر بہت سی جائداد اور زمین وقف کی، اور اس کی وفات کے بعد جاہ و حرمت اس کی اولاد کی وراثت میں گئی۔ یہ لوگ بڑی شان و شوکت کی حالت میں تھے جب کہ ابن بطوطہ وہاں پہنچا۔ غرض کہ اس زاویہ اور ان علما کے فضل سے عربی زبان کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ مسلمان تو مسلمان تھے مگر غیر مسلمان بھی اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ حاکم "ہانگ چاؤ" کی ضیافت میں تین روز رہا۔ یہ حاکم ایک شہزادہ تھا، ایک دن بحیرۂ "ہانگ چاؤ" کی سیر دکھائی۔ شہزادہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی پر بیٹھا اور ابن بطوطہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ ان کے علاوہ گانے والوں اور بجانے والوں کی جماعت تھی۔ گوّیے تین زبانوں کے گانے گاتے تھے۔ چینی، فارسی اور عربی، جن سے شہزادے مست ہو جاتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس شہر میں عربی زبان کی کافی ترویج ہوئی، یہاں تک کہ امرا کے طبقے اس کے گانے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

اگر ابن بطوطہ کے سفر نامے میں اس بات کا ذکر نہ ہوتا تب بھی ہم کو ان کتبوں کی شہادت مل سکتی تھی، جن کا انکشاف کئی سال پہلے شہر "ہانگ چاؤ" میں ہوا تھا۔ اس شہر کے چاروں طرف ایک مضبوط اور اونچی دیوار تھی۔ حکومت کے حکم سے توڑوا دی گئی تاکہ آمد و رفت زیادہ آسان ہو اور شہر کا رقبہ بھی بڑھایا جائے۔ مزدوروں کو کام کرتے وقت کچھ کتبوں کے ٹکڑے نظر آئے، جن میں بعض عربی زبان میں تھے۔

اور بعض فارسی زبان میں۔ مقامی ذمہ دار لوگوں نے ان کو ایک جگہ پر جمع کیا جو سنو سے زیادہ ہیں۔ یہ سب تاریخ اسلام کے آثار ہیں جن کو عہد مغول اور "مینگ" کے مسلمان وہاں چھوڑ گئے۔ ان کتبوں کی زبان حال بول رہی ہے کہ اس شہر میں بہت سے مسلمان آباد تھے، اور عربی زبان مسلم محلوں میں ایک حد تک مروج تھی۔ جب چین کے علمائے آثار کو اس انکشاف کا علم ہوا تو تمام کتبوں کو پکین کے تاریخی میوزم میں منتقل کر دیا تاکہ ان کی تحقیق کی جائے۔ بہت ممکن ہے کہ ان سے چین کی تاریخ اسلام کے متعلق مزید اہم معلومات فراہم ہو جائیں۔

"ہانگ چاؤ" کی جامع عنقا میں اب تک کئی عربی کتبے محفوظ ہیں مگر بعضوں کے حروف اس حد تک محو ہو گئے ہیں کہ پڑھنا اور تمیز کرنا مشکل ہے۔ اور بعضوں کے حروف نہایت صاف اور واضح اور خوب صورت خطوں میں دکھائی دیتے ہیں ...... جس کتبے کی تصویر یہاں دی گئی ہے وہ ۷۰۱ھ کا نصب کردہ ہے۔

تاریخ مینگ میں یہ شہادت ملتی ہے کہ بادشاہ "چینگ تہ" (CHENG TEH) عربی زبان سیکھتے تھے اور ان کا میلان بھی اسلام کی طرف تھا۔ اس عہد میں عربی زبان کو خاص اہمیت حاصل ہوئی جس کا اثر چین کی صناعات اور فنون میں بھی نظر آیا اور یہی عہد تھا جس میں بعض علوم عربیہ اور اسلامیہ کا ترجمہ چینی زبان میں ہوا۔ ان کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔

عہد مانچو کے ملوک بے شک اسلام کو نہایت غضب اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کے

عہدِ حکومت میں بڑی مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے پڑیں۔ ان ایام میں جب کہ ان کو سرکاری منصبوں سے محروم کردیا گیا، تو ان کی مساعی اسلامی ادب کی طرف ہونے لگیں۔ اس حالت میں بھی وہ ملوک اور امرا کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے۔ ان پر بڑی سخت نگرانی کی جاتی تھی، ان کے مسودات ضبط کیے جاتے تھے اور بُری طرح سزائیں دی جاتی تھیں۔ مگر ان کی اَن تھک کوششوں سے چینی زبان اور غیر چینی زبان میں بعض اہم اسلامی کتابوں کی تصنیف ہوئی۔ وہ دینی کتابیں عربی میں یا فارسی جواب تک چینی مسلمانوں کے ہاتھ میں متداول ہیں، سب اس عہد کی تصنیف ہیں۔ ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں عربی کی کچھ ترقی ہوئی۔ یہ افکار، اسلوب، اور منطقی بیان کے لحاظ سے کچھ بُری نہیں ہیں۔ مندرجہ ذیل نمونہ ملاحظہ ہو:

لمّا تجلّی وجود الحق، ظهرت حقائق الاشیاء وصورها والحقائق مودعة فی علمه تعالی والصور مرئیة بقدرته فعلمه تعالی قبل الملکوت وقدرته منها الی الملك والملکوت انما ظهرت باجسام وصور الملك انما تصورت بارواح۔ فلما توافقت طبقاتهما استقرت کل درجة من الارواح فی طبقة۔ فلما اجتمعا وتصورت ظهرت صفات الله تعالی الا انها فی الانسان مسماة بالعلم والقدرة وفی الاشیاء بالخاصة والروح الانسانیة سواء والنفسانیة متفاوتة انما صار بعضهم جاهلا وبعضهم عالما ولان ذات الحق احدیة صفاته متفاوتة فمظاهرها توافق حالها واتحاد العلم والقدرة۔ ثم الحق تعالی لنفس خاتم الانبیاء، وبالخیار استعمالهما منه تعالی

لنفوس اولی العزم و بهما الانقیاد والاجابة لنفوس المرسلین۔
وبهما اظهار الدعوة والتبلیغ لنفوس الانبیاء و بهما الطمع و
التمنی لنفوس الاولیاء و بهما تحصیل معرفة الحق
لنفوس العارفین وبهما اتقان المحافظة لنفوس الزاهدین
وبهما طلب العبودیة لنفوس العابدین وبهوی النفس استعمالهما
لنفوس العاصین۔

یہ قطعہ استاد نور الحق (جو تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک زندہ رہے)، کے ایک رسالے سے لیا گیا ہے جسے "عربوں کے مبادی طبیعات" کہتے ہیں۔ اس میں استاد موصوف نے اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ انسان فطرتاً کیوں مختلف طبقوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ ان مختصر عبارات میں آپ نے یہ دیکھ لیا کہ کس خوبی کے ساتھ انھوں نے "خاتم الانبیا" سے لے کر "عاصی" تک کے فرق اور امتیاز بتائے ہیں۔

استاد نور الحق اپنے متعلق ایک کتاب "الدعوة الکبریٰ" کے مقدمہ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ سید اجل کی نسل سے ہیں۔ سید مذکور قبلائی خاں کے زمانے میں ولایت یونان میں آکر آباد ہوئے۔ اس سید کی نسبت سلطان عبد الملک ابن عبد الجلیل، سلطان بخارا سے ملتی ہے اور سلطان مذکور کا شجرۂ نسب آنحضرت تک پہنچتا ہے۔ مگر اس نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس کی پیدائش کون سے سال میں ہوئی۔ لیکن وہ یہ بیان کرتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۶ء میں اس نے حج کیا پھر واپس جا کر غرب یونان کے ایک مدرسے میں صدر مدرس کی حیثیت سے رہا (۱۲۹۰ھ) ایسا معلوم ہوتا ہے اس کے جملہ مؤلفات خواہ چینی زبان میں ہوں یا

متعلق صفحہ ۴۳۶



شہر ہانگ چاؤ میں ایک عربی کتبہ جو عہد "مینگ" کا ہے

عربی یا فارسی میں، سب حج کے بعد ہیں۔ ان کے ہم عصروں میں اور بھی علما گزرے جن کی بہت سی تصانیف مختلف زبان میں ہیں۔ اکثر ولایت یونان کے چھاپہ خانوں سے طبع ہوئیں۔ جامع ازہر کی لائبریری میں ان کے بعض نسخے ہیں جو علمی یادگار کے طور پر چینی طلبا کے وفود کی طرف سے ازہر کو دیے گئے۔

....

دینی تعلقات کا ایک اہم نتیجہ، مذہبی امور میں بعض فارسی اصطلاحات کا رائج ہونا اور چینی مسلمانوں کی بول چال میں اس کے بعض الفاظ کا داخلہ ہو۔ چین میں فارسی زبان کا اثر جہاں تک میں سمجھتا ہوں، عہد مغول سے پہلے شروع ہو چکا ہوگا، کیوں کہ اس کے بعض کلمات بارھویں کے چینی ادبیات میں پائے گئے ہیں، مگر چین کے زمام حکومت پر مغولوں کا تسلّط ہونے سے فارسی کا دخل چینی زبان میں کثرت سے ہونے لگا۔ شروع میں فارسی اصطلاحات سرکاری دفتروں میں مروّج ہوئیں۔ پھر اس کا اثر آہستہ آہستہ زندگی کے مختلف شعبوں میں پہنچا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مغول کے روابط اور تعلقات ایشیائے وسطی کے تاتاروں، ایرانیوں اور عرب کے ساتھ تھے۔ پھر یہ کہ ایک بڑی تعداد علما کا مغول امرا کے ساتھ چین جانا، فارسی زبان کے رواج میں بے حد مدد دیتا تھا۔ جن مغولوں نے چین ۱۲۷۷ سے ۱۳۶۷ء تک حکومت کی ان کی کوئی خاص زبان نہ تھی۔ ایسی حالت میں وہ مجبور ہوئے کہ حکومت کی دفتری اصطلاحات یا تو فارسی سے لی جائیں یا چینی سے۔ تاریخ کے مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے

دونوں زبانوں سے اپنے دفتروں کے اصطلاحات اور سرکاری القاب کا انتخاب کیا۔ اس واسطے "کتوال"، "پردہ داران"، "اصپاہان"، "نیزہ داران" اور "تیغ داران" کے فارسی الفاظ کے ساتھ[1] "جنگ سانگ" (وزیر اعظم) زو جنگ (وزیر یمین) یو جنگ (وزیر یسار) لن چون (منشی اعظم) وغیرہ کے چینی اصطلاحات بھی آپ ان کے انتظامات میں دیکھیں گے۔[2]

شہر "ہانگ چاؤ" میں فارسی زبان کا بڑا اثر رہا۔ بہت سے فارسی کتبے جن کا انکشاف حال میں ہوا ہے، عہدِ مغول کے آثار ہیں اور تاریخ کی روشنی میں یہ نظر آتا ہے کہ اس شہر میں زبان فارسی کا اثر عربی کی طرح صرف مسلمانوں کے احاطہ میں محدود نہ رہا، بلکہ غیر مسلمانوں نے بھی اس کا اثر قبول کیا۔ ابن بطوطہ کے قول کے مطابق وہاں عربی گانوں کے ساتھ، فارسی گانے بھی ہوتے تھے۔ امیر ہانگ چاؤ کی دعوت میں جب اس نے کشتی میں بیٹھ کر بحیرۂ ہانگ چاؤ کی سیر کی، گویّوں کی ایک جماعت نے ترنم سے فارسی گانا گایا کہ ایک شہزادہ مست ہوگیا۔ اس نے اس فارسی قطعے کو بار بار دہرایا کہ ابن بطوطہ کو بھی یاد ہوگیا۔ جو وہ اس طرح نقل کرتا ہے:-

تا دل بہ محنت دادیم	در بحر فکر افتادیم
چوں در نماز استادیم	قوی بمحراب اندریم (کذا)

---

[1] ابن بطوطہ ص

[2] رشید الدین فضل اللہ علاء الملک جوینی اور علامہ قلقشندی نے ان الفاظ کا ذکر کیا۔

ملوک مینگ فارسی زبان کی علمی قیمت جانتے تھے اور اس کی قدر بھی کرتے تھے بلکہ ان کے دربار میں بعض امرا اس زبان کو سیکھتے تھے اور اچھی طرح لکھ لیتے تھے۔ اس کی شہادت عبدالرزاق سمرقندی کے "مطلع السعدین" سے مل سکتی ہو۔ اس کتاب میں ایک خط جو بادشاہ "دائمینگ" کی طرف منسوب کیا جاتا ہو اور جس کو میں نے سفارتی تعلقات کے باب میں نقل کیا ہو۔[1] ان خطوط میں سے ایک تھا جو شاہ رخ ابن تیمور کے پاس سنہ ۸۲۲ھ = سنہ ۱۲۱۹ء میں بھیجے گئے تھے۔ نہایت فصیح فارسی میں لکھا گیا تھا۔ اس میں نہ غریب تعبیر تھی اور نہ رکیک ترتیب۔ عام فارسی خطوط سے صرف یہ فرق تھا کہ یہ چینی خط کے طرز پر لکھا گیا۔ اس طرز کی خصوصیت یہ ہو کہ ہر لفظ قابلِ تعظیم یا تفخیم صدر سطر میں لکھا جاتا ہو، اور اگر کسی سطر کے وسط میں آگیا ہو تو وہ سطر وہیں چھوڑ کر دوسری سطر کو صدر میں اسی لفظ سے شروع کیا جاتا ہو۔ یہ خط اگر خود بادشاہ کے ہاتھ سے نہیں لکھا گیا، تو ضرور کسی امیر کے ہاتھ سے لکھا گیا، کیوں کہ دربار میں ایک بڑی تعداد فارسی زبان سے واقف تھی اور ان میں سے بعض ترکی بھی جانتے تھے۔

مانچو کے عہد میں فارسی کے جاننے والے کافی تھے اور بعض ایسے بھی نکلے جو فارسی زبان میں تالیف کر سکتے تھے، یہ ادبی آثار ان مولفات میں نظر آتے ہیں جو گزشتہ صدی میں علمائے یونتان کا علمی ثمرہ ہو۔ یہ مولفات مختلف موضوعوں پر ہیں، مثلاً نحو و صرف، توحید اور احکامِ دین، جن کا استعمال اب چین میں عام ہو اور اسلامی ادبیات کا ایک

---

[1] دیکھو صہ

اہم جز بن گیا ہے۔ قرآن کے علاوہ چین کے مسلم عوام نے دین کے متعلق جو کچھ سمجھا ان کتابوں کے ذریعے سے سمجھا۔

حقیقت یہ ہے کہ عام زندگی میں فارسی زبان کا اثر عربی سے کہیں زیادہ نظر آتا ہے۔ اگر آپ صوبہ یوننان تشریف لے جائیں تو وہاں مسلم سوسائٹی میں ایک ایسا لہجہ سُنیں گے جو دیگر چینیوں کے لہجوں سے بالکل مختلف اور جدا معلوم ہوگا۔ ان فارسی الفاظ کی وجہ سے جو ان کی زبانوں پر چڑھ گئے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کی بولی عام چینی کے قاعدہ گفتگو سے خارج نہیں ہے۔ غیر مسلمان کا ان کے کلام کو سمجھنا مشکل، بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب ان کے فارسی الفاظ ہیں جو کبھی قصداً اثنائے گفتگو میں لاتے ہیں، اور کبھی بلا قصد بلکہ فطرتی طور پر زبان پر آجاتے ہیں۔ وہ فارسی الفاظ جو عام طور پر مسلمانوں کی زبان پر چڑھ گئے ہیں، بعض مندرجہ ذیل ہیں:۔ نماز، روزہ، آبدست، گناہ، بامداد، بنشیں۔ دیگر، شام، خفتن، کسے، دیدن، خواب، خوش نودی، استاد، شاگرد، آخوند، بندہ، خدا، بہشت، دوزخ، قبول کردم، دادم، خوب، زشت، تونگر، خاوند، زن، دزد، بانگ، برات، دوستی، دشمنی، اسپ، گاؤ، سگ، چشم، گوش، دستار، شتر، پائے، دست، خوردن، نام وغیرہ وغیرہ۔

ان الفاظ میں فارسی کے ساتھ بعض عربی الفاظ بھی جو فارسی زبان کے اجزائے لاینفک بن چکے ہیں، چینی مسلمانوں کی بول چال میں داخل ہو گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ پیش

کیے جا سکتے ہیں۔ نیت، ایمان، میّت، عذاب، غسل، حج، زکات، بخیل، سخاوت، برکت، شہوت، صداقت، قربان، تعظیم، حقیقت، روح، نفس، صبر، قدرت، وعظ، صورت، رزق، نفقت، عالم، جاہل، سائل، حشو، شفاعت، حق، کذب، خرابات وغیرہ وغیرہ۔

میں نے کہا کہ یہ الفاظ فارسی الفاظ کے ساتھ چین میں مروّج ہوئے جس کی دلائل یہ ہیں کہ :۔

اولاً۔ وہ عربی الفاظ جن کے آخر میں "تا" ہے۔ مثلاً لفظ 'قدرت' ہے۔ یہ چین میں فارس کی طرح "قدرت" ہی لکھی جاتی ہے نہ کہ عربی کی طرح 'قدرۃ'۔ اس طریقے کے لکھنے سے پڑھنے میں بھی ایک فرق ہو گیا۔ عربی میں تو ایسے موقع پر وقف ضرور ہے یعنی "قدرۃ"، مگر چین میں "قدرت" یعنی 'تا' کے زیر کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ عین وہی طریقہ ہے جو ایران، افغانستان، بخارا اور ترکستان میں مروّج ہے

ثانیاً۔ یہ کہ بعض عربی الفاظ کے معانی میں تغیر واقع ہوتے ہیں "نفس" کا لفظ لیجیے چینی مسلمانوں میں اس کا مطلب، 'غضب' اور "غصّہ" ہے۔ ان کا عام کلام "بُو یُودن نفس" اگر اس کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو اُردو میں یوں لکھنا چاہیے "اپنے نفس کو حرکت نہ دیجیے" یعنی "غصّہ نہ کیجیے" عربی میں ایسا مطلب ہرگز نہیں ہوتا۔

اور لفظ "خراباتا" کو لیجیے۔ اگر یہ لفظ کسی عربی ادیب کے کان میں پڑے تو بلا شک و شبہ یا بلا تردد و تامل کے ضرور وہ یہ کہ

اٹھیں گے کہ اس کا مطلب وہ کھنڈرات ہیں جہاں سوائے چمگادڑ اور اُلّو کے اور کوئی نہیں رہتا، یا وہ ویران جگہ ہو جو کسی زمانے میں خوب آباد تھا اور اب ویران ہو۔ لیکن فارسی میں اس کا مفہوم یہ نہیں ہو بلکہ شراب کی دُکانیں ہیں جن میں جامِ شراب کی گردش ہوتی ہو۔ یا وہ مکانات ہیں جہاں اہلِ فسق و فجور پڑے ہوتے ہیں۔ چین میں اس لفظ سے مراد "اطلاق الحال علی المحل" ہو، یعنی وہ عورتیں جو بازار میں عصمت فروشی کرتی ہیں۔ یہ تعبیر فارسی مفہوم سے زیادہ قریب اور عربی کے اصلی معنی سے بہت دور ہو۔

ثالثاً۔ چینی مسلمان، ہفتوں کے نام، سوائے جمعہ کے سب فارسی رکھتے ہیں۔ یعنی شنبہ، یک شنبہ۔۔۔۔ پنجشنبہ اور جمعہ، اسی طرح وہ پنجگانہ نمازوں کی نیت عربی میں نہیں باندھتے بلکہ فارسی میں۔ مثلاً نماز فجر کی نیت: نیت کردم کہ بگزارم دو رکعت نماز فرض بامداد الی آخرہ۔۔۔۔

ان دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہو کہ یہ عربی الفاظ دیگر فارسی الفاظ کے ساتھ چینی مسلمانوں کی زبان پر چڑھے، اور اب ان کی بول چال کا ایک جز بن گئے ہیں۔

چین کے مسلم حلقوں میں فارسی زبان کا اور ایک اثر ہو جس میں عربی زبان کا کوئی دخل نہیں۔ وہ حکایات اور قصص جو مواعظ دینی اور نصائح مذہبی سے متعلق ہیں، سب فارسی زبان میں محفوظ ہیں، بچّوں اور عورتوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں اور مجالس میں سنائی جاتی ہیں۔ بہت سے ایسے بچّے پائے جاتے ہیں جو واقعہ

کربلا، امام حسن وحسین کے قصّے فارسی زبان میں سُنا سکتے ہیں مگر سمجھے بغیر اور بہت سی ایسی خواتین ملتی ہیں جو زنانہ مجالس اور محافل میں جاکر، اُمّ المومنین خدیجہ رضی عنہا کی سوانح عمری و سیدۃ النسا فاطمہ الزہرا کے حالاتِ زندگی فارسی زبان میں بیان کرتی ہیں۔ اگر ہم اس سلسلے میں ان کے کلام جمع کریں تو دفتروں کی ضرورت ہے۔ ہم اس کلام کو طول نہیں دینا چاہتے، کیوں کہ ان فارسی روایات اور حکایات کا جمع کرنا، ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ فارسی زبان کا اثر جو چینی مسلمانوں پر پڑا ہے وہ کن باتوں پر مشتمل ہے۔

جس طرح چین کی بعض مسلم جماعتوں میں عربی کا کوئی خاص اثر نہ تھا۔ اس طرح علمی زندگی کے بعض شعبوں میں فارسی اثر نے کوئی دخل نہیں پایا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام زندگی میں فارسی کا اثر عربی سے کہیں زیادہ نظر آیا۔ لیکن علمی میدان میں فارسی، عربی سے مسابقت نہیں کرسکی۔ عربی زبان ہی وہ وسیلہ تھا جس کے ذریعے سے کئی اہم عربی علوم چین میں منتقل ہوے۔ ان میں قابلِ ذکر علم طب اور علم ہیئت ہیں۔

تاریخ کے مطالعے سے یہ واضح ہے کہ وہ سبب، جس سے عربی طب چین میں منتقل ہوا، وہ جنگ وقتال تھا جو حکمرانِ چین اور آلِ چنگیز کے درمیان ہوا۔ یہ مسلّم ہے کہ مغلوں کو فن طبابت اور علاج سے واقف نہ تھا، اور عربی زبان طبی معلومات کے ذخیروں سے بھری ہوئی تھی۔ جب ان میں اور چینیوں میں خوب جنگ ہوئی تو مجروحین کے علاج کرنے میں علما کے توسط سے ان کتابوں سے جو فائدہ اٹھا سکتے

تھے، اٹھایا اور بعد میں جب کہ تقدیر نے مغلوں کا ساتھ دیا اور چین فتح کرنے کے بعد وہ وہاں مستقر ہوئے، تو عربی علم طب کی اشاعت کی کوشش کی گئی اور اسی غرض کے لیے خانبالق میں ایک طبی ادارے کی بنیاد ڈالی گئی جو عربی کے اصول سے لشکروں، یتیموں اور مسکینوں کا علاج کرتا تھا اس ادارے کے اکثر افسر مسلمان ہی ہوتے تھے، "شعبۂ ترتیب ادویہ" کا صدر اور "شعبۂ تقسیم ادویہ" کا صدر، دونوں مسلمان تھے[1]۔ جن دوائیوں سے مریضوں کا علاج ہوتا تھا وہ بلاشبہ جڑی بوٹی کے عرق اور معجون ہوتے تھے اور نباتات کی طبّی خاصیت کے معلوم کرنے کے لیے بہت سی کتابوں کی تصنیف ہوئی۔ جن میں سب سے اہم "این شان چن یو" یعنی "اصول ماکل اور مشارب" ہے۔ یہ ایک مسلم (۱۳۳۱ء) کی تصنیف ہے جو چینی تاریخ میں "ہوشہوی" (HU SHI HUI) کے نام سے بہت ہی معروف ہے۔ اس عالم نے اپنی کتاب میں ان نباتات کی خاصیت کے متعلق بحث کی ہے جو غذا اور علاج کے اعتبار سے جسم کے لیے مفید ہیں۔ اس کتاب کے مطابق بعض نباتات خاص چین کی ہیں اور بعض ایسی جو خاص ممالک اسلامیہ کی ہیں۔ اور "تاریخ اسلام در چین کی تحقیق" کے مطابق پکین یونی ورسٹی کی لائبریری کی ملکیت ہیں، اسلامی طب پر ایک بڑا ضخیم مجموعہ ہے جو ۳۶ اجزا پر مشتمل ہے۔ اگر کوئی عربی طب کے ماہر وہاں جا کر اس نسخے کی تحقیق کریں تو مجھے یقین ہے کہ عربی طبابت میں بے بہا معلومات کا اضافہ ہو جائے گا۔

---

[1] چینی مسلمان، ص ۲۷

عربوں کا علم ہیئت بھی عہد مغول میں چین میں منتقل ہوا اور عہد مینگ کے شروع میں اس کی اشاعت ہوئی، گستاف لی بان "تمدن عرب" میں لکھتا ہو کہ قبلائی خاں نے جب کہ چین فتح کیا، تو بغداد اور قاہرہ سے بہت سی ہیئت کی کتابیں منگوائیں - ان کتابوں سے علمائے چین اور خاص کر "کوشوکتک" کو عربی ہیئت کا علم ہوا -

یہ ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا کہ ممالک اسلامیہ میں علوم ہیئت کے تین مدارس تھے - مدرسۂ بغداد، مدرسۂ سمرقند اور مدرسۂ القاہرہ - ابن جبر بتانی جس کا انتقال سنہ ۹۳۰ء میں ہُوا تھا اور ابوقاسم عبداللہ باجور (سنہ ۹۳۳ء) اور ابووفا (سنہ ۹۹۸ء) مدرسہ بغداد کے تھے اور جن علما کے تعلقات تیمور اور اولغ بگ کے ساتھ تھے وہ مدرسۂ سمرقند سے تھے، اور مدرسۂ القاہرہ کی بنیاد مدرسۂ بغداد کے مقابلے میں ڈالی گئی - قاہرہ جہاں اب فاطمیوں کی خلافت تھی دسویں صدی عیسوی کے آخر میں بغداد سے علاحدہ ہوا - اور خلفائے مصر نے بغداد کے انحطاط اور زوال کے زمانے میں علوم اور فنون پر اپنی حمایت کا سایہ پھیلایا مقطم کے پہاڑ پر ایک رصدگاہ حاکم باللہ کے حکم سے تعمیر ہوئی اور ابن یونس (۱۰۰۷ء) اس رصدگاہ کا ناظم مقرر ہوا - اس عالم نے اپنے زمانے میں ایک زیچ تیار کیا، جو اس وقت علمائے ہیئت کے نزدیک "زیچ الحاکم" کے نام سے مشہور ہو، جس طرح سمرقند کا زیچ "زیچ اولغ بگ" کے نام سے پکارا جاتا ہو - اس سے پہلے جن علمانے زیچ تیار کیے، ابن یونس نے ان کی غلطیاں نکالیں - اس کی زیچ بہت سی زبانوں میں منتقل ہوئی ہو اور اس کو ایک چینی

عالم کو شنکنگ نے ۱۲۸۰ء میں چینی زبان میں ترجمہ کر ڈالا۔

چین کی تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مغول نے اپنے عہد میں مختلف قسم کی عربی کتابوں کو جمع کیا جن میں بعض علم ہیئت سے متعلق تھیں جو خانبالق کے شاہی کتب خانے میں محفوظ تھیں۔ ان کتابوں میں بعض عہد "مینگ" کے شروع میں، جب کہ بادشاہ "تائی چو" (۱۳۶۸-۱۳۹۹ء) تخت حکومت پر تھے۔ شیخ المشائخ اور قاضی المسلمین حیدر عطف الدین کے قلم سے چینی زبان میں منتقل ہوئی۔ اس فرمان سے جو علم نجوم اور ہیئت کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے شیخ المشائخ کے نام ۱۳۸۲ء میں صادر ہوا، یہ بیّن معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ مذکور علوم عربیہ کا دلدادہ اور قدردان تھا۔ چینی زبان میں ان کے ترجمہ کرنے سے غرض یہ تھی کہ عربوں کے اصول علم ہیئت اور ان کے قواعد استنباط کی مدد سے فلکی مسائل کی باریک تحقیق کی جائے۔ کیوں کہ چین کے علمائے ہیئت عام طور پر ظواہر کون، اور حوادث فلکی کے تغیرات میں صحیح حکم اور فیصلہ کن رائے نہیں دے سکتے تھے۔ تیرھویں صدی عیسوی میں چین میں کئی مشہور مسلم ہیئت داں تھے۔ سید اجل جس طرح ایک سیاست داں تھا، ہیئت داں بھی تھا۔ حیدر عطف الدین کا نام آچکا ہے۔ ان کے علاوہ کمال الدین اور جمال الدین کا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔ ان کی بنائی جنتری چین کے علما کے طبقے میں معروف ہے۔ اور استاد "چنبوان" کی ان اشخاص کے متعلق بڑی باریک تحقیقات ہیں جو اس کی کتاب "عہد مغول میں بعض مسلم علما کا چینی قومیت اختیار کرنا" میں درج ہیں۔ ہم اس کتاب کی طرف رجوع کریں گے جب کہ

ہم چین کی تاریخ اسلام پر قلم اٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

....

اب ہم تجارتی تعلقات کے نتائج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے تعلقات سے جو نتائج مرتب ہوئے، قطب نما کا استعمال، بعض چینی الفاظ عربی میں منتقل ہو جانا، اور بعض عربی نباتات ان کے ناموں کے ساتھ چین میں منتقل ہو جانا۔ یہاں ہم ان امور کے متعلق ضروری بحث کرتے ہیں۔

تجارتی تعلقات کے باب میں ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ بارھویں صدی میں قطب نما کا رواج ہونے سے بحری تجارت کو چین و عرب کے درمیان بڑی ترقی ہوئی۔ قطب نما جسے اہل چین "جنوب کی طرف اشارہ کرنے والی سوئی" کہتے تھے۔ زمانۂ قدیم سے چین میں معروف تھی۔ بیازلی کی "فجر جغرافیہ جدیدہ"[1] کے مطابق اہلِ چین تیسری صدی عیسوی میں قطب نما کو اپنے طول طویل بحری سفر میں کانتون سے ملابار تک استعمال کرتے تھے۔ اور استاد سپک (E. SPECK) اس سے بھی قبل کا زمانہ بتاتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب (HAUDEL GERHISCHETE DLS ALTER THNMES) میں یہ بیان کیا ہے کہ اہلِ چین پہلی صدی عیسوی میں قطب نما کو اپنے بحری سفر میں استعمال کرنے لگے۔[2] دیگر مستشرقین کی تحقیق سے یہ پتا چلتا ہے کہ چینی مصادر

---

(1) BEAZLEY DAWN OF THE MODERN GEOGRAPHY. P-490. (2) PP-1.29.20

میں اس کے متعلق سب سے پہلا ذکر تیسری صدی کے دوسرے نصف میں آیا تھا[1] اور بعد کی کتابوں میں اس کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ اور پروفیسر رینا ند (A-D-REINAND) جس نے جغرافیہ ابی الفدا کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں شائع کرایا۔ قطب نما کے متعلق یوں فرماتا ہے کہ بارھویں صدی کے اختتام پر اس چیز کا استعمال شرق و غرب میں عام ہو چکا تھا۔[2]

ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عربوں نے جو قرون وسطی میں مشرقِ اقصیٰ کا سفر کرتے تھے۔ چینیوں سے قطب نما کا استعمال سیکھا پھر ان سے سیکھ کر پرتگالیوں نے اس کا علم اہلِ یورپ کو پہنچایا۔ کیوں کہ واسکو دی گاما جب کہ وہ مشرقی افریقیہ کی بندرگاہ مالیندی (MALINDI) پہنچا تو ایک عرب جہاز راں احمد بن عبد المجید نامی نے اسے ہندستان تک جانے کا راستہ دکھایا۔ اور اگر یہ عرب نہ ہوتا تو واسکو دی گاما غالباً ہندستان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پرتگالی مصدر میں ذکر ہے کہ اس عرب جہاز راں احمد بن عبد المجید کے پاس بحروں کے متعلق ایک نہایت مفصل نقشہ تھا اور اس کے ساتھ ایسے آلات تھے جن کی بحری سفر میں ضرورت ہوتی تھی۔ ان آلات میں سے ایک قطب نما بھی تھا[3] اور "تراث الاسلام" میں سیک اور بیازلی کی تائید

---

(1) E.H. PARKER. CHINA REVIEW XVIII 197

(2) AD. RENEND GEOGRAPHIC D. ABUL FEEDA I. CC III. CC IV

(3) LEGACY OF ISLAM. P. 96

میں لکھا ہے کہ قطب نما کا علم چینیوں کو دوسری صدی میں ہوچکا تھا اور اس زمانے سے وہ استعمال کرتے آئے ہیں اور عربوں نے بحر ہند کے اسفار میں ان سے سیکھا اور اس وقت عرب و چین کے درمیان تجارتی روابط بہت مستحکم ہو چکے تھے۔

بعض مولفات میں یہ دعوا کیا گیا ہے کہ قطب نما چینیوں کی ایجاد نہیں، بلکہ یورپ کے کسی عالم کے دماغ کا ثمرہ ہے۔ اس دعوے کو بہت سے مستشرقین نے حجت اور دلائل سے باطل کیا۔ استاد ہیرت (HIRTH) جو "بلاد اجنبیہ کے تذکرے" کا مترجم ہے اور استاد کرامرس KRAMERS جس نے "تراث الاسلام" کا ایک مقالہ "جغرافیہ اور تجارت" کے عنوان سے لکھا ہے، اس دعوے کی بہ خوبی تردید کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ استاد کارکورن (CORCORN) بھی ہے۔ یہ "تاریخ ممالک چین" کا مولّف ہے۔ اس کی حجت اس معاملے میں سب سے قوی اور زوردار ہے۔ جو تفصیل چاہتا ہے، اس کی کتاب کی طرف رجوع ہونا چاہیے جو اُردو میں ہے۔

غرض کہ ان باتوں سے یہ خوب واضح ہوجاتا ہے کہ قطب نما چینیوں کی ایجاد تھی۔ عربوں نے اس سے بارھویں صدی میں اس کا استعمال سیکھا اور ان کے توسط سے اس کا علم پہلے پرتگال پہنچا، پھر وہاں سے سارے یورپ میں پھیل گیا۔ اور اب یہ چیز بحری سفر میں دلیل کا کام دیتی ہے۔ جس کے بغیر جہاز سمندر میں اپنے سمت مقصود نہیں پہچان سکتے۔ اس چیز کا استعمال اور عام رواج عرب و چین

---

(1) LEGACY OF ISLAM - P. 97

کی تجارت کا ایک نتیجہ ہے۔

اب ہم کو ان چینی الفاظ کی طرف دیکھنا چاہیے جو تجارت کے توسط سے عربی اور فارسی زبان میں رائج ہو گئے۔ تین ایسے الفاظ مجھ کو ملے جو چینی اصل سے ہیں اور اب اُردو، فارسی اور عربی میں بلا تکلّف مستعمل ہوتے ہیں، یہ ہیں کاغذ، کمخاب اور چائے۔

لفظ "کاغذ" کے متعلق تو ہم سیاسی تعلقات کے نتائج میں کافی بحث کر چکے ہیں [۱] مگر کمخاب کا لفظ، اور کمخو بغیر "با" کے بھی آتا ہے۔ فارسی کے توسط سے عربی زبان میں آیا۔ ایرانی اس لفظ کو "کمخا" اور "کمخاب" دونوں طریقے سے استعمال کرتے تھے، یہ ایک قسم کا دیبائے چین ہے اور چین میں اس کو کمخا (KIMKHA) کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایرانی تجار عہد قدیم سے چین سے اس قسم کا دیبا لاتے تھے اور خشکی کے راستے سے چینیوں کے ساتھ رابطہ ہونے کے بعد ایرانیوں نے ریشم کے کپڑوں کی تربیت کا فن ختنیوں سے سیکھا اور گیلان میں انھوں نے ساسانی عہد کے آخر میں اس کا تجربہ کیا اور بڑی حد تک کام یاب ہوے اور جہاں تک دیبائے چین کا تعلق ہے تو یہ عہد اسلام کے ایران میں بہت مشہور تھا یہاں تک کہ فردوسی نے اپنے شاہ نامے میں کئی موقعوں پر اس کا ذکر کیا، اور ایک قسم کے اور چینی ریشم کا ذکر کیا جسے "پرنیاں" کہتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عربی میں "کمخو" اور فارسی میں "کمخا" یا "کمخاب" چینی "کمخا" بکسر کاف کا محرف ہے، لیکن یہ کہہ نہیں سکتے کہ آیا انگریزی لفظ SILK

---

[۱] دیکھو صـ

اور عربی لفظ "ابریشم" میں اور چینی لفظ "سی" (Si) میں کوئی لسانی تعلق ہے یا نہیں۔ اس حقیقت کا دریافت کرنا علمائے السنہ کا کام ہے۔ البتہ ہم اس میں کوئی شک نہیں کرتے کہ لفظ "کمخاب"۔ کمخا (KIM KHA) سے بگڑ کر آیا اور دیبائے چین اس کا مرادف ہے۔ اس لفظ کا استعمال ابن خرداذبہ، مقدسی، اور ابن بطوطہ کے مولفات میں بہت آتا ہے۔

شائے:۔ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ لفظ "شائے (چائے) کا داخلہ عربی زبان میں کب ہوا۔ مگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلیمان تاجر سیرانی جس نے اپنی کتاب سلسلۃ التواریخ ۸۵۱ء میں لکھی، پہلا عرب تھا، جس نے چین میں چائے کے استعمال کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائی، چائے کو سلیمان سیرانی نے اپنی کتاب میں "سوخ" لکھا ہے۔ اس کے مطابق "سوخ" ایک قسم کی نباتی پتیاں ہیں، کھولتا ہوا پانی اس پر ڈال کر اس کا عرق نکالتے اور اہلِ چین اس کو معمولی پانی کی طرح پیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے مفید ہیں۔

مگر سلیمان کے بعد جو مورخین اور جغرافیہ داں گزرے۔ انھوں نے اس کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا ابو منصور نے بھی جس نے کتاب "الابنیات عن حقائق الادویات" ۹۷۵ء لکھی، کچھ بیان نہیں کیا اور عرب عالم نباتات ابن بیطار کی کتاب میں اس کا ذکر بھی ملا۔ پھر ہم اگر چین کی ان کتابوں کی تحقیق کریں جو آٹھویں صدی سے لے کر بارھویں صدی تک لکھی گئیں، تو اشیائے تجارت میں اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ ان باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چائے بارھویں صدی تک تجارتی اشیا میں داخل نہیں ہوئی۔ مگر اس کے باوجود ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ چائے

کی زراعت چین میں زمانۂ قدیم سے تھی۔ اور خانگی مشروب کی طرح روزِ اوّل سے استعمال کی جاتی تھی، چوں کہ قدیم ادبیات میں اس کا ذکر شاذ و نادر ملتا ہی، اس لیے خیال ہوتا ہی کہ چائے پینے کی عادت ظہورِ اسلام سے پہلے عام طور پر نہیں پھیلی، اور غرب ایشیا تک اس عادت کا منتقل ہو جانا غالباً اس وقت تک نہ ہوا، جب تک چین اور ممالک اسلامیہ کے درمیان تجارت کے تعلقات مستحکم اور منظم طور پر جاری نہیں ہوے۔ اس بنا پر ظن غالب یہ ہی کہ چائے پینے کی عادت مغلوں کے زمانے میں ممالکِ اسلامیہ میں منتقل ہوئی ہوگی۔ اور پندرھویں صدی میں یورپ پہنچی ہوگی۔ اس بارے میں استاد رامیسو (RAMISO) مارکو پولو کے سفرنامے کی ایک جدید اڈیشن کے مقدمے میں نہایت وثوق کے ساتھ یہ لکھتا ہی کہ پہلا یورپی جس نے چائے پینی سیکھی سنہ ۱۵۴۵ء میں ایک ایرانی تاجر حاجی محمد سے سیکھی۔[1] اور اس وقت ایران کے بازاروں میں چائے نوشی کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ ماندل سلو (A. D. MANDELSLO) کی بنا پر جس نے سنہ ۱۶۶۲ء میں ایران کی زیارت کی تھی۔ اہلِ ایران اس وقت چائے کے مقابلے میں قہوہ زیادہ استعمال کرتے تھے۔

یہ تو اس کی تجارت کے متعلق تھا، اب لغت کی حیثیت سے اس کو دیکھنا چاہیے۔ چین میں "چا" اس پانی کو کہتے ہیں جو کھولا کر چائے کا عرق نکالتا ہی جو زعفرانی یا زیتونی رنگ کی طرح ہی۔ اور "چائے" "چا" کی پتیوں کو کہتے ہیں، چین میں جو پیا جاتا ہی

---

(1) LAUFER LINO IRAMICA - P. 554

وہ "چا" ہے نہ کہ "چائے" یعنی چا کی پتیاں نہیں پیتے، بلکہ ان کا عرق پیتے ہیں۔ اردو اور فارسی میں جو چائے کا لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے، "چا" اور "ئے" یعنی "چا" کی پتیاں، عربی میں یہ لفظ "شای" کی صورت میں تغیر ہوا، ترکی، روسی اور پرتگالی زبانوں میں بھی "چائے" کا لفظ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں جو THE ٹے کا لفظ فارسی چائے سے (THE-THAi-CHAi) ہے۔ ہر حیثیت سے "چائے" جو موجودہ فارسی شکل ہے۔ چین کے اصلی لفظ (CHA) سے زیادہ قریب ہے اور چوں کہ عربی میں "چہ" کی آواز نہیں، اس لیے اہلِ لغت "چہ" کو "شین" سے بدل کر شای کہنے لگے۔

یہ مدنظر رکھتے ہوئے کہ بعض علمائے لغت عربیہ یہ خیال کرتے ہیں کہ لفظ "شای" کا اصل "شاہ" ہے اور اس بنا پر قاعدے کے لحاظ سے اس کی نسبت میں "شاہی" کہ سکتے ہیں۔ میرا اعتقاد ہے کہ یہ چینی لفظ ایران کے توسط سے عربی زبان میں چلا آیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ علمائے لغت عربیہ یہ سمجھتے ہیں کہ عربی 'شای' فارسی 'چائے' کا معرب ہے اور چائے ہی اس لفظ کی اصل ہے۔ اس سے غافل ہو کر کہ اس کی اصل حقیقی چینی لفظ "چا" ہے۔

استاد برتش نیدر (BRETSH NEiDER) اپنی کتاب (RESEARCHES ON THE MiDDLE AGES) میں یہ ذکر کرتا ہے کہ ایک عرب سفیر علاء الدین نامی، پندرھویں صدی عیسوی میں دربار چین میں حاضر ہوا، اور رسم ملاقات اور ہدیہ پیش

کرنے کے بعد، بادشاہ سے درخواست کی کہ "چاے" کا انعام بخشش فرمادیں" مجھے معلوم نہیں کہ اس واقعے سے لفظ شای کا جو اب عربی میں مروج ہے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ ظاہراً تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت پہلے عرب کو اس لفظ کا علم ہو چکا تھا۔

اس سلسلے میں "بک" کا لفظ بھی اضافہ کرتا ہوں، نہ اس بنا پر کہ یہ تجارتی تعلقات کا ایک نتیجہ ہے، بلکہ اس بنا پر کہ یہ ایک چینی لفظ ہے جو اب عربی، فارسی، ترکی اور اُردو میں خوب مستعمل ہوتا ہے۔ یہ عربی میں اس وقت ایک مدنی لقب ہے جو پاشا سے صرف ایک درجہ نیچا ہے۔ علمائے لغت یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ترکی لفظ ہے اور زبان عربی کے ادبا کو اس کا استعمال عہدِ عثمانیہ سے وراثۃً ملا ہے اور اب تک اس لفظ کو اپنے اصلی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور غالباً کرتے رہیں گے۔ اس میں ہم کو کلام نہیں ہے۔ اس لفظ کے متعلق جس بات میں ہم کو کلام ہے وہ یہ کہ لفظ 'بک' چینی لفظ (BEY) سے آیا ہے۔ "بک" اور بے کے معنی بالکل ایک ہی ہیں اور آواز کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی ہے۔ چین میں عہدِ قدیم سے عسکری اور مدنی القاب کا دستور تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں یہ لفظ سب سے پہلے تاتاروں کے توسط سے ترکی زبان میں آئے۔ ایشیا وسطی کے ترکی قبائل۔ اس کو "بے" پڑھتے اور لکھتے ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور عربی "بک" میں جو کاف ہے زیادہ کیا گیا ہے۔ یہ تو ان چینی الفاظ کے متعلق تھا جو اسلامی زبانوں میں مروج ہو گئے، اب ان کے بدلے میں بعض اسلامی الفاظ بھی ملتے ہیں جو چینی ادبیات میں مروّج ہو گئے ہیں معنیً اور نطقاً

بالکل وہی اسلامی ادبیات میں مستعمل ہیں۔ ان الفاظ کا چینی ادبیات میں داخلہ تجارت کے توسّط سے ہوا۔ کیوں کہ یہ سب ان چیزوں کے نام ہیں جن کی تجارت ان زمانوں میں ہوتی تھی۔ مثلاً زعفران، یاسمین، بابروہ، حِنا اور حُلبہ۔ یہ خیال بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان کے علاوہ بہت سے اور اسلامی الفاظ ہوں گے جو چینی ادبیات میں داخل ہو گئے ہیں مگر علم میں کم مایگی کی وجہ سے ہم مزید تحقیق نہیں کر سکے۔ ہم ان چند الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں جن سے ایک قسم کا اندازہ یہ ہو سکتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں عرب و چین کی تجارت نے چینی ادبیات میں کیا اثر چھوڑا ہے۔

زعفران:۔ ممالک اسلامیہ میں زعفران بہت ہی معروف اور محبوب چیز ہے۔ اس کا علم اسلام سے پہلے چینیوں کو "فان ہونگ خوا" یعنی "اجنبی سُرخ پھول" کے نام سے ہو چکا تھا۔ زعفران کے فوائد کثیرہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کو مصالحہ کے طور پر استعمال کیجیے، دوا کے طور پر استعمال کیجیے، عطر کے طور پر استعمال کیجیے اور رنگ کے طور پر استعمال کیجیے۔ اس چیز نے جو ایک اہم اور ممدوح تجارتی شئ ہے۔ ایام اسلام میں عرب و چین کی تجارت میں بڑا حصّہ لیا تھا۔ کشمیر اور ہندستان کے دیگر صوبوں میں اور ممالک اسلامیہ شرقیہ میں اس کی کثرت پائی جاتی ہے۔ مغول کے زمانے میں اس کی تجارت خوب ہوئی۔ مسلم تجار زعفران چین کے بازاروں میں لاکر بڑے داموں پر بیچتے تھے اور اس کی تجارت کی وجہ سے زعفران کا لفظ چینی ادبیات میں قدرے تحریف کے ساتھ داخل ہو گیا اور

اب چین میں اس کو "زافوران" کہتے ہیں۔ اور جس نے سب سے اول اس لفظ کو اپنی کتاب میں ذکر کیا وہ "لی شچن" تھا جو تیرھویں صدی عیسوی کا ایک ممتاز عالم تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی میں جو SAFFR.ON ہے، زعفران کا محرف ہے۔ اور استاد لوفر کی رائے ہے کہ زعفران سب سے پہلے عرب تجار کے توسط سے اندلس آیا اور پھر وہاں سے سارے یورپ کو نہ صرف اس چیز کا علم ہوا، بلکہ زعفران کا لفظ بھی ان کی زبان میں داخل ہو گیا۔ اس کی شہادت یہ ہے کہ اسپین میں یہ AZAFRAN اٹلی میں (ZAFFERANE)، فرانس میں (SAFRAN) اور رومانیہ میں (SOFRAN) کہلاتا ہے۔ ان الفاظ کی اصلیت "زعفران" کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی[1]

یاسمین :- علم نباتات میں چینی زبان میں ایک بہت ہی قدیم کتاب ہے جو اب "احوال نباتات شرقیہ" کے نام سے معروف ہے۔ اس کا مولف کیخان ہے جو بادشاہ ہوی کا وزیر تھا (۲۹۰ - ۳۰۹ء)۔ اس میں ایک نبات "یسمین" کا ذکر ہے۔ اجنبیوں نے ممالک غرب سے لا کر اسے کوانگ تانگ میں لگا دیا، اور جو لوگ جنوب چین میں بستے ہیں اس کی خوش بو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس واسطے وہ وہاں اس نبات کی زراعت کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مولف نے نویں صدی میں یہ بیان کیا ہے کہ "یاشمی" ایرانیوں کے ذریعے سے چین لایا گیا اور وہاں اس کے استعمال کا رواج ہوا۔ دیگر کتابوں میں اس پھول کا ذکر بھی ملتا ہے۔

---

(1) SINA IRANICA - P. 312

اس میں کوئی شک نہیں کہ چینی قدیم کتابوں میں "جوسمین" یا "شیمی" کا ذکر ہے، وہ پہلوی "یاسمین" سے محرف ہو کر آیا ہے اور اس لفظ کی نئی شکل فارسی میں "یاسمین" ہے اور عربی میں بھی "یاسمین" کہتے ہیں۔ استاد لوفر نے یہی سمجھا کہ یاسمین عربی لفظ ہے۔ اس غلطی کی وجہ سے اس نے علمی تحقیق میں اور ایک غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے "کیخان" کے قول کو غیر معتبر ٹھیرایا۔ اس کے نزدیک غیر ممکن ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں کوئی "عربی لفظ" چینی زبان میں داخل ہو سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ "یاسمین" اب جو عربی میں مروج ہے، اس کی اصل فارسی ہے۔ اور چینی "یسمیں" بھی فارسی سے آیا، نہ کہ عربی سے۔

اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ اسلام سے پہلے ایرانیوں کی چین کے ساتھ یاسمین کی تجارت تھی۔ مگر جب کہ آٹھویں اور نویں صدی میں عربوں نے بحری تجارت کے زمام پر قبضہ کر لیا تو ایران کی حیثیت گر گئی اور ان کے بجائے اب عرب تجارتی قوم بن گئی۔ وہ اپنی تجارت میں بڑی مقدار میں یاسمین کی خوش بو اور تیل چین لایا کرتے تھے اور وہاں اس کو رواج دیا تھا۔

یاسمین کا تیل عربوں کی اہم پیداوار میں سے تھا۔ اسے وہ "دھن زیئق" کہتے ہیں۔ ابن بیطار کی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ یاسمین کا تیل کیوں کر تیار ہوتا ہے۔ اصطخری کے مطابق ولایت بیجرد میں ایک خاص یاسمین کا تیل ہے جو اور جگہ نہیں مل سکتا۔ ایران کے سابور اور شیراز "یاسمین" کے تیل سے مشہور ہیں۔ ایک چینی عالم "کوی زی صوان" (KOO ZI SUAN) جو بارھویں صدی

کے آخر میں گزرا ہی۔ لکھا ہی کہ یاسمین کا تیل ایران اور شام میں خوب تیار ہوتا ہی۔ یہ ایک سفید پھول ہی، برف کی طرح، سب سے پہلے عربوں اور ایرانیوں نے کانتون میں لاکر لگایا اور اب وہاں کے لوگ اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ کانتون ریکارڈ میں یہ ذکر ہی کہ یاسمین کا تیل جہاز میں آتا ہی۔ کیوں کہ مسلمان تجار یاسمین کے پھول جمع کر کے اس سے تیل نکالتے ہیں، جو برص کے لیے بہت مفید ہی۔ اطبائے عرب فالج اور صرع کے دفع کرنے میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ اہلِ چین نے اس تیل کے لیے یہی نام اختیار کیا، جو عالم اسلام میں معروف ہی۔ اس سے وہ امراض کا علاج کرتے ہیں جن میں اطبائے عرب استعمال کرتے ہیں۔

یابروۃ:۔ اس کا دوسرا نام عربی میں ابرۃ الراعی ہی۔ یہ ان نباتات میں سے ہی جن کو عرب عہد سونگ میں چین میں لائے۔

چینی علما میں سے جس نے سب سے پہلے یابروہ کا ذکر کیا ہی وہ تشومی (TCHOW MI) ہی (۱۲۳۰ - ۱۳۲۰ء) استادلوفر نے اس پودے اور اس کی خاصیت کے متعلق اپنی کتاب LA (MAUDRAGORE) میں خوب بحث کی ہی۔

حنا:۔ مہندی کو عربی میں "حنا" کہتے ہیں۔ یہ لفظ چینی زبان میں "حائی نا" (HAI NA) کی شکل میں تبدیل ہوا۔ یہ ایک قسم کی نبات ہی۔ جس کی پتیوں میں سرخ عرق نکل آتا ہی اور عورتیں اس سے اپنے ناخون کو رنگتی ہیں اور بسا اوقات ہتھیلی کو۔ استادلوفر کی تحقیق کے مطابق عہد سونگ سے قبل چینی

عورتوں میں زینت اور سرور کے طور پر مہندی لگانے کی عادت نہ تھی۔ اس کا رواج صرف اس عہد سے شروع ہوا۔ یہ ان عرب یا ایرانی مسلمانوں کے آثار ہیں جو وہ چین میں چھوڑ کر آئے۔ سب سے قدیم کتاب چینی زبان میں اس رواج کے متعلق، تشومی TCHOW MI) کی "رسالہ کوی شین" ہے۔ اس میں مہندی لگانے کے متعلق یہ بیان ملتا ہے کہ "سرخ رنگ کی مہندی کی پتیوں کو پیس کر زاج (ALUM) سے ملاتے ہیں۔ ناخون خوب صاف ہونا چاہیے۔ مہندی کا ضماد ناخون پر رکھ کر ریشم کے کپڑے سے رات بھر باندھی جاتی ہے تاکہ مہندی کا اثر ناخون میں پہنچ جائے پھر کھل جا دیں۔ اور پہلی دفعہ کی طرح پھر لگا دیں، تین بار، چار بار حتیٰ کہ پانچ بار تک تکرار کی جاتی ہے۔ اس کی رنگت گہری سُرخ ہے۔ پانی کے دھونے سے نہیں جاتی۔ دس یا پندرہ روز تک ایسا ہی رہتا ہے۔ مسلمان عورتوں میں آج کل مہندی سے اپنی ہتھیلیاں سُرخ کرنے کی عادت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اوپر جو مہندی بنانے کی ترکیب اور لگانے کا طریقہ بتایا ہے، اس کے موافق ہے جو ممالک اسلامیہ میں رائج ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ممالک شرقیہ میں اس عادت کا خوب رواج ہے۔ مصری عورتیں قدیم زمانے سے پوکر کی پتیوں سے اپنے ناخونوں کو سُرخ کرتی تھیں اور اب بھی خوشی کے موقعوں پر مہندی سے ہاتھ پانو خوب لال کیے جاتے ہیں۔ آج کل مسلمانوں میں خاص طور پر مہندی استعمال کرنے کی عادت ہے۔ اور بعض لوگ اپنے بال

اور ڈاڑھی کو مہندی سے سُرخ کرتے ہیں۔ اہلِ ایران دیگر قوموں کی
بہ نسبت اور زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ استاد لوفر، اولی آریوس
(OLEARIUS) کی روایت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ایرانیوں میں
ہاتھ کو سُرخ کرنے کی عادت ہے اور خاص کر ناخونوں کو۔ بعض اپنے
پاؤں میں بھی مہندی لگاتے ہیں۔ یہ عروس کے لیے ضروری زینت ہے
اور وہ لوگ بھی اس زیبائش میں شریک ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے
محفل عروس میں حاضر ہوں۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک نوکرانی مہندی کو
لے کر محفل میں آتی ہے اور جو عورتیں حاضر ہیں اس سے لے کر اپنے
ہاتھ کو سُرخ کرتی ہیں۔ اس کا اثر کبھی پندرہ روز تک نہیں جاتا۔

ہندستان کا تو کیا کہنا، اس کی رسم ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ پہلے
صرف سواحل کورومنڈل میں مہندی پائی جاتی تھی۔ اور اب اس
کی زراعت ہندستان میں عام ہو گئی ہے۔ جو ایک اہم زرعی پیداوار
ہے۔ مہندی لگانے کی عادت نہ صرف ہندستان کی مسلم عورتوں میں
عام ہے بلکہ بڑی حد تک ہندو عورتوں میں بھی پھیلی ہے۔ اور استاد
گورت (MR. GORET) کی تحقیق کے مطابق مہندی کی کاشت پہلے
ہندستان میں نہ تھی، مسلمانوں نے آکر اس کا رواج کیا اور اب اس کا
استعمال عام ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عادت کا رواج چین
میں غالباً ایرانیوں کی بدولت ہوا اور چینی تاریخ کے مطابق اس کا
آغاز عہد سونگ (SUNG) (۹۷۶ م) کو سمجھنا چاہیے۔

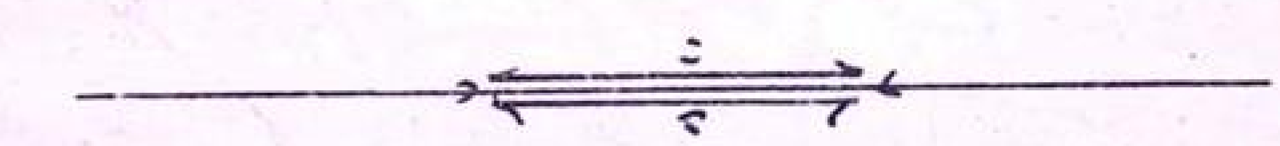
حُلبہ:- اطبائے چین ایک اجنبی دوا کا بیان کرتے ہیں جو چین
میں "ہولوبا" (HULUPA) کے نام سے معروف ہے۔ یہ عربی

"حُلبہ" کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ گمان غالب یہ ہے کہ حُلبہ کا درخت دسویں صدی عیسوی میں چین لایا گیا۔ چینی علما میں سے جس نے سب سے پہلے اس دانے کا ذکر کیا تھا وہ "چان یوشی CHAN YU SHEE) تھا جو ۱۰۶۴ء تک زندہ رہا۔ اس کے قول کی بنا پر حلبہ کی کاشت کانتوں میں ہوتی تھی۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق، حُلبہ کے بیج جزیرہ ہائی نان (HAI NAN) اور دیگر بلاد اجنبیہ سے لائے گئے۔ اجنبی تاجر کانتون آکر اس کے بیج کو وہاں ڈال دیتے تھے اور وہ خود بہ خود اُگ جاتے تھے لیکن چین کی پیدا کردہ حُلبہ، ممالک اسلامیہ کی حُلبہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے طبی فوائد، نباتات اور ادویہ کی کتابوں میں "ہولوبا" کے عنوان کے ماتحت بیان کیے گئے ہیں۔ اگر آپ کتاب الابنیات عن حقائق الادویات (ابو منصور) میں ذرا نظر ڈالیں تو اس کے طبی خصائص "حلبت" کے بیان میں یہ تفصیل ملیں گے۔ یہ مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ یہ عربی لفظ چینی زبان میں "ہولوبا" کی شکل میں تبدیل ہوا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس کا داخلہ عہد تانگ کے آخر میں عراق سے یا خلیج فارس کے عرب تجار کے ہاتھ ہُوا۔

....

یہ تعلقات جو آپ سابق ابواب میں پڑھ چکے ہیں اور یہ نتائج جو آپ کی نظر سے گزرے ہیں ان کو لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر میں نے دیکھا کہ تاریخ اسلام در چین کی تحقیقات میں جس کی طرف بہت کم علما توجہ فرماتے ہیں۔ پہلا قدم ان تعلقات کا معلوم کرنا ہے۔

جن کے بغیر کوئی کام شروع نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر مجبوراً ان تعلقات کو عناصر اور عناوین کے مطابق پہلے ترتیب دینا پڑا۔ تاکہ یہ اس طالب حقیقت کے لیے سنگِ بنیاد کا کام دیں جو چین کی تاریخ اسلام کے متعلق تحقیق کرنی چاہتا ہو اور اس کے علل و اسباب دریافت کرنا چاہتا ہو اور جہاں تک تاریخ اسلام در چین کا تعلق ہے، اب اس کی راہِ تحقیق پر گام زن ہوں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھ کو ہمت اور استقلال کی توفیق فرمائی تو بہت ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھوں۔ مگر قارئین کرام کی نیک دُعا اور حوصلہ افزائی کا ملتمس ہوں اور میری آیندہ کام یابی آپ کی دُعا اور حوصلہ افزائی پر موقوف ہے۔ اب اس بحث پر الحمد اللہ رب العالمین کی مُہر لگاتا ہوں۔



مصادر

چینی زبان میں

۱- مسلمانانِ چین کی اصلیت

۲- الہیات چین

۳- تاریخ شما جیانگ

۴- تاریخ تانگ قدیم وجدید

۵- تاریخ مینگ

۶- تھونگ جیانگ

۷- تذکرے ممالک اجنبیہ

۸- تاریخ اسلام در چین کی تحقیقات

۹- دیوان لغات چین

۱۰- توہ چودہ : م ۳ - ج ۵

۱۱- رسالہ سینگ پاؤ ۱۹۳۴/۱۱/۱۵

۱۲- مختصر تمدنِ چین

۱۳- ترکستان سے چین کے تعلقات

۱۴- عرب سے چین کے تعلقات

۱۵- ایک غربی نسل کی آمد

فارسی اور اُردو زبان میں

۱۶- اویماق مغول : آغا جان محمد خاں (طبع امرتسر)

۱۷- تاریخ ممالک چین : کارکرن (طبع کلکتہ)

۱۸- تاریخ وصاف

۱۹- جامعہ التواریخ

۲۰- چینی مسلمان (دارالمصنفین)

۲۱- تمدن عرب - ترجمہ بلگرامی)

۲۲- ختائی نامہ - اکبر علی

۲۳- سال نامۂ مجلہ کابل ۱۹۳۳

۲۴- عرب و ہند کے تعلقات

۲۵- مطلع السعدین

عربی زبان میں

۲۶- آثار البلاد واخبار العباد (قزوینی

۲۷- الاسلام و ترکستان الصین

۲۸- اقالیم الارض - اصطخری

۲۹- تاریخ ابن الاثیر

۳۰- تاریخ الطبری

۳۱- تاریخ ابن الوردی

۳۲- التصویر فی الاسلام عن الفرس محمد زکی حسین

۳۳- رسالہ فی وصف محتویات دار الآثار العربیہ بالقاہرہ

۳۴ تحفۃ المجاہدین

۳۵- تحفۃ النظار فی غرائب الامصار - ابن بطوطہ

۳۶- حواشی حاضر العالم الاسلامی - امیر شکیب ارسلان

۳۷- دیوان لغات الترک - محمد الکاشغری

۳۸- تحفۃ الالباب

۳۹- صبح الاعشی

۴۰- صفوۃ الاعتبار شیخ بیرم التونسی

۴۱- سلسلۃ التواریخ - سلیمان السیرافی و ابوزید الحسن السیرافی

۴۲- العقد الفرید

۴۳- الفہرست

۴۴- کتاب الممالک والمسالک - ابن خرداذبہ

۴۵- معجم البلدان - یاقوت -

۴۶- مروج الذہب - مسعودی -

۴۷- نبذۃ عن الصین - اتربی ابی السغر -

۴۸- نزہتہ المشتاق - ادریسی -

یورپی زبانوں میں

49- ANDREW (C.F) THE CRECENT IN THE NORTH WEST CHINA.

50 ARNOLD (THOMAS) ISLAMIC BOOK PAINTING IN ISLAM

51 AMEER ALI, THE SHORT HISTORY OF THE SARACENS.

52. BLOCHET. MUSSALMAN PAINTING: INTRODUCTION À LA HISTOIRE DES MONGOLS DE TADELLAH

53. BERTHOLD: TURKISTAN DOWN TO THE MONGOL INVASION

54. BRETSCHNEIDER: THE ANCIENT CHINESE KNOWLEDGE OF THE ARABS

55. BROOMHALL: ISLAM IN CHINA

56. BROWN (E) THE LITERARY HISTORY OF PERSIA IV

56. BEAZLEY: DOWN TO THE MODERN GEOGRAPHY. NOTICES AND EXTRAAITS VOL 14

57. CHINA REVIEW. VOL VI SHANGHAI

59. DIMAND: HAND BOOK TO THE MOHAMMADAN DECORATIVE ARTS

60. ELLIOT: HISTORY OF INDIA

61. TERRAND; RELATION DES VOVAGES

62. GIBB: THE ARAB CONQUESTS OF CENTRAL ASIA

62. GIBBON, THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE

63. HADI HASAN, HISTORY OF PERSIAN NAVIGATION

64. HIRTH ( ) CHOO GU KUO

65. HIRTH ( ) CHINA AND THE ROMAN ORIENT

66. HOBSON: A GUIDE TO THE ISLAMIC POTTERY.

67. HOWORTH: HISTORY OF THE MONGOLS

68. HUART. ANCIENT IRANIAN CIVILIZATION

69. KAHLE: ISLAMISCHE AUBLLEN

70. LEGACY OF ISLAM

71. LOUFER (B) SINA IRANICA

72. PARKER (E.H) CHINA AND RELIGIONS

73. SLADIN AND MIGEON: MANUAL D'ART MUSSALMAN

74. SHUFFER (CH) LES RELATION DES MUSSALMAN AVEC CHINOIS

75. VAMBERY: HISTORY OF BUKHARA

..WILSON: THE PERSIAN GULF.

جدید معلومات سائنس

عام فہم زبان میں سائنس کی ان سائی کلوپیڈیا۔ اس میں سائنس کے ہر اس موضوع پر بحث کی جائے گی جس کا جاننا اور سمجھنا ایک سمجھ دار انسان کے لئے ضروری ہے۔ سہولت کی خاطر سائنس کے تمام شعبوں کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب "کائنات پر" ہے اس میں فلکیات، مادے، مادے کی ساخت اور مختلف کائناتی نظریوں کا ذکر ہوگا۔

دوسرے باب کا عنوان "ہماری زمین" ہے یہ باب ارضیات اور جغرافیہ پر ہوگا۔
تیسرا باب "زمین کے خزانے" کے نام سے موسوم ہے جس میں ہر قسم کے معدنیات کا تذکرہ ہے۔

چوتھے باب میں "حیات" اور اس کے کرشموں کا بیان ہے۔
پانچواں باب انسان "پر ہے اس میں اشرف المخلوقات کی کہانی اور نفسیات سے بحث ہے۔
چھٹا باب صحت کے سب سے بڑے دشمن "جراثیم" پر ہے اس میں جراثیم کش اور جراثیم کش دواؤں کی ایجاد اور تیاری کا دلچسپ بیان ہے۔
ساتواں باب "نباتی" اور آٹھواں باب "حیوانی دنیا پر ہے۔
نویں باب میں "توانائی" اور اس کے کرشموں کا ذکر ہے دسواں اور آخری باب "صنعت" کا ہے جس میں دنیا کی اہم ترین صنعت کاغذ سازی کا تفصیلی بیان ہے۔ اس کتاب میں متعدد قلمی اور عکسی تصویریں اور نقشے شامل ہیں۔
غرض اردو زبان میں یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے۔